ستارۂ شام

آمنہ ریاض

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 37232336 - 37352332 -042

نام کتاب	....	ستارۂ شام
مصنفہ	....	آمنہ ریاض
ناشر	....	گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	....	زاہد نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	....	انیس احمد
سن اشاعت	....	اگست 2013ء
قیمت	....	600/= روپے

ملنے کے پتے......

ویلکم بک پورٹ
اُردو بازار، کراچی

رشید نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ اُردو بازار، کراچی

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

کلاسیک بکس بوہڑ گیٹ، ملتان

کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال

رائل بک کمپنی
فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ رشیدیہ، جنرل مارکیٹ
چکوال فون 0301-5785262

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

جلال الدین نے فائل بند کر کے میز پر کھسکا دی اور دائیں ہاتھ سے آنکھیں مسلتا ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔

آج کا سارا ہی دن بے حد تھکا دینے والا تھا۔

نئی نئی ملازمت، کم تنخواہ لیکن ترقی کے لالچ نے اسے دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر لاء چیمبر کے دھکے اور آخر میں پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ مغز ماری۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اپنا وجود دیمک لگی لکڑی کی طرح بھر بھرا ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

کتنے دن گزرے وہ سکون سے سو بھی نہیں سکا تھا۔

اس وقت بھی ابھی نیند نے پوری طرح اس کے ذہن پر غلبہ نہیں پایا تھا کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کا دل بے حد، بے ہنگم طریقے سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر اس نے اس چیز کو تلاش کرنا چاہا جو اس کے ہاتھ سے ٹکرائی تھی مگر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ کوئی بھی ایسی چیز جو کسی غیر معمولی پن کی طرف اشارہ کرتی ہو، وہ کچھ دیر اسی طرح متلاشی اور خوف زدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس کے خوف میں بتدریج کمی واقع ہونے لگی اور بالآخر اس کے لبوں پر جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نیند میں ڈر جانا کچھ ایسی غیر معمولی بات بھی نہیں، خصوصاً تب جب پچھلی سترہ راتوں میں آپ برائے نام سوپائے ہوں۔

اب بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی یعنی بے آرام راتوں میں ایک اور بے آرام رات کا اضافہ۔

اس کی بیوی دوسری طرف منہ کیے سو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی تک آ گیا اور پردے ہٹا دیے پھر چونک سا گیا۔

شیشے پر بارش کی بوندیں جلترنگ بجا رہی تھیں اور تیز ہوا میں یوکلپٹس کے پتے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

اس کھڑکی سے حویلی کا باغ صاف دکھائی دیتا تھا جو اس وقت گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے پھاٹک کے لیمپ پوسٹ روشن تھے اور جن کی روشنی بارش کی بوندوں کے ساتھ گھل مل کر ڈرائیو وے کے کچھ حصے کو روشن کر رہی تھی۔

جلال الدین کو خیال آیا اگر اس سفیدے کے درختوں میں گھری ہوئی عمارت کو بالکل سامنے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ عمارت اپنے پہلے تاثر میں بالکل آسیب زدہ سی لگے گی۔

بالکل چپ چاپ، پُرشکوہ مگر پُرہیبت۔

اسے ایک اور خیال آیا کہ یہاں بسنے والے بھی تو نارمل نہیں ہیں۔ سب کے سب عجیب و غریب رویوں کے مالک۔

وہ یہاں ہوتی..... اس کی زندگی..... یعنی اس کے رت جگے میں شریک ہوتی تو ضرور کہتی۔

"میں تو جس روز سے اس گھر میں آئی ہوں یہی کہہ رہی ہوں..... مگر تم کو میری بات پر یقین ہی نہیں ہے۔"

یاد آئی تو بھولی بسری مسکراہٹ بھی لبوں کا احاطہ کرنے چلی آئی۔

"اب سو جانا چاہیے۔" صبح پھر کورٹ جانے کا خیال آ رہا تھا سو اس نے پردہ برابر کیا اور لیٹ گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ کمرے میں نائٹ بلب آن تھا سو وہ بھی گل ہوا مگر دل روشن تھا یادوں سے۔ باتوں سے۔

"کیا خوب ہوتا اگر میں محبت نہ کرتا...... یہ سارا فساد اسی محبت کا پھیلایا ہوا ہے۔"

آج پژمردہ خیالات کی رات تھی، سو ایک اور بے کار سا خیال چپکے سے چلا آیا۔ دل کو رات بھر فراغت ہی فراغت تھی۔ اس نے فوراً دل کو ڈپٹا۔

"گدھے! محبت کی نہیں جاتی...... ہو جاتی ہے۔"

"اوہ......" افسردگی پر بدحزگی چھا گئی۔

"بڑی پرانی بات ہے، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔"

"لیکن میرے تو ابھی بھی چار ہی خانے ہیں اور میں تمہارے بائیں جانب رہتا ہوں۔" دل نے اٹھلا کر اطلاع دی۔

"میں تم سے باتوں میں کبھی نہیں جیت سکتا۔"

"میرے معاملات میں دماغ کی دخل اندازی ترک کر دو۔ جیت تمہارا ہی مقدر ہو گی۔"

"اوہ...... ایک ہی بار تمہاری بات مانی تھی۔ آج تک بھگت رہا ہوں۔"

بحث اور طول پکڑتی لیکن اسی وقت اس کے موبائل کی بپ بجنے لگی۔ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ جلال الدین نے اپنی بیوی کی نیند خراب ہو جانے کے خیال سے جھپٹ کر فون اٹھایا اور بنا نمبر دیکھے کان سے لگا لیا۔

"کیا آپ جلال الدین صاحب بات کر رہے ہیں؟" اجنبی مردانہ آواز تھی۔

جلال الدین چونکا۔ "جج...... جی ہاں۔"

"دیکھیے...... میں انسپکٹر خورشید نواز بات کر رہا ہوں۔ جنت بی بی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

انسپکٹر کی آواز بے حد کرخت تھی۔

جلال الدین کی چھٹی حس نے کوئی سگنل دیا تھا۔

"جی...... وہ میری۔" انسپکٹر نے بدتہذیبی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ آپ کی کوئی بھی ہو۔ ہم نے صرف یہ بتانا تھا کہ جنت بی بی ہماری حراست میں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہم نے اسے فتح شیر کالونی سے اس کے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ آپ جنت بی بی کے رشتے دار ہیں...... مہربانی فرما کر آپ تھانے تشریف لے آئیے تا کہ کچھ ضروری نوعیت کی کارروائی پوری کی جا سکے۔"

اطلاع ختم۔ فون بند۔

جلال الدین کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، گویا یہ تھی وہ اطلاع جس کے قبل از وقت اندیشے نے اسے سونے نہیں دیا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ صدمے نے اس کی ہمت چھین لی تھی پھر وہ اٹھا اور ڈریسنگ میں گھس گیا۔ چند منٹ بعد جب اپنی برساتی پہن کر وہ بڑی خاموشی کے ساتھ اس بھوت بنگلے سے نکل رہا تھا تو اس کا دل چاہ رہا تھا، خوب چیخ چیخ کر رو دے کیونکہ آسمان پر امید کا ایک بھی ستارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

جلال الدین نے مایوسی و بے بسی کے بوجھ سے اپنے کندھوں کو جھکتے محسوس کیا تھا۔ اچھی بھلی سکون سے گزر رہی تھی۔ کیا پتا تھا کبھی ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

ایک تو رات گئے ملنے والی بری خبر نے یوں بھی اسے ذہنی طور پر ناتواں کر چھوڑا تھا، دوسرے مقامی پولیس اسٹیشن کے عملے کا رویہ انتہائی حوصلہ شکن۔

خدا جانے وہ کیوں بھول گیا کہ وہ ملزمہ کے رشتہ دار کی حیثیت سے یہاں آ رہا ہے۔ ذہنی طور پر تیار ہو کر آتا تو یقیناً اتنی کوفت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

"دیکھیے محترم......!" بڑی منتوں کے بعد اس کی بات سن لینے پر راضی ہوئے ایس ایچ او نے اپنے اسٹاف ممبرز کی طرح بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ کا ملزمہ سے کیا رشتہ ہے۔ آپ اس کے بھائی ہیں، باپ ہیں یا شوہر ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... اہم بات یہ ہے کہ جنت بی بی نے اپنے شوہر کے قتل کا اعتراف کیا ہے اور آپ نے ملزمہ کو چھپا کر اس کے جرم میں اس کا ساتھ دیا ہے...... اس حساب سے تو آپ کو بھی اس وقت سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے تھا، شکر کریں کہ ہم نے آپ کو کرسی پر بٹھایا ہوا ہے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، میں نے جنت کو چھپا رکھا تھا۔" جلال الدین جھنجلا کر بولا۔

"آپ کا ملازم گواہ ہے۔" ایس ایچ او مسکرایا۔ جلال الدین کے دل و دماغ میں غصے کی شدید لہر اٹھی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، اس کے وکیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ میرے کلائنٹ پر بے بنیاد الزامات لگا رہے ہیں۔" پھر اس نے ایک فائل ایس ایچ او کے سامنے رکھ دی۔

"یہ جنت کی رپورٹس ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت شیزوفرینک (دوہری شخصیت) ہے۔ اور آج سے نہیں بلکہ پچھلے چار سالوں سے زیر علاج ہے، وہ جو بھی بولتی ہے یا کرتی ہے۔ اس کی صداقت کو جانچنے کے لیے اس بیماری کو مدِ نظر رکھا جانا ضروری ہے۔"

وکیل صاحب تحمل سے وضاحت کر رہے تھے۔

ایس ایچ او نے چونک کر فائل پکڑ لی۔ کچھ صفحات پلٹے پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

"یعنی لڑکی پاگل ہے؟"

جلال الدین نے شدت کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"کوئی عام انسان جو اس بیماری سے واقف نہیں ہے، اس کے لیے شیزوفرینک پاگل ہی ہوتا ہے لیکن دراصل یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے جس کی علامات ہر مریض میں الگ ہوتی ہیں۔ جیسے جنت، اسے چار سال پہلے یہ لگنا شروع ہوا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے جب کہ وہ تو شادی شدہ ہی نہیں ہے۔"

جلال الدین کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی۔

"تم باہر جا کر بیٹھو..... میں معاملات نمٹا کر آتا ہوں۔" اس نے جھک کر جلال الدین سے دھیمی آواز میں کہا۔

جلال الدین خاموشی سے اٹھا اور باہر آ گیا۔ برآمدے کے آگے متوازی چھت سے پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ بارش البتہ رُک چکی تھی۔

وہ گرل پر مٹھیاں جما کر اندھیرے کو گھورنے لگا۔

کیسی تھی زندگی۔ اب تو تیز ہوا سے بکھرے پتوں کی مانند تھی۔ جس روز اس نے رحمت اللہ اور اس کی بیوی کو جنت کی ذمہ داری سونپی وہ کس قدر مطمئن ہو گیا تھا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وقت سے بڑا مرہم بھی بھلا کوئی ہے؟ گردشِ دوراں تو جانے کس کس چیز پر گرد جما دیتی ہے۔

اسے لگا جنت اب محفوظ ہے۔

لیکن آج کی رات..... قیامت کی رات تھی۔ اس کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھر رہی تھیں۔ تب ہی ایک ہاتھ کندھے پر آ رکا۔ وہ پلٹا۔

"فکر مت کرو جلال الدین! اب ٹھیک ہو جائے گا۔" مسعود خفیف سا مسکرایا تھا۔

جلال الدین کو لگا، اس کا دوست مسکراہٹ کے پیچھے لگا کر امید تازہ کر رہا ہے۔ مگر وہ خود مسکرا بھی نہ سکا۔

"کیا کہتے ہیں؟" مبہم سا سوال تھا۔

"ضمانت کروانا پڑے گی اور ضمانت کے لیے صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ جنت کا بیان ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس نے اقبال جرم نہ کیا ہوتا تو معاملہ نمٹانا آسان تھا۔ اب اس کیس پر محنت کرنا پڑے گی۔" مسعود نے کہا۔

"ہم صبح کا انتظار کر لیتے ہیں۔"

"پاگل مت بنو..... باقی رات یہاں بیٹھ کر نہیں بتائی جا سکتی۔ ہمیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔"

"جنت یہاں کیسے رہے گی؟" جلال الدین نے خائف ہو کر کہا۔ "نہیں مسعود! میں اسے یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ مر جائے گی۔" وہ رو دینے کو تھا۔

مسعود نے مضبوطی سے اس کا کندھا تھام لیا۔

"مجبوری ہے جلال! یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی اور جنت کی فکر نہ کرو۔ لیڈیز اسٹاف بھی ہے یہاں۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے

گا۔ صبح عدالت کھلتے ہی میں ضمانت کے کاغذات تیار کروا لوں گا۔" جلال الدین کو گوکیفیت میں گم تھا پھر اس نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

"میں پہلے ہی پوچھ چکا ہوں مگر ایس ایچ او بڑا اکھڑ ہے۔ پرمیشن نہیں دے رہا۔ اس کے لیے بھی صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"مسعود......" بے بسی نے جیسے اسے پاگل ہی کر دیا تھا۔ مسعود نے ترحم سے اسے دیکھا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا یوں چھپا کر رکھنا زیادہ بڑا رسک ہو گا، تمہیں اسے پہلے ہی فاؤنڈیشن ہاؤس بھجوا دینا چاہیے تھا۔" مسعود کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"جنت پاگل نہیں ہے مسعود!"

اللہ جانتا تھا یا جلال الدین...... کہ اس لمحے اس نے خود پر کیسے ضبط کیا تھا۔ غم و غصے سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ تنفس تیز ہو گیا تھا اور آنکھیں لال انگارہ ہو کر دہک رہی تھیں۔

مسعود نے بغور اس کی حالت دیکھی اور کچھ بھی کہنے سے باز رہا کیونکہ وہ جانتا تھا، اسے کچھ بھی سمجھانا بے کار ہو گا۔

اس نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپکا اور بولا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... آؤ گھر چلتے ہیں۔"

جلال الدین نے تھکے ہارے قدم باہر کی سمت بڑھا دیے۔

پھر جس وقت مسعود کے گھر کے باہر گاڑی روکی۔ مسعود کچھ منٹ سوچتا رہا پھر حوصلہ دینے والے انداز میں اس کا کندھا تھپتھپا کر اتر گیا۔

ابھی دو قدم ہی چلا ہو گا کہ جلال الدین نے خوف زدہ ہو کر اسے پکار لیا۔

"تم جنت کو بچا لو گے نا مسعود؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میری کیا بساط ہے یار! اللہ بچائے گا۔" مسعود نے بڑھ کر اس کے کندھے کو بھرپور طریقے سے تھپکا۔ "اتنی جلدی حوصلہ ہار دو گے تو زندگی کا سامنا کیسے کرو گے۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ انسان کچھ نہیں کرتے۔ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔"

جلال الدین کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ اس نے بنا کچھ کہے گاڑی بڑھا دی اور بے مقصد بارش سے بھیگی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

اسے بار بار رحمت اللہ کا ملتجی لہجہ یاد آ رہا تھا۔

"میری زنانی کی غلطی ہے صاحب! بچوں کی لڑائی میں خود کود پڑی۔ پڑوسیوں نے غصے میں آ کر پولیس کو اطلاع دے دی کہ فلیٹ نمبر بارہ میں کوئی عورت چیختی رہتی ہے۔ پولیس آئی تو بی بی صاحب نے انہیں سب سچ بتا دیا...... معاف کر دو صاحب! ہم سے آپ کا نقصان ہو گیا۔ آپ تو مائی باپ ہو، آپ نے ہی سر سے ہاتھ اٹھا لیا تو کسی عورت کو گھر میں چھپا کر رکھنے کے الزام میں ہم غریب دھر لیے جائیں گے۔" وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

جلال الدین نے آنکھیں زور زور سے جھپک کر آنسوؤں کو دھکیلنا چاہا مگر سینے میں کرب کے جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ حلق میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھیں۔

آنکھوں میں کرچیوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔

ہوا شدید تھی۔ ماضی کے اوراق خود بخود پلٹنے لگے۔

اور ماضی کا سفر ہر ایک کے لیے خوش کن بھی نہیں ہوتا۔ جلال الدین کا درد دو چند ہوا تھا، بڑی کوشش کے باوجود بھی وہ سینے میں دبی سسکیوں کو روک نہیں سکا۔

اور اس روز جب سڑکوں پر صبح کاذب کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے پژمردہ اور مایوس جلال الدین گاڑی کے اسٹیرنگ پر سر ٹکا کر بچوں کی طرح رو دیا۔ ماضی کا سفر اسے آنسوؤں کی ہمراہی میں طے کرنا تھا۔

☆☆☆

گرمیوں کے طویل دن تھے۔ سورج دھوپ نہیں آگ اگلتا تھا۔ سارا سارا دن کھیتوں پر سنہری غبار چھایا رہتا جس سے بصارت گم ہوتی محسوس ہوتی تھی۔ چرند پرند بولائے بولائے پھرتے۔

لیکن کسانوں کو یہ موسم کچھ نہیں کہتا۔ انہوں نے سارا سال کٹائی کے اس موسم کی راہ دیکھی ہوئی ہے۔

اس موسم میں گائے جانے والے مخصوص گیت وہ سارا سال گنگناتے ہیں تاکہ ان کے بچے ان گیتوں کو یاد کرلیں اور جب کٹائی شروع ہو تو زور و شور سے ان گیتوں کو گائیں اور ان کی ہمت بڑھائیں۔ ڈھول کی تھاپ ان کے وجود میں بجلی بھر دیتی ہے۔

اور جب ڈھول اور گیت کے بول ایک ساتھ ان کی سماعت سے ٹکراتے ہیں تو وہ ایک عجب ولولہ انگیز جذبے کے تحت اپنی درانتیاں لے کر آگے بڑھتے ہیں اور کھیتوں کے کھیت صاف کر ڈالتے ہیں۔

جب ایک کسان کا کھیت مکمل ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے کسان کے کھیت میں اس کا ہاتھ بٹانے پہنچ جاتا ہے اور یوں کٹائی کا موسم ختم ہونے سے قبل سب کے کھیت خالی ہو جاتے ہیں۔

دین محمد بھی ان ہی کسانوں میں سے ایک تھا۔

پنجاب کے مغربی علاقے میں دیپال پور سے تھوڑا آگے اس کا گاؤں تھا۔ چھ مربع زمین تھی جسے وہ بڑی چاہ سے کاشت کرتا تھا اس نے چند ملازم بھی رکھے تھے مگر بوائی اور کٹائی کے دنوں میں مالک اور نوکر کا فرق بھلا دیتا تھا۔

چھ مربع زمین اسے اپنی اولاد کی طرح عزیز تھی اور کہتا تھا۔

جب تک کھیت کو محبت نہ دوں گا تو یہ بھی پھل نہ دے گا۔

وہ اپنی زمین، اپنے کھیتوں سے محبت کرتا تھا۔

لیکن اس موسم میں اس کی عجب حالت تھی۔ وہ جو ڈھول کی پہلی تھاپ پر سر دھنتا اپنی درانتی لے کر سب سے پہلے کھیتوں میں اترتا تھا۔ آج دور کھڑا آنکھیں گاڑے اپنے بھرے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک بالی سنہری اور دانوں سے بھری ہوئی تھی۔

ساتھ والے کھیت اکمل چوہدری کے تھے جن میں بس ایک دن کی کٹائی باقی رہ گئی تھی۔ پہلے کٹائی مکمل ہونے کا مطلب تھا، گندم کا پہلے منڈی میں پہنچ جانا۔ اگر اس کی گندم آخر میں پہنچتی تو اونے پونے ہی بکتی۔

''ایک دو روز میں کٹائی ہو جانی چاہیے۔''

اکمل کی سپاٹ زمین کو دیکھتے ہوئے اس نے تشویش سے سوچا مگر یہ سوچ زیادہ دیر اس کے ذہن میں نہیں رہی۔ اس کی سوچوں کا رخ ایک بار پھر اپنی بیوی کی طرف مڑ گیا تھا۔

اس کی بیوی حاملہ تھی اور چند روز میں ایک بچے کو جنم دینے والی تھی۔

اپنی شادی کے آٹھ سالوں میں وہ اپنے چھ نومولود بچوں کو ان کی پیدائش کے اگلے ہی روز دفنا چکا تھا۔ بعض اوقات وہ سوچتا اللہ اسے آزمائش میں کیوں ڈال رہا ہے۔ حالانکہ آج تک اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند مسلمان تھا۔ حقوق العباد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ بھی حتی المقدور پورے کرتا تھا۔ صدقہ خیرات بھی کرتا۔ گاؤں کے کئی ایسے غریب گھرانے تھے جن کی کفالت پچھلے کئی سالوں سے بالکل خاموشی سے کر رہا تھا۔ ہر روز کئی لوگوں کے ہاتھ اس کے حق میں دعا کے لیے اٹھتے تھے۔

پھر بھی...... پھر بھی اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔

وہ ہر بار اپنی بیوی کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا۔ نو ماہ وہ بالکل ٹھیک رہتی تھی لیکن جب بچہ پیدا ہوتا تو پتا چلتا وہ پیدائش سے چند روز پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔

اس نے بساط بھر علاج کروائے۔ دم درود سب آزمایا لیکن نتیجہ وہی صفر کا صفر۔

اور اب پھر اس کی بیوی امید سے تھی۔

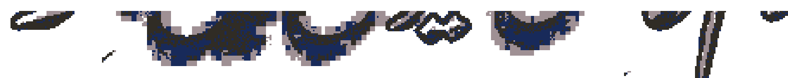
دین محمد چاہ کر بھی اپنی توجہ کسی اور طرف مبذول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اپنے بچے کی زندگی کے لیے تہہ دل سے دعا گو تھا مگر کہیں اندر سے دل کے کسی کونے میں وہ خوف چھپا بیٹھا تھا جس کی عمر چھ سال تھی۔

''میں کل ہی کٹائی کا کام شروع کروا دوں گا۔'' اس نے پکا عہد کر لیا تھا۔

☆☆☆

جانے پہچانے راستوں پر رینگتی ہوئی ٹیکسی کا یہ کم و بیش پانچواں چکر تھا اور ثمینہ کا دل چاہ رہا تھا۔ اس بار تھوڑی سی ہمت کر کے ماوی کے سامنے اعتراف کر ہی لیں کہ ان کی یادداشت پر بھروسا کرتے ہوئے وہ دونوں ٹیکسی ڈرائیور سمیت بھٹک چکی ہیں۔

لیکن ماوی کے سامنے اعتراف...... یعنی اگلے کئی روز تک اسے خود پر ہنسنے کا موقع فراہم کرنا۔ ثمینہ نے وہیں چپکے سے کانوں کو ہاتھ لگا لیا



اور ٹیکسی کی کھڑکی میں گھس کر زیادہ شدومد سے رہائش گاہوں کے باہر لگی نیم پلیٹس دیکھنے لگیں۔

بنگلہ نمبر ستائیس نہیں مل رہا تھا سو اس چکر میں بھی دکھائی نہیں دیا۔

یہ اقبال ٹاؤن تھا اور جہاں زیب بلاک کا بنگلہ نمبر ستائیس ان کا مطلوبہ ایڈریس۔

اپنی یادداشت پر تو خیر انہیں ہمیشہ ہی بھروسہ رہا تھا پھر فیض کے دوست تو قیر صاحب نے ایڈریس سمجھایا بھی بڑے اچھے طریقے سے تھا۔

"مین روڈ سے بلاک میں داخل ہو کر جو پہلی گلی ہے...... بائیں ہاتھ اس میں ٹرن لے لیجیے گا پھر سیدھے جا کر تیسری گلی میں دائیں ہاتھ...... اس گلی میں جو دوسری گلی ہے اس میں پھر دائیں طرف...... ستائیس نمبر بنگلہ آپ کو دور سے ہی دکھائی دے جائے گا۔ نیوی بلیو کلر کا گیٹ ہے اور لائٹ بلیو باؤنڈری وال...... فرنٹ پر بڑا سا ماشاءاللہ لکھا ہوا ہے...... سیاہ رنگ سے اور جلی حروف میں۔"

انہوں نے فون پر ایڈریس سمجھایا انہوں نے حفظ کر لیا۔

"میں نے اتنی نشانیاں بتا دی ہیں۔ بنگلہ نہ ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو یہ کہ میں گیٹ پر ہی آپ لوگوں کا منتظر رہوں گا دوسرے میرا سیل نمبر بھی آپ کے پاس موجود ہے۔"

ثمینہ نے نہ نمبر لکھا، نہ ایڈریس...... بھروسا کیا تو وہ بھی اپنی یادداشت پہ۔

لیکن آج کی تاریخ میں اتنی خواری مقدر میں پہلے ہی طے پا چکی تھی۔ پہلی گلی میں تو کامیابی سے پہنچ گئے۔ اصل مسئلہ وہاں ہوا جہاں دوسرا ٹرن تھا، یہاں شامیانے لگا کر دیگیں پک رہی تھیں۔ ڈرائیور بولا۔

"باجی! فکر کا کوئی بات نہیں۔ ہم اگلی گلی سے گاڑی نکال لے گا۔"

باجی نے سچ مچ فکر چھوڑ دی لیکن اگلی گلی میں سیوریج پائپ لائن کے لیے کھدائی ہو رہی تھی۔ اس سے اگلی گلی سے گاڑی تو نکل گئی مگر رستہ کھو گیا اور اصل دقت یہیں سے شروع ہوئی۔

اب ڈیڑھ گھنٹے سے وہ لوگ ان ہی گلیوں میں گھوم رہے تھے مگر ستائیس نمبر بنگلہ مل کر نہ دے رہا تھا۔

چھٹے چکر میں ثمینہ کو یقین ہو گیا کہ اس بار تو ٹیکسی ڈرائیور ضرور ہی ان دونوں کو زبردستی اتار کر چلتا بنے گا۔

لیکن ان کا یقین غلط ثابت ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور سے پہلے ماوی کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا۔ ممی! یا تو توقیر انکل سے مجھے ایڈریس سمجھ لینے دیں یا ایڈریس کہیں لکھ ہی لیں۔ مگر مجال ہے جو آپ نے میری بات مانی ہو...... آپ کبھی میری کوئی بات نہیں مانتیں۔"

ثمینہ نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر اپنی اکلوتی دختر نیک اختر کو دیکھا۔ بلیک جینز پر براؤن کرتا پہنے سن گلاسز کو اس نے ماتھے پر ٹکا رکھا تھا اور منہ خفگی سے پھولا ہوا تھا۔

"ہاں...... کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں تم میری نہیں...... تم پر میری بات ماننا فرض ہے، مجھ پر نہیں۔"

انھوں نے اطمینان سے کہتے ہوئے اپنی سابقہ دلچسپی جاری رکھی۔

"کمال ہے..... ایک ایڈریس کے معاملے میں ماں بیٹی کے حقوق و فرائض کا کیا دخل؟" ماوی نے اکتا کر کہا پھر بولی۔

"اور جو بنگلہ ڈھونڈ (صرف خدا جانتا ہے) یہ ستائیس نمبر بنگلہ ملے گا بھی یا نہیں۔ مجھے تو چانس نہیں لگ رہا۔ آپ کو یقین ہے ناں ممی! توقیر انکل نے ستائیس کہا تھا..... اچھا، آپ کو مالک مکان کا نام تو یاد ہوگا۔ ہم یہاں کسی سے ایڈریس پوچھ بھی تو سکتے ہیں..... آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں؟"

"کیا جواب دوں..... تمہاری کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں جس کا جواب دیا جا سکے۔"

"آپ مجھے ایڈیٹ سمجھ رہی ہیں؟" صدمہ بڑا شدید تھا۔

"ماوی! چپ ہو کر بیٹھو۔" وہ جھنجلائی تھیں۔

"ممی.....!" اس نے احتجاج کیا۔ "میں بہت تھک چکی ہوں اور مجھے بہت بھوک بھی لگ رہی ہے۔ چپ ہو کر بیٹھتی ہوں تو تھکن اور بھوک سے دماغ پھٹنے لگتا ہے۔" اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"چلو بھوک تو سمجھ میں آتی ہے کہ سفر میں تم ٹھیک سے نہیں کھا پائیں لیکن یہ کیا تھکن تھکن کی رٹ لگا رکھی ہے۔ جیسے آئی لینڈ سے جہاز میں بیٹھ کر نہیں بلکہ جہاز کو کندھوں پر بٹھا کر یہاں تک آئی ہو۔" انھوں نے اچھے خاصے اس کے لتے لے ڈالے۔

"ممی!....." وہ رو دینے کو تھی۔ "میں نے کہا تھا بلکہ اب بھی کہہ رہی ہوں، صرف آج کا دن کسی ریسٹ ہاؤس میں بھی تو رہا جا سکتا ہے پھر توقیر انکل سے رابطہ کر کے....."

"جو سکون گھر میں ملتا ہے، کہیں نہیں ملتا۔" ثمینہ نے بات ہی ختم کر دی۔

"بھیا! ذرا ٹیکسی روکیے۔" ماوی نے حتمی انداز میں قدرے بلند آواز سے کہا۔ ٹیکسی رکنے سے قبل ہی ثمینہ اس کا ارادہ بھانپ چکی تھیں۔

"خبردار ماوی! کسی سے ایڈریس پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہمیں یہیں رہنا ہے تو کسی کو ہمارے انجان ہونے کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔ میں اسی شہر کی رہنے والی ہوں، ایڈریس ڈھونڈ لوں گی۔ تمھیں پاکستان کے حالات نہیں پتا، اکیلی عورتوں کے لیے بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔"

"آپ چودہ سال پہلے اس شہر کی رہائشی بنی تھیں، وہ بھی محض چند مہینوں کے لیے..... چودہ سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے ممی!" اس نے ٹیکسی کے قریب سے گزرتے لڑکے کو بلا کر ایڈریس پوچھا۔ لڑکا چند لمحے حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یہ جس گیٹ کے سامنے آپ کھڑی ہیں، یہی تو ہے۔"

دونوں ماں بیٹی کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ نیم پلیٹ تو خیر تھی ہی نہیں۔ دیواروں اور گیٹ کا رنگ بھی مختلف۔

"آر یو شیور کہ یہی ستائیس نمبر ہے؟"

"یہ ستائیس ڈی ہے۔ یقیناً آپ کو ایڈریس سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں آپ کا سامان اتروا دوں؟"

"جی نہیں شکریہ......" ہادی نے رکھائی سے کہا اور دونوں ماں بیٹیاں اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

صبح کا وقت تھا اور گورنمنٹ کالج کے سامنے صبح کے وقت کی مخصوص افراتفری۔ پک اپ سے اترتی طالبات، اکا دکا رکشے، دو تین موٹر سائیکلیں۔

سفید براق یونیفارم، رنگ برنگے آنچل۔ زندگی سے بھرپور تر و تازہ چہرے، خوابوں سے سجی آنکھیں۔ کون سا رنگ ہے کائنات کا، جو یہاں دکھائی نہ دیتا ہو۔ کیا جانے جتنی رعنائی کالج گیٹ کے باہر دکھائی دیتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ اندر ہوتی ہے۔

یہ اس رعنائی کی ہی تو کشش ہے جو کئی من چلوں کو گرلز کالج کے سامنے صبح سویرے آ کر کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔

لیکن کچھ لوگوں کو کبھی خوب صورتی متاثر نہیں کرتی۔ وہ کبھی کسی رعنائی میں دلچسپی نہیں لیتے۔

ان کا اپنا ہی مخصوص سا، بے لچک مزاج ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے پیدا ہوتے تھے تو سینے میں پتھر فٹ کروا کے آئے تھے۔ کھل کر ہنستے تھے، عید کا چاند دیکھ کر...... یعنی سال میں دو بار۔ مسکراتے البتہ مہینے کے مہینے ہیں۔

آنکھیں خوب صورت ہوں تو زندگی کی چمک سے عاری۔

پیشانی روشن ہو تو ہر وقت سلوٹیں ڈال کر اس روشنی کو ماند کیے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کی قسمت میں ہوں عموماً وہ اپنی قسمت سے شکوہ کناں ہی نظر آتے ہیں۔

ہمیشہ نہیں...... کبھی کبھار یعنی سال میں ایک یا دو بار۔

شبیہ العباس کو دیکھ کر اسے بھی اپنی قسمت سے ایسا ہی شکوہ محسوس ہونے لگتا تھا۔

اس روز جب کالج کے سامنے گاڑی رکی۔ فوراً تین لڑکیاں لاپروائی سے آنچل سر پر رکھے زور زور سے ہنستی گیٹ سے اندر جا رہی تھیں۔

عباس نے ناپسندیدگی سے انہیں دیکھا۔

"قہقہے لگاتی ہوئی عورت کتنی بری لگتی ہے۔" اس نے سوچا پھر ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ تہذیب سے چادر اوڑھے فائل سینے سے لگائے بیگ کا فیتہ مٹھی میں دبوچے اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عباس نے آٹو میٹک طریقے سے دروازہ ان لاک کیا۔

"واپسی پر میں پک کرنے نہیں آؤں گا ڈرائیور آئے گا۔"

گاڑی زن سے اُس کے قریب سے نکل گئی۔ اس کا ملیس بری طرح پھڑ پھڑایا پھر شانت ہو گیا۔ دل کی البتہ الگ کہانی ہے۔

وہ سست روی سے اندر آئی۔ ثمرہ اور عبیر جانے کب سے اس کی منتظر تھیں، ادھر اس نے گیٹ عبور کیا۔ اُدھر وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

"مکھی بھینسی، چلا لاکو ماسی......" وہ جو اپنی ہی دھن میں تھی، بری طرح ٹپٹا گئی۔

''کیا مصیبت آ گئی؟''

''مصیبت تو اب تم پر آئے گی۔'' عبیر نے لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ لگائے۔ ''غضب خدا کا ہماری سہیلی، جسے ہماری بیسٹ فرینڈ ہونے کا بڑا شدید دعویٰ ہے۔ ہماری ناک کے عین نیچے ایک بے تحاشا ہینڈسم لڑکے کے ساتھ ہر روز آ رہی ہے اور جا رہی ہے۔ اور ہمیں خبر ہی نہیں۔''

''بے تحاشا ہینڈسم لڑکا...... بیسٹ فرینڈ۔'' تنوی نے ہر لفظ پر حیرانی سے زور دیا پھر بولی۔

''تم لوگ کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ماشاءاللہ...... سبحان اللہ...... کیا لاعلمی ہے بلکہ کیا ادائے بے نیازی ہے۔'' عبیرہ نے جل کر کہا۔

''ہم آپ کی بات کر رہے ہیں محترمہ تنوی صاحبہ۔'' اب ثمرہ بولی تھی۔

''وہ تو آج اتفاق سے ہم تمہارا انتظار کرنے یہاں گیٹ سے قریب کھڑے ہو گئے، تب اکنامکس والی زارا نے بتایا کہ تم پچھلے ایک ہفتہ سے اسی لڑکے کے ساتھ کالج آ رہی ہو جس کی گاڑی سے ہم نے تمہیں آج اترتے دیکھا ہے۔''

''اچھا۔ میں اب سمجھی۔'' تنوی نے اطمینان سے کہا۔

''لیکن میں اب تک نہیں سمجھی کہ تم نے اتنی بڑی بات ہم لوگوں سے کیوں چھپائی۔'' عبیر نے خفگی سے کہا۔

''جس وقت زارا ہمیں بتا رہی تھی، مجھے اتنا غصہ آ رہا تھا کہ کیا بتاؤں غضب خدا کا سہیلی تم ہماری ہو اور تمہارے افیئر کے بارے میں ہمیں زارا سے پتا چل رہا ہے۔''

''کیا بک رہی ہو۔'' تنوی کو پتنگے لگ گئے۔ دل چاہا، کھینچ کے ایک تھپڑ لگائے عبیر کو۔

''وہ شبیہ العباس بھائی تھے، میرے بڑے ماموں جان کے بیٹے ہیں...... ایک ہفتے سے وہ مستقل گھر پر ہیں تو آ جاتے ہیں مجھے ڈراپ کرنے۔'' اس نے تفصیل سے بتایا، مبادا اس کی ذہین وفطین سہیلیاں کچھ اور سوچنا شروع کر دیں۔

مگر عبیر کو یقین نہ آیا بازو باندھتے ہوئے بولی۔

''لیکن تم نے تو ہمیں کبھی نہیں بتایا کہ تمہارا کزن اتنا خوب صورت ہے؟'' انداز سوالیہ تھا۔

''لاحول ولاقوۃ...... کس قدر زنانہ لفظ ہے خوب صورت۔'' ثمرہ نے جھرجھری لی۔

تنوی نے گھور کر اپنی دونوں سہیلیوں کو دیکھا پھر بولی۔

''میں نے تم لوگوں کو یہ بھی تو نہیں بتایا کہ میرا کوئی کزن بدصورت ہے۔'' اس کا انداز جھنجلایا ہوا تھا۔

عبیر نے ہاتھ پہ ہاتھ مار کے زوردار قہقہہ لگایا۔

''تمہیں نہیں پتا یار کزن یا بھائی۔ اگر ہینڈسم ہو، برسر روزگار ہو اور شادی کی عمر کا ہو۔ تو کالج میں اس کے گریس مارکس ملتے ہیں۔ آپ کو صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کی تصویریں صرف ایک بار لا کر کالج میں افواہ کی طرح پھیلا دینی ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آدھے کالج کی لڑکیاں

شرطیہ آپ کے بھائی کے ساتھ ساتھ آپ کی بھی گرویدہ ہو جاتی ہیں۔ پھر آپ کو رضاکارانہ طور پر نوٹس ملنے لگتے ہیں اور آپ چاہے پورا سال کلاس بنک کرتی رہیں۔ آپ کی حاضری بھی شارٹ نہیں ہوتی۔.... میں تو کہتی ہوں تم بھی یہ گر آزما کر دیکھ لو۔ اگلے سال کے تیار شدہ نوٹس بھی نہ مل گئے تو میرا نام بدل دینا۔" اس نے کھنکتے ہوئے لہجے میں آنکھ کا کونا دبا کر کہا تھا۔

"مجھے ایسی اوچھی حرکتیں کرنے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے رکھائی سے کہا اور قدم آگے بڑھایا، مگر ثمرہ نے سرعت سے اس کو پکڑ کر کھینچا۔

"سنو نا! میں کیا کہہ رہی تھی کہ....." اس کا لہجہ بڑا خواب ناک سا تھا۔

"وہ شہزادہ تمہارا بھائی ہے اور میں تمہاری سہیلی، جب بھی اس کی شادی کا خیال آئے تو میرا نام ضرور ذہن میں رکھنا۔" اس نے شرمانے کی حد کر دی تھی۔

عبیر نے قہقہہ لگایا اپنے مخصوص انداز میں، ہاتھ پر تالی بجا کے۔

"لو جی، ایک نمونہ تو فوراً تیار ہے۔"

تنوی کا جھنجلاہٹ کے مارے برا حال تھا۔

"تم لوگ بالکل پاگل ہو، شبیہ بھائی میرے...... میرا مطلب ہے وہ صرف میرے بھائی نہیں ہیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" ثمرہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "پوری کالونی کی لڑکیوں کے بھائی ہیں؟"

"اوہو......" تنوی کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوا۔

"اللہ نے دنیا بھر کی ناسمجھ اور مسخری سہیلیاں مجھے ہی کیوں دی ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"شبیہ بھائی میرے منگیتر ہیں۔" اس نے نظریں جھکا کر بے زاری سے کہا، ان دونوں کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ قریب سے گزرتی لڑکیاں حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"تم ایک عدد منگیتر کی مالک ہو اور تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔" عبیر نے صدمے سے کہا۔

"آہستہ بولو خدارا...... کیا پورے کالج میں اعلان کروانا ہے۔"

"تنوی!" ثمرہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے۔

"تمہیں میرے حق پہ ڈاکہ ڈالتے ذرا شرم نہیں آئی۔" تنوی نے جھنجلا کر اسے دھپ رسید کی۔

"میں تمہارے حق پر ڈاکہ کیوں ڈالوں گی، میری منگنی تو بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔"

"کس کے بچپن میں؟ تمہارے بچپن میں یا ان کے بچپن میں؟"

"خیر یہ تو مذاق کی بات ہے، اب تم ہمیں بتاؤ، اتنی اہم بات ہم سے چھپا کر کیوں رکھی۔" عبیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ثمرہ بھی سر ہلانے لگی۔ "جبکہ ہمیں اپنی فرینڈز بھی کہتی ہو۔"

"یار! ایسا تنی اہم بات نہیں تھی کہ میں بتاتی۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"اچھا اب بنو مت۔" نمرہ نے ٹوک دیا۔ "منگنی ہونا کوئی ایسی معمولی بات بھی نہیں ہے۔ دیکھا نہیں سینئرز میں سے کسی کی منگنی ہو جائے تو وہ کیسے مٹھائی بانٹ رہی ہوتی ہیں۔"

"لیکن کوئی اہم بات بھی نہیں ہے۔" وہ سابقہ انداز میں بولی۔ "پھر یہ تو اتنی پرانی بات ہے کہ مجھے بتانے کا خیال ہی نہیں آیا، ابھی بھی اگر تم لوگ انفیئر والی بات نہ کرتیں تو میں کبھی نہ بتاتی۔"

"عروش کو پتا ہے؟" عمیر نے آنکھیں مٹکائیں۔ تنوی نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا، وہ جتنا زیادہ عروش کے ذکر سے گریز کرتی تھی، اس کی سہیلیاں اتنا ہی اس کا ذکر کرتی تھیں، محض اسے تنگ کرنے کے لیے۔

"اسے کیسے پتا ہوگا، جبکہ تم لوگ بھی نہیں جانتیں۔" اس نے تحمل سے کہا۔

"خدارا! اب عروش کو تو کیا کسی کو بھی مت بتانا۔"

"ہم کیوں بتائیں گے، اس بے چاری کو پتا چلا، تم منگنی شدہ ہو تو ایک بار تو ضرور ہی صدمے سے غش کھا کے گر پڑے گی، آج تو بالکل نہیں بتانا۔" عمیرا اور نمرہ نے آپس میں طے کیا۔

"صرف آج نہیں، کبھی بھی نہیں بتانا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"لیکن آج تو خصوصیت سے نہیں بتانا۔ اس کی سالگرہ ہے، اتنا تیار ہو کر آئی ہے کہ لڑکی کم مسخری زیادہ لگ رہی ہے۔ کالج کی آدھی لڑکیاں اسے وش کرنے کے لیے گلاب کے پھول لے کر آئی ہیں، جبکہ وہ خود صبح سے تمہاری منتظر ہے۔ میں نے خود اسے ایک بڑا سا بکے ہاسٹل کی مدثرہ کے پاس رکھواتے دیکھا تھا۔" نمرہ نے صاف مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نمرہ! میں نے کتنی بار کہا ہے ایسی باتیں مت کیا کرو...... مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"تو پھر تم ہمیں بتا دو، تمہیں کیسی باتیں پسند ہیں، ہم وہی کر لیا کریں گے۔"

"چلو...... کلاس روم میں چلیں۔"

"پہلے وعدہ کرو ہمیں اپنے اور اپنی منگیتر کی ساری باتیں بتاؤ گی۔"

"مثلاً کون سی باتیں؟"

"ارے میڈم فرح کلاس روم کی طرف جا رہی ہیں، میں جا کر سیٹیں رکھتی ہوں، تم جلدی سے آ جاؤ..... مگر نیکسٹ پیریڈ میں سب بتانا پڑیگا۔"

"ویسے ایک بات ہے تنوی! تم دونوں ساتھ ساتھ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ تمہارا منگیتر سچ مچ بہت پیارا ہے۔" عمیرا اور نمرہ تیز تیز قدم اٹھاتی کلاس روم کی طرف چلی گئیں۔

"پیارے تو خیر پہاڑ بھی ہوتے ہیں، مگر ان کے ساتھ زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی نا!"

بوجھل دل کے ساتھ اس نے قدم کلاس روم کے بجائے اسپورٹس گراؤنڈ کی طرف موڑ لیے تھے۔

☆☆☆

"بھئی، میری ایک بات سن لیں، سب لوگ۔" مسز آفتاب نے چائے کے مگ پر چمچہ بجا کر پہلے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا، پھر مگ کو سر سے تھوڑا سا اوپر اٹھا کر اعلان کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

"آپ تو پہلے ہی اتنا بولتی ہیں مسز آفتاب! کہ کسی اور کی بات سننے کی نوبت ہی نہیں آتی، اس پر سے ایسا اصرار...... چہ خوب؟" بیگم نواز کی بات پر ایک زبردست قہقہہ لگا تھا اور ہنسنے والوں میں سب سے بلند مسز آفتاب کی اپنی آواز تھی۔

"لیکن جو بات میں اب کرنے جا رہی ہوں، وہ بہت اہم ہے، دل خوش ہو جائے گا سن کر۔"

"اچھا تو پھر کہہ ڈالیے۔" سب ہی ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

"بات یہ ہے کہ...... اگلی بار جب بھی سوسائٹی کی میٹنگ رکھی جائے گی، سارا انتظام مسز دانیال کے یہاں ہوگا۔" ان کا انداز بڑا حتمی سا تھا۔ حیران تو سب ہی ہوئیں، خود ثروت بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"کیوں بھئی...... ابھی پچھلے مہینے ہی تو ثروت نے اپنے یہاں انتظام کیا تھا۔" باجی نصرت نے سب سے پہلے سوال اٹھایا۔

"اگلی میٹنگ بھی اگر نور بانو کے گھر رکھی گئی تو میری طرف سے معذرت۔ میں اپنے معدے پر اتنا ظلم نہیں کر سکتی...... ثروت کے گھر جائیں گے تو یہ تو پتا ہوگا کہ چائے اچھی پینے کو ملے گی۔"

مسز آفتاب نے ہاتھ میں پکڑے مگ کو دیکھتے ہوئے اتنی بے چارگی سے کہا تھا کہ دبی دبی ہنسی سارے میں بکھر گئی۔

"یہ تو بالکل ٹھیک بات کہی ہے۔ چائے تو خیر نور بانو نے بھی بری نہیں بنائی مگر جو ذائقہ ثروت کے ہاتھ میں ہے، وہ اس بلاک کی کسی اور عورت کے ہاتھ میں نہیں۔" باجی نصرت نے پوری سچائی سے کہا تھا۔ بیگم نواز زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"ابھی پچھلے ہفتے کی بات ہے، عشاء کے بعد مسجد سے واپسی پر نواز کو دانیال بھائی اپنی طرف لے گئے، واپس آ کر نواز مجھ سے کہنے لگے، کسی روز جا کر ثروت بھابھی سے چائے بنوا کر پی آؤ۔ اپنے بنائے ہوئے جوشاندے اور چائے کا فرق سمجھ میں آ جائے گا۔" اس بات پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا۔

"تو بس پھر فائنل ہوا، اگلے مہینے کی اسی تاریخ کو ثروت کے گھر میٹنگ ہوگی۔" مسز آفتاب نے کہا، ساتھ ہی بولیں۔

"تم بھی تو کچھ کہو ثروت! تاکہ ہمیں یہ سوچ کر شرمندگی نہ ہو کہ ہم نے خود کو تمہارے گھر سیلف انوائیٹ کیا ہے۔" ان کا انداز بڑا دلچسپ تھا۔ ثروت اپنے مخصوص انداز میں مسکراتی رہیں۔

"اس میں شرمندگی والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، اگلی میٹنگ میرے ہی گھر ہوگی، بلکہ آپ لوگوں کا جب بھی دل چاہے، آپ لوگ بلا تکلف میرے گھر آ سکتی ہیں۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا تھا۔

''بھئی صرف چائے ہی کیوں...... ثروت تو کھانا بھی بہت لذیذ بناتی ہیں۔'' شہلا بھی بولیں۔

''لو بھئی...... انہوں نے تو اب لنچ یا ڈنر کا بندوبست شروع کر دیا۔'' باجی نصرت نے جملہ اچک لیا۔ سارے میں زندگی سے بھرپور ہنسی بکھر گئی۔

''کیوں نہیں...... آپ لوگ میری طرف لنچ کریں، مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' گالوں پر پڑے ڈمپل اور بے تحاشا چمک دار آنکھیں، اس وقت وہ اتنی دلکش لگیں کہ نصرت باجی دیکھتی ہی رہ گئیں۔

''ایک بات سچ سچ بتانا ثروت......! دانیال بھائی تمہاری اسی مسکراہٹ پر فدا ہوئے تھے یا نہیں۔'' دانیال ان کے سگے خالہ زاد تھے اور یہ بات اس ٹولی کے ہر ممبر کو معلوم تھی۔

''صرف مسکراہٹ کیوں۔ دانیال بھائی پوری کی پوری ثروت پر فدا ہوئے ہوں گے۔'' مسز آفتاب نے کہا۔

''میں نے اس کی شادی کے ابتدائی دنوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ یقین مانیے شادی کے اتنے سال بعد بھی اسے کچھ خاص فرق نہیں پڑا۔ ویسی کی ویسی ہے۔'' انہوں نے رشک سے ثروت کو دیکھا۔

''اب اتنی بھی غلط بیانی نہ کریں مسز آفتاب!'' ثروت نے بُری طرح جھینپتے ہوئے کہا۔ ''اچھی خاصی موٹی ہو چکی ہوں میں، بلکہ دانیال نے تو شادی کے شروع میں ہی کہنا شروع کر دیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ واک کیا کرو۔ مگر اتنے سالوں کی واک کا نتیجہ بھی آپ کے سامنے ہے۔''

''اچھا حیرانی ہے، دانیال بھائی ایسا کہتے رہے ہیں۔'' بیگم نواز نے کہا۔ ''دراصل مرد بہت ناشکرے ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں، اپنے اندر کوئی خصوصیت ہو یا نہیں، بیوی ہر لحاظ سے پرفیکٹ نظر آئے۔''

''نہیں بھئی...... دانیال تو بہت صابر انسان ہیں۔ شروع میں مجھے واک کے لیے کہتے تھے۔ اب کہتے ہیں، کیا ضرورت ہے خود کو تھکانے کی۔ تم ایسے ہی اچھی لگتی ہو۔'' ثروت نے جلدی سے کہا۔

واقعی ایسا کہتے ہیں؟ بڑی اچھی بات ہے۔ ماشاء اللہ تم لوگوں کا کپل یوں بھی پرفیکٹ لگتا ہے۔'' باجی نصرت نے صدقِ دل سے تعریف کی تھی۔ سب ہی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

''فاطمہ! آپ اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ کہاں تک پہنچی یہ مہم؟'' ثروت نے موضوع بدل دیا۔ فائزہ کو اپنا دکھ سنانے کا موقع مل گیا۔

''وہیں کی وہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں اچھے لڑکے نہیں ملتے، ہمیں اچھی لڑکی کی تلاش میں جوتیاں گھسانا پڑ رہی ہیں۔''

''ارے مجھے یاد آیا۔'' نوربانو کچن سے نکلی تھیں۔

''مسز دانیال......! جس وقت میں مارکیٹ سے آ رہی تھی آپ کے گھر کے باہر ٹیکسی رکی دیکھی تھی میں نے۔ شاید کوئی مہمان ہیں، بڑی پیاری سی لڑکی تھی۔ میں بتانا ہی بھول گئی۔''

''مہمان تو نہیں کرائے داروں نے آنا تھا آج...... ممکن ہے وہی ہوں، اچھا میں چلتی ہوں، شازیہ کو کہہ کر بھی آئی تھی، اگر کرائے دار پہنچ

جائیں تو فون کر دے۔" ثروت کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے ثروت! تم اپنا بنگلہ کرائے پر چڑھا رہی ہو؟"

"پورا بنگلہ نہیں نصرت باجی! صرف انیکسی۔"

"اللہ خیر۔ آپ کو کیا ضرورت پڑ گئی کرائے وصول کرنے کی۔ دانیال بھائی کی ملازمت تو ٹھیک جا رہی ہے نا!"

نور بانو نے فکر مندی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ ہر گروپ، ہر کمپنی میں ایک نہ ایک ممبر ایسا ضرور ہوتا ہے، جس کی بات طنز کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

"جی ہاں..... اللہ کا کرم ہے، دانیال کو تو خود بھی کرائے دار رکھنے کا شوق نہیں لیکن ان کے بڑے قریبی دوست ہیں تو قیر صاحب ان ہی کے ریفرنس سے کوئی فیملی آ رہی ہے ہماری انیکسی میں۔ آئر لینڈ سے آ رہے ہیں یہ لوگ۔ چند مہینوں کے لیے گھر چاہیے تھا۔ بلکہ شاید صرف خواتین ہی ہیں تو تو قیر بھائی کہہ رہے تھے، کوئی قابلِ اعتماد لوگ ہونا چاہئیں۔ دانیال تو کرایہ لینے پر راضی ہی نہیں تھے، مگر وہ لوگ راضی نہیں ہوتے، نا چار ہمیں ہی ماننا پڑا۔"

ثروت نے محض نور بانو کی تشفی کے لیے اتنی لمبی بات کی جتنی لمبی بات کی انہیں عادت نہیں تھی۔ مگر نور بانو بھی اپنی عادت سے مجبور تھیں۔

"ہم سب جانتے ہیں۔" والے انداز میں آنکھیں مٹکا تے بولیں۔

"اچھا میں چلوں۔" ثروت نے دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"کیا بھئی ثروت! اتنے دن کے بعد تو ملاقات ہو رہی ہے اور تم اس قدر جلدی جا رہی ہو..... ابھی تو کتنی ساری باتیں کرنا تھیں۔" مسز آفتاب نے کہا۔

"پھر بھی مسز آفتاب! ابھی میرا جانا ضروری ہے۔ ولی اور ولید تو ابھی گھر آئے نہیں ہوں گے اور اینا بھی آج اپنے پریکٹیکل کی وجہ سے لیٹ آنے کا کہہ رہی تھی۔"

"اچھا ثروت! نور بانو کہہ رہی ہیں، تمہاری کرائے دار بڑی پیاری لڑکی ہے۔ ذرا دیکھ بھال لینا۔ یاد ہے نا، میں اپنے بیٹے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔"

ایک زبردست قہقہہ اس بات پر بلند ہوا تھا۔ ثروت بھی مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیں۔

☆☆☆

جس وقت یہ وہاں پہنچے اینا کو کالج سے واپس آئے چند منٹ ہی گزرے تھے۔

"اینا بیٹے! امی کسی ایمرجنسی کی وجہ سے نہیں پہنچ سکیں، ثمینہ آپا سے ابھی میری بات ہوئی ہے۔ وہ گیٹ کے باہر کھڑی ہوئی ہیں۔ آپ انہیں انیکسی دکھا دیں۔"

تو قیر انکل نے فون پر کہا تھا، ایجیا نے فون بند کیا، کتابیں ایک طرف رکھیں، شوز اتار کر سلیپر پہنے اور باہر آ گئی۔

شازیہ ڈرائیو وے پر تیز تیز قدم اٹھاتی اسی طرف آ رہی تھی۔

"باجی! باہر دو عورتیں......"

"تم جا کر کھانا گرم کرو، میں دیکھتی ہوں۔"

گیٹ کے باہر وہ دونوں متضاد تاثرات کے ساتھ کھڑی تھیں۔

ثمینہ منتظر، ماوی بےزار۔

اس سے پہلے کہ ثمینہ کچھ کہتیں ایجیا نے کہا۔

"میری ابھی توقیر انکل سے بات ہوئی ہے۔ مجھے پتا ہے آپ ثمینہ آنٹی ہیں اور یہ......" اس نے سوالیہ نظروں سے ماوی کی طرف دیکھا۔

"یہ ماوی ہے میری بیٹی!"

"اوہ...... پریٹی نیم...... آئی ایم ایجیا...... یہ ہمارا گھر ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"ہوں...... مالک مکان...... نائس ٹو میٹ یو۔" ماوی نے خوش دلی سے ہاتھ بڑھایا جسے ایجیا نے مسکرا کر تھام لیا۔

"مالک مکان نہیں...... مالک مکان کی بیٹی...... آیئے آنٹی! میں آپ لوگوں کو آپ کا پورشن دکھا دیتی ہوں۔"

ایجیا نے چابی لگا کر انیکسی کا دروازہ کھولا، پھر ایک طرف ہو کر ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

"سامان یہیں چھوڑ دیں، میں ملازم سے کہہ کر اندر رکھوا دیتی ہوں۔" ماوی کو سوٹ کیس اٹھاتا دیکھ کر اس نے کہا تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر پلازمہ ٹی وی پر پڑی، جس کی اسکرین اتنی چمک دار تھی کہ گمان گزرا ابھی ابھی پیکنگ کھولی گئی ہے۔ نرم نرم سا سبز اور گولڈن رنگ کا سینٹرل کارپٹ، دیواریں چمک دار، فرش صاف ستھرا...... پہلی ہی نظر میں ثمینہ کا دل خوش ہو گیا۔

"آیئے آنٹی! میں آپ کو باقی رومز بھی دکھاتی ہوں۔" ان کی دلچسپی بھانپ کر ایجیا نے جلدی سے کہا۔ اس وقت ثروت یہاں موجود ہوتیں تو اس کا اس قدر دوستانہ رویہ دیکھ کر ضرور ہی غش کھا جاتیں۔

"یہ دو بیڈ رومز ہیں، دو اٹیچ باتھ...... یہ لاؤنج...... اس طرف کچن ہے، اور کچن کے ساتھ ہی چھوٹا سا گارڈن بھی ہے جو سینٹرل لان سے اٹیچ ہے۔ ممی نے صبح ہی یہاں کی صفائی کروائی ہے، ہوپ یو لائیک اٹ۔" اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"گھر تو خیر بہت اچھا ہے، ہمیں وہ چار مہینے ہی یہاں رہنا ہے، اتنے عرصے کے لیے ایک سجا سجایا پورشن مل رہا ہے تو کیا برا ہے۔" گھوم پھر کر دیکھ لینے کے بعد ماوی نے کہا۔

"ویسے میں یہ تو جانتی تھی پاکستان میں گھر بہت بڑے اور ویل ڈیکوریٹڈ ہوتے ہیں، مگر یہ نہیں پتا تھا کہ پاکستان کے لوگ اتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔" اس نے ایجیا کو دیکھتے ہوئے پوری صداقت سے کہا۔

اینیا ہنس دی۔

"پتا تو خیر مجھے بھی نہیں تھا کہ آئرلینڈ سے آئے ہوئے لوگ اتنے گڈ لکنگ اور گریس فل ہوتے ہیں۔" اس کا انداز شریر سا تھا، مادی سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں خیر، سب تو نہیں ہوتے...... کچھ کچھ ہوتے ہیں...... جیسے کہ میں۔" پھر وہ خود ہی ہنسنے لگی۔

"بہر حال اس جوابی تعریف کا شکریہ...... میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ ہمارے درمیان بڑی اچھی دوستی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ تم مجھے آپا، باجی بنانے کی غلطی نہ کرو۔" اینیا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

"وائے ناٹ...... لیکن میں آپ کو آپا کیوں بناؤں گی، آپ تو اتنی چھوٹی سی لگتی ہیں۔"

"اب اس بہانے میری عمر نہ پوچھنا۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"ٹھیک ہے، نہیں پوچھوں گی۔" پھر اسے کچھ یاد آیا تو کہنے لگی۔

"آپ لوگ فریش ہو لیں، میں کھانا بھجواتی ہوں۔" ثمینہ منع کرنے کے لیے پر تول ہی رہی تھیں کہ مادی بول پڑی۔

"صرف کھانا مت بھجوانا، کافی بھی بھجوا دینا۔"

"مادی!" ثمینہ نے اسے بری طرح گھورا۔

"اچھا بابا! صرف کھانا ہی بھجوا دو۔"

"مادی......!" ثمینہ کا دل چاہا اپنا سر ہی پیٹ لیں۔ اینیا نے ہنستے ہوئے ماں، بیٹی کو دیکھا، پھر بولی۔

"میں دونوں چیزیں بھجوا رہی ہوں۔"

پھر اس نے واپس جا کر شازیہ کے ہاتھ کھانا اور کافی بھجوائی، ساتھ ہی یہ بھی کہلوا دیا۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔

جس وقت شازیہ برتن لے کر واپس آئی۔ ثروت اسی وقت گھر میں داخل ہوئی تھیں، کرائے داروں سے ملنے کا ارادہ، پھر کسی وقت کے لیے ٹال کر وہ اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

"دین محمد! او بھائی دین محمد!"

دین محمد نے ہاتھ روک کر دیکھا۔ چلچلاتی دھوپ میں کھیتوں کے بیچ بیچ بچھی پگڈنڈی پر اس کا پڑوسی حنیف دوڑا چلا آ رہا تھا اور اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ چار کوس دور تک سنائی دیتی ہو گی۔

"کیا ہوا بھائی حنیف!" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ حنیف پیٹ پہ ہاتھ رکھے کسی قدر آگے کو جھکا بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"جلدی چلو دین محمد......!" اس نے بس اتنا کہا تھا۔ دین محمد کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔

"ہوا کیا ہے حنیف؟" اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔

"مجھے فی الحال صرف اتنا پتا ہے کہ تمہاری بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میری بیوی نے دائی کو بلوایا ہے۔"

دین محمد کے ہاتھ سے درانتی چھوٹ کر نیچے گری۔ اس نے اسی پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا جس پر سے ابھی حنیف آیا تھا۔ شاید اتنی پھرتی سے وہ اپنی زندگی میں پہلی بار دوڑا تھا۔ اس کا دل مستقل لرز رہا تھا۔

اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی ماں دکھائی دی، جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

دین محمد کے پیروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اپنی ماں کا بوڑھا چہرہ دیکھ کر اسے اپنے بدترین خدشے کے یقین میں ڈھل جانے کی خبر ملی تھی۔

اس سے قبل کہ وہ صدمے سے بے حال ہو کر زمین پر گرتا اس کی ماں لپک کر اس کے قریب آ گئی۔

"مبارک ہو دین محمد اللہ نے تیری سن لی، بیٹی ہوئی ہے اور بالکل تندرست۔"

دین محمد دنگ رہ گیا۔

اس کی ماں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

معاً دین محمد کے سن ہوتے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی، وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرا اور سجدے میں گر کر رونے لگا۔

وہ بڑی دیر تک تشکر کے احساس سے روتا رہا، پھر اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔

"زہرہ کیسی ہے؟" اس کی ماں نے تسلی بخش انداز میں سر ہلایا تو وہ بولا۔

"میں شکرانے کے نفل پڑھنے کے لیے مسجد جانے سے پہلے اپنی بیٹی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اس کی ماں سر ہلا کر اندر کمرے میں چلی گئی، چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلی تو بچی اس کی گود میں تھی اور خوب صورت سی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

دین محمد نے لپک کر لیکن احتیاط اور محبت سے اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ننھا سا وجود آنکھیں میچے کسمسا رہا تھا۔ دین محمد کی آنکھوں میں پھر سے پانی بھرنے لگا۔ اس کا دل خوشی کے عظیم جذبے سے سرشار ہو رہا تھا۔

اس نے بچی کو احتیاط سے سینے سے لگا لیا، پھر نم آنکھوں، مگر مسکراتے لبوں کے ساتھ جھک کر اس کی نرم و نازک پیشانی کو چوم لیا۔ "میری بچی......میرے جگر کا ٹکڑا......میری جنت۔" بچی کسمسائی اس کے منے سے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔



صبح سویرے کا ہنگامہ عروج پر تھا۔

(یہ الگ بات ہے کہ گھڑی کی سوئیاں ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھیں) صرف سینٹرل لاؤنج پر ہی کیا موقوف پورا فلیٹ بھانت بھانت

کی بولیوں سے گونج رہا تھا۔

سب سے بلند آواز پلازمہ ٹی وی پر نشر ہونے والے ڈرامہ کی تھی، جس کے بالکل سامنے وحید تجسس اور بے حد دلچسپی کے تاثرات چہرے پر سجائے نگاہیں اسکرین پر گاڑے بیٹھا تھا۔ وہاں موجود تمام لڑکوں میں واحد وہ تھا جو خاموش بیٹھا تھا۔

دوسرے کونے میں سعد نے میوزک سسٹم لگا رکھا تھا جس میں سمجھ میں نہ آنے والی موسیقی گونج رہی تھی۔ اور سعد جوتے پالش کرتے ہوئے بری طرح اس سمجھ میں نہ آنے والی موسیقی پر سر دھن رہا تھا اس کا سر اور جوتے کی سطح پر برش رگڑتا ہاتھ یکساں رفتار سے حرکت کر رہے تھے۔

تیسری طرف ارسل، جنید کو لطیفے سنا رہا تھا اور وہ دونوں اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے۔

سب سے دلچسپ چوتھا کونہ تھا، جہاں نعمان کشنز سے ٹیک لگائے سیل فون کان سے چپکائے عشق بگھارنے میں مصروف تھا۔ یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ اتنے شور میں وہ دوسری طرف کی بات کیسے سمجھ پا رہا ہے۔

اور اس سب کے پس منظر میں واثق کی آواز تھی جو مسلسل واش روم سے نشر ہو رہی تھی اور جو سب کی سماعت تک تو پہنچ رہی تھی مگر چونکہ سب کے سب بے حد مصروف تھے اس لیے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ ہونے پر راضی نہیں تھا۔

جس وقت وہ کال اٹینڈ کرنے کے بعد موبائل فون مٹھی میں دبائے سیل پر ملنے والی خبر کے زیر اثر حواس باختہ سا کمرے میں داخل ہوا۔ پورا کمرہ میدان کارزار کا منظر پیش کر رہا تھا۔

میلے کپڑوں کا ڈھیر۔

گندے جھوٹے برتن۔

الٹے سیدھے جاگرز۔

بکھری ہوئی کتابیں، اور الٹے سیدھے نوٹس۔

اور اس سب پر مستزاد ہر کونے میں لڑھکے ہوئے اس کے دوست۔ وہ بے چارہ پہلے ہی بوکھلایا ہوا تھا یہ حالت دیکھ کر رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑنے لگے۔

اس کے دوستوں نے اس بار بھی اپنے وعدے پورے نہیں کیے تھے اور وہ جانتا تھا وہ خود پورا دن لگا کر بھی یہاں صاف ستھری صفائی نہیں کر پائے گا کجا کہ اسے ایک گھنٹے میں اسے اپنی اصل حالت میں لاتا۔ اسے پتا تھا اس کے دوست اتنی جلدی بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے جانے پر راضی نہیں ہوں گے۔ راضی ہو بھی جاتے تو صفائی میں اس کا ہاتھ بٹانے پر کبھی راضی نہ ہوتے۔ وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اس کی مدد کریں بس وہ یہاں سے فی الحال چلے جائیں یہی کافی تھا مگر....

''او میرا شہزادہ آ گیا....'' ابھی وہ شش و پنج میں مبتلا تھا کہ کس طرح ان سب کو وہاں سے جانے کے لیے کہے تب ہی ارسل نے اسے دیکھ کر نعرہ بلند کیا پھر بولا۔

''سے ڈی اور دروازے میں کیوں کھڑا ہے یار اپنا ہی گھر سمجھ..... اندر آجا''

وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے خود میزبان اور جے ڈی مہمان ہو۔

اس نے ابھی پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ جنید نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا پھر صدمے کی کیفیت میں بولا۔

''ناشتہ کدھر ہے؟ تم تو ناشتہ لینے بازار گئے تھے ناں؟''

''میں ناشتہ لینے نہیں، کال اٹینڈ کرنے لابی میں گیا تھا۔''

''نہیں.....'' جنید نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ایک دل خراش چیخ ماری کہ کیا کسی فلمی ہیروئن نے ماری ہوگی۔

''پچھلے آدھے گھنٹے سے میں اسی ناشتے کی آس پر زندہ تھا ورنہ میں نے تو آدھ گھنٹہ پہلے ہی بھوک کی شدت سے فوت ہو جانا تھا۔''

''جنید! تو ایک کام کر.....'' سعد نے اپنی مصروفیت سے ذرا سا ٹائم نکالا ''میری مان پہلی فرصت میں فوت ہو جا۔ ویسے بھی تیرے جیسے بندے نے زندہ رہ کر کرنا بھی کیا ہے۔ رنگ تیرا کالا ہے قد تیرا چھوٹا ہے۔ آنکھیں بڑے غور و خوض کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتیں کہ بند ہیں یا کھلی...... بال جتنی تیزی سے تجھے داغ مفارقت دے رہے ہیں امید واثق ہے عنقریب اس میدان میں بچے گلی ڈنڈا کھیلا کریں گے...... کھانا تو اتنا ہے کہ چار بندے بھی نہ کھاتے ہوں۔ مجھے ایک بات بتاؤ...... تمہیں خود اپنا بھی کوئی فائدہ ہے...... نہیں ناں..... میری مان یار! تو عزت کے ساتھ فوت ہی ہو جا......''

''بات دراصل یہ ہے۔'' جنید نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔

''کہ تم سب میری پرسنالٹی سے جلتے ہو..... حسد کر کر کے اپنے رنگ کالے سیاہ کر لیے ہیں۔ بال اڑا لیے ہیں تم لوگوں سے میری شاندار شخصیت برداشت نہیں ہوتی، اس لیے الٹی سیدھی باتیں کر کر کے میرا دل خراب کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہو..... ہونہہ تم جیسے نابنجاروں کو کیا پتا کتنی لڑکیاں میری پرسنالٹی پر مرتی ہیں۔ کتنی ہیں جو مجھے رات کو خواب میں دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔''

اس نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

''خوش ہوتی ہیں...... تعجب ہے، ان بے چاریوں کو تو خوف سے ابدی نیند سو جانا چاہیے۔'' ارسل نے بے ساختہ کہا تو سعد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

اس سے پہلے کہ جنید کچھ کہتا جے ڈی نے جھنجھلا کر کہا۔

''میں بھی کچھ کہہ رہا ہوں، کوئی میری بھی سنو اپنی بک بک لگا رکھی ہے۔''

''اچھا ہم بک بک بند کر دیتے ہیں تم شروع کرو۔'' جنید کی بات پر ایک بار پھر ہنس ہنس کر تعریف کے ڈونگرے برسائے گئے تھے۔

''تم لوگوں نے یہاں کی حالت دیکھی ہے۔ ہر طرف کچرا ہر طرف بکھرا ہوا۔ حالانکہ تم لوگوں نے وعدہ کیا تھا اس بار ایسا کچھ نہیں کرو گے۔''

''ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔'' جواب آیا۔

''یہ کپڑوں کا ڈھیر اور برتن یہ کیا ہے؟ اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں؟'' وہ جل کر بولا۔

''اسے گھٹیا پن اور بدتہذیبی کہتے ہیں۔'' ارسل نے آنکھیں گھمائیں۔

''کیسے میزبان ہو تم، کپڑے برتن بھی ہم سے ہی دھلوانا چاہتے ہو۔''

''میں دھونے کے لیے کب کہہ رہا ہوں مگر یہ چیزیں سمیٹ کر بھی تو رکھی جا سکتی ہیں۔'' وہ دھیما پڑ گیا پھر کچھ یاد آیا تو بولا۔

''اور یہاں بیڈ پر میں اپنے کپڑے رکھ کر گیا تھا۔ استری کر کے...... وہ کہاں گئے؟''

''بلیک جینز اور بلیو لائننگ والی شرٹ؟'' جنید نے پوچھا۔

''ہاں۔'' جے ڈی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''وہ تو تھوڑی دیر پہلے سعدی پہن کر نکلا ہے۔''

''کیا......؟'' صدمے کی شدت سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

''سعدی کا بچہ...... کمینہ...... چور...... وہ کپڑے پہن کر مجھے کیمپس جانا تھا اب میں کیا پہنوں گا۔'' وہ رو دینے کو ہو رہا تھا۔

''حد ہو گئی یار جے ڈی! تو تو رئیس بندہ ہے۔ شاہوں کے منہ سے ایسی کنجوسی اور تھڑدلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کوئی اور کپڑے پہن لو۔ سعدی کا انٹرویو تھا اس لیے وہ جلدی میں تمہارے کپڑے پہن کر نکل گیا۔'' سعد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

جے ڈی نے جھنجھلا کر میوزک سسٹم کا پلگ نکالا۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ میوزک ہلکی آواز میں کیوں نہیں سن سکتے۔'' ابھی یہیں تک کہا تھا کہ باتھ روم کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور واثق کمر کے گرد تاول باندھے تن فن کرتا نکلا۔

ارسل نے جھٹ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر شور مچا دیا۔

''یہ بے ہودگی نہیں چلے گی۔ تمہیں پتا نہیں یہاں شریف لڑکے رہتے ہیں چلو واپس جاؤ تاول کی جگہ ٹراؤزر پہن کر آؤ۔''

''ماشاءاللہ...... سبحان اللہ۔'' واثق کو تو آگ ہی لگ گئی۔

''مجھے بھی بتانا یہاں کون کون شریف ہے؟ جب سارے کے سارے خود ہاف پینٹ پہن کر گھوم رہے ہوتے ہو تب کوئی شرافت یاد نہیں رہتی۔'' اچھے خاصے لتے لے ڈالے مگر وہ سب کہاں شرمندہ ہونے والے تھے۔ جنید بولا۔

''شرافت اگر کسی لڑکی کا نام ہے تو میں اسے صبح و شام یاد رکھنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میں اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں اور تم سب گدھوں کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کیے جا رہے ہو مجال ہے جو کسی نے میری بات سنی ہو۔'' واثق نے غصے سے کہا۔

''حالانکہ تم ہم سب کے سردار ہو۔'' ارسل نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''کسی نے میری شیونگ کٹ دیکھی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہاری شیونگ کٹ ہے یا ایشوریا کی تصویر...... جسے ہم صبح و شام دیکھا کرتے ہیں۔'' جنید بولا۔

واثق نے رد ئے سخن نعمان کی طرف موڑا۔

"نعمان......" "او بے او خبیث نعمان! تو نے میری کٹ لی تھی؟" نعمان نے جھنجلا کر فون بند کر دیا۔

"کیا تکلیف ہے؟"

"تم نے میری شیونگ کٹ لی تھی نا......اس میں اب شیونگ کریم نہیں ہے۔"

"ہاں تو میں کھا نہیں گیا ایک بار ہی لی تھی پھر اسی میں رکھ دی تھی...... یہ تو وہی بات ہوئی۔ بد سے بدنام بُرا، ڈیڑھ ہفتہ پہلے کریم مانگی تھی تب سے تمہیں مجھ پر ہی شک رہتا ہے۔" وہ بھی بھڑک گیا۔

"میں نے کہا بھی تھا میرا اصل نام کوئی نہ پکارے۔ میں اپنی گرل فرینڈ سے نعمان کا دوست بن کر بات کر رہا تھا تم لوگوں نے بھانڈا ہی پھوڑ دیا۔ اب وہ مجھ پر یقین نہیں کرے گی۔"

"او کوئی بات نہیں میرے شیر! تجھے لڑکیوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ واثق! تم جے ڈی کی کریم استعمال کر لو۔"

سعد نے ایک ساتھ دو معاملے نمٹائے تھے۔

جے ڈی اور بھی جھنجلا گیا اور سخت لہجے میں بولا۔

"سنو میری بات......ایک گھنٹے میں شبیہ یہاں پہنچنے والا ہے۔ تم لوگ پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔" اس کا انداز منت بھرا تھا۔

"ہاں تو آ لینے دو شبیہ کو، ہم نے کب منع کیا ہے۔ ویسے بھی وہ شبیہ ہے پرنس چارلس تو نہیں کہ ہم سب سینڈریلا کی طرح اپنی جوتیاں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

نعمان کے اس "اعلا درجے" کے مذاق پر زبردست قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"پتا تو ہے تم لوگوں کو وہ تم لوگوں کا یہاں آ کر رہنا پسند نہیں کرتا۔" جے ڈی نے بے چارگی سے کہا وہ دوستوں کو بھی خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں تو ہم کون سا اسے پسند کرتے ہیں۔" جنید نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ایک تو روڈ اتنا ہے پھر مجھے تو تھوڑا کھسکا ہوا بھی لگتا ہے۔ یعنی کوئی تک ہے ہر روز تقریباً چار گھنٹوں کا سفر کر کے لاہور آتا ہے پھر چار گھنٹوں کا سفر کر کے واپس ساہیوال جاتا ہے کل کتنے گھنٹوں کا سفر؟" سب نے تائید میں زور و شور سے سر ہلایا۔

"خیر اب اتنا لمبا سفر بھی نہیں ہے۔ ذاتی کنوینس میں تو جلدی سفر کٹ جاتا ہے۔ میں نے بتایا تو تھا وہ حویلی سے زیادہ دور رہنا پسند نہیں کرتا۔" جے ڈی نے جلدی سے اس کا دفاع کیا۔

"عجیب منطق ہے۔ حویلی سے دور رہنا اسے پسند نہیں۔ یہاں پر بھی نہیں رکتا اور ہمیں بھی نہیں رہنے دیتا۔ سچ جے ڈی! تیرا کزن تو وہ کسی اینگل سے نہیں لگتا۔"

"بالکل۔" سعد نے ارسل کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''تو تو اتنا ملنسار، اتنا پیارا انسان ہے کہ اگلا خود بخود تمہاری طرف کھنچتا ہے۔ تمہیں پتا ہے ہم ہر دوسرے تیسرے دن ہاسٹل سے نکل کر تمہارے پاس کیوں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں پتا ہوتا ہے صرف جے ڈی ہے جو کھلی بانہوں سے ہمارا استقبال کرے گا...... ماؤں کی طرح کھانے بنا بنا کر کھلائے گا مگر ماتھے پر بل نہیں آنے دے گا...... سچ جے ڈی تو ہیرا جگر ہے۔'' جے ڈی شرمندہ سا ہو گیا۔

''مجھے تو خود بہت اچھا لگتا ہے کہ تم لوگ آؤ مگر شبیہ......'' تب ہی دھاڑ سے باہر کا دروازہ کھلا اور سعدی گرتا پڑتا اندر داخل ہوا۔

''ایک زبردست خبر ہے۔''

''تم پڑیاں بیچتے ہوئے پکڑے گئے ہو؟'' واثق نے پوچھا۔

یہاں کسی بات کا سیدھا جواب دینا کفر سمجھا جاتا تھا۔

''دفع دور...... میں پڑیاں کیوں بیچوں گا جبکہ شکل سے تو یہ تمہارا آبائی پیشہ لگتا ہے۔'' سعدی نے اطمینان سے کہا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔

''دیکھا تم بھی دھوکا کھا گئے۔ ہمارا آبائی پیشہ تو بچے اٹھانا ہے۔'' واثق نے فخر سے کہا پھر بولا۔

''ڈھونڈ کیا رہے ہو؟''

''دوربین۔'' جواب ملا۔

''اس کا کیا کرو گے؟'' تجسس سے پوچھا۔

''ستائیس ڈی میں بڑی خوب صورت لڑکی آئی ہے اسے دیکھوں گا۔''

''ستائیس ڈی والے انکل کی تو بڑی لڑکی بھی خاصی خوب صورت ہے۔''

''اوہو...... ان کے گھر مہمان آئے ہیں مہمان لڑکی خوب صورت ہے۔''

''اچھا......'' واثق نے کہا۔

''جو کھڑکی تک پہلے پہنچے گا۔ پہلا موقع اسے دیا جائے گا۔'' واثق نے دوڑ لگا دی۔

''خبردار۔'' سعدی نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

''اس پر کوئی بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں نے اسے سب سے پہلے دیکھا ہے اس لیے وہ تم سب کی بھابھی ہے۔''

''یہ اچھی دھاندلی ہے۔'' وحید سب سے پہلے بولا۔

''پارک میں جو فیروزی دوپٹے والی نظر آئی تھی حالانکہ میں نے سب سے پہلے اسے دیکھا تھا پھر بھی تم نے اسے ہماری بھابھی بنا دیا تھا۔''

''ہاہاہا...... دو کی گنجائش تو پھر بھی باقی ہے میرے بھائی۔'' سعدی نے قہقہہ لگایا۔

''اس بار ہمیں موقع دو ورنہ ہم تھرڈ سمسٹر والے احتجاج کریں گے۔''

''پروا کسے ہے۔''

بالآخر دور بین مل گئی۔ سعدی نے ہی سیٹ کی پھر باری باری سب دیدار سے فیض یاب ہوئے۔

''ماشاءاللہ۔''

''خدا نظر بد سے بچائے۔''

''یار اپنا کرواؤ اس کی دو چار بہنیں اور نہیں ہیں۔'' جنید نے تو باقاعدہ تان لگائی۔

''تم آگئے ہو۔۔۔۔تو آ گیا ہے۔''

سعدی نے پلٹ کر جے ڈی کو دیکھا وہ بیڈ پر بیٹھا ناپسندیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''وہاں کیوں بیٹھے ہو؟۔۔۔تمہیں اپنی بھابھی دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں؟''

''تم نے میرے کپڑے کیوں پہنے؟''

''میں نے اپنے کپڑے پہنے ہیں۔''

''جھوٹے۔۔۔یہ کپڑے میرے ہیں۔'' وہ چلایا۔

''میں تمہیں بھی اپنا ہی سمجھتا ہوں۔'' تجاہل عارفانہ سے کہا گیا۔

''اب میں کیا پہنوں؟'' وہ جھنجلایا

''یہ بھوکے ننگے بن کے سوال نہ کرو۔ الماری بھری پڑی ہے کوئی بھی جوڑا پہن لو۔''

''تم لوگوں نے میرے کوئی کپڑے چھوڑے بھی ہیں، آدھے ادھر میلے پڑے ہیں باقی آدھے تم لوگوں نے پہن رکھے ہیں اور یہ جو شرٹ تم نے پہنی ہے اس کا کلر مجھے بالکل پسند نہیں لیکن چونکہ صرف یہی شرٹ تم لوگوں کے شر سے محفوظ رہ گئی تھی اسی لیے میں نے اسے ہی پہننے کا ارادہ کیا مگر تم۔۔۔۔''

''مجھے کوئی پکڑو۔'' سعدی نے صدمے سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔

''اپنے اس دوست نواز اور ملنسار جگری یار کے منہ سے ایسی زہر والی باتیں سن کر میرا دل چور چور ہو چکا ہے اور مجھے اس دنیا میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی۔ میں خودکشی کرنے لگا ہوں۔''

''پلیز یار! تو خودکشی کر لے۔ اس لڑکی سے میں شادی کر لوں گا۔'' سعد نے منت سے کہا۔

''سعدی فوراً اس کے ہاتھ جھٹک کر نارمل ہو گیا۔

''اب اتنا بھی شدید صدمہ نہیں ہے فوراً خودکشی کر لوں۔'' پھر اس نے کہا۔

''اور دوسری بات اس لڑکی کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، وہ میری ہے اور میری ہی رہے گی۔ اگر تمہیں اسے حاصل کرنا ہے تو میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا۔'' وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہ تھا۔

''اوئے! تم لوگوں کو ذرہ برابر شرم نہیں آتی ایک انجان لڑکی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے۔'' جے ڈی نے کہا اور

حسب توقع خوب خوب مذاق کا نشانہ بنا۔

"چونکہ جے ڈی صاحب کی اپنی کوئی سگی بہن نہیں ہے اس لیے ساری دنیا کی لڑکیوں سے ہمارا کمی بدھوائے یہ ان کے بھائی بن گئے ہیں۔"

جے ڈی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دوست جنہیں اس سے سچی دوستی کا دعویٰ تھا اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس کی سادگی، دوست نوازی، ملنساری، خوش خلقی کے گن گانے والوں کے نزدیک اس کی پریشانی کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی، جبکہ جواب دہی کے خیال سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

☆☆☆

"اب ہمارے پاس اگلا ایک گھنٹہ فری ہے۔ چلو یہاں بیٹھو اور ہمیں ساری تفصیلات بتاؤ لیکن اس سے پہلے اس پہلو پر روشنی ڈالنا مت بھولنا کہ تم نے اتنی اہم بات ہم سے کیوں چھپائی۔"

"پہلی دو کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد وہ تینوں ایڈمن بلاک کے پچھلی طرف آ گئی تھیں، جو عام گزرگاہ نہ ہونے کی بناء پر زیادہ تر سنسان رہتا تھا۔

"ان تینوں کی دوستی کی مدت زیادہ نہیں تھی۔ ثمرہ اور عبیرا اسکول کے آخری سال سے ایک دوسرے کو جانتی تھیں، جبکہ تنوی سے ان کی ملاقات کالج میں آ کر ہوئی تھی۔ پہلے سال میں ان کی دوستی خوب پروان چڑھی تھی۔ پڑھائی کے میدان میں تینوں کا ریکارڈ بہترین تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ تینوں ہلے گلے کی بھی شوقین تھیں اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ چونکہ تینوں کا بنیادی مضمون ایک ہی تھا اس لیے دوستی خوب گہری ہو رہی تھی۔ ثمرہ اور عبیر ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں، بظاہر تنوی بھی ایسا ہی کرتی تھی مگر اس کی زندگی کے کچھ نہ کچھ پہلو ایسے تھے، جو اس نے اپنی بہترین سہیلیوں سے چھپا رکھے تھے۔ شبیہ العباس سے منگنی بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔

"میں نے کون سی بات چھپائی ہے۔"

وہ بھول چکی تھی کچھ گھنٹہ پہلے اس نے کوئی انکشاف کر کے اپنی سہیلیوں کو حیران کیا ہے۔

"بھئی خوب۔" عبیر نے اس کا مذاق اڑایا۔

"میں اگر منگنی شدہ ہوں تو سوتے جاگتے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہ کروں اور ایک یہ محترمہ ہیں......"

"چھوڑو بہن! نعمت کی قدر ہر ایک کو نہیں ہوتی......" ثمرہ نے فلسفیانہ انداز میں کہا تھا، تنوی ہنس دی۔

"تم دونوں معمولی سی بات کو اتنا بڑھا رہی ہو۔ جب میں پیدا ہوئی تھی تبھی نانو جان نے میرے ہاتھ میں ننھی سی انگوٹھی پہنا کر مجھے شبیہ العباس بھائی سے منسوب کر دیا تھا۔ اس وقت بابا زندہ تھے اس لیے یہ رشتہ سب کی رضا سے ہوا تھا لیکن امی نے اپنی وفات سے چند روز پہلے وہ انگوٹھی میری انگلی سے اتار کر کہیں رکھ دی تھی اس لیے مجھے نہیں پتا وہ انگوٹھی اب کہاں ہے......شاید نانو کے پاس ہو مجھے پوچھنے کا خیال نہیں آیا......یار! یہ اب اتنی پرانی بات ہے کہ میں اسے چوبیس گھنٹے تو یاد نہیں رکھ سکتی۔ صبح بھی کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ مجھے بتانا پڑا اور نہ تم لوگوں نے اپنی طرف سے افسانہ بنا لینا تھا۔"

"اچھا......اتنی چھوٹی عمر میں زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ۔" عبیر نے کہا۔

''تنوی...... سچ سچ بتانا، تمہیں کبھی اپنی نانو کے اس فیصلے پر اعتراض نہیں ہوا؟''

تنوی نے بڑی وقت سے سچائی اپنے لبوں پر آنے سے روکی اور مسکرا کر بولی۔

''اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ نانو نے مجھے پالا ہے وہ میری زندگی کے بارے میں ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہیں اور پھر اس فیصلے میں تو امی اور بابا کی مرضی بھی شامل تھی۔''

''اچھا اور بھی تو بتاؤ......'' نمرہ نے اشتیاق سے کہا۔

''مثلاً'' وہ گہری سانس بھر کر پوچھنے لگی۔

''مثلاً نام، کوالیفکیشن وغیرہ وغیرہ۔''

''ہوں۔'' تھک ہار کر تنوی نے خود کو ان کے سوالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا یوں بھی وہ جانتی تھی گریز کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

''نام شبیہ العباس، عمر چوبیس سال سات مہینے، یو ای ٹی سے سول انجینئرنگ کر رہے ہیں۔ مستقیم ماموں کے بیٹے ہیں قد چھ فٹ ایک انچ، رنگ صاف...... مزاج سخت، ہنستے کبھی کبھی ہیں عموماً غصے میں رہتے ہیں۔''

''تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟'' عبیر نے بہ عجلت پوچھا۔ تنوی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔

''پتا نہیں میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''وھت تیرے کی جو بات سب سے پہلے سوچنا چاہیے تھی اب تک نہ سوچی...... تم کسی کام کی نہیں ہو تنوی۔'' پھر عبیر نے کہا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ اس نے کبھی تمہیں آئی لو یو کہا ہے؟'' تنوی بیر بہوٹی بن گئی۔

''کیسے واہیات سوال کرتی ہو۔''

''تم صرف جواب دو۔ آئی لو یو کہا ہے یا نہیں؟''

''نہیں۔''

''تمہیں دیکھ کر بلاوجہ مسکراتا ہے۔''

''نہیں۔''

''تمہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک تو ضرور آتی ہوگی؟'' عبیر پر یقین تھی۔

''نہیں۔'' تنوی اکتا کر بولی۔

''اچھا کبھی کوئی گفٹ دیا ہے؟''

''نہیں۔''

''کارڈ؟''

"نہیں۔"

"یار تم لوگوں میں کوئی نارمل منگیتروں والی بات بھی ہے کہ نہیں۔" عبیر نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"کیونکہ یہ افسانوی منگیتر ہیں۔"

"ثمرہ نے گھاس کا تنکا چباتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ دونوں ہی حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"مطلب؟"

"بھئی۔ دیکھو ناں افسانوں میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔ منگیتر لاتعلق، لڑکی لاپروا لیکن دلوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر......"

"ایک زوردار دھپ اس کا مزاج پوچھ گئی تھی۔

"تم دونوں کیوں چاہتی ہو کہ میں تم دونوں کو کوئی بہت رومینٹک سا قصہ سناؤں...... جب کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ شجیہ بھائی نے آج تک مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی جو رومینس کے زمرے میں آتی ہو بلکہ رومینٹک بات تو بڑی دور کی بات ہے وہ بات ہی بہت کم کرتے ہیں، بس بہت زیادہ ضرورت ہو تب بولتے ہیں۔"

"اس نے جیسے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"اوہو...... میں تو سوچ رہی تھی اس بورنگ روٹین لائف میں کچھ رنگینی آ رہی ہے یعنی مزے مزے کے قصے سننے کو ملا کریں گے۔" عبیر نے مایوسی سے کہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے تم وعدہ کرو، جب شجیہ بھائی تم سے کوئی رومانٹک ڈائیلاگ بولیں گے تو تم سب سے پہلے آ کر ہمیں بتاؤ گی۔"

"بکومت۔"

"وعدہ...... وعدہ" دونوں نے شور مچا دیا ناچار تنوی کو وعدہ کرنا پڑا پھر اس نے کہا۔

"اب یہ فضول گفتگو بند کرو اور کچھ دھیان پڑھائی کی طرف بھی دو۔ تم لوگوں کو پتا ہے مس تسنیم نے آج ایڈمیشن ٹیسٹ کی ڈیٹ بھی بتا دی ہے۔"

"دفع کرو یار! ایڈمیشن ٹیسٹ اور پڑھائی کو...... ساری زندگی پڑھائیاں ہی کرنی ہیں۔" عبیر گھاس پر چت لیٹ گئی پھر پیر جھلاتے ہوئے بولی۔

"ڈرامیٹک سوسائٹی کا جو نیا نوٹس لگا ہے تم لوگوں نے پڑھا؟" پھر خود ہی بولی۔

"اس بار اینول ڈرامہ کے لیے قصہ "سسی پنوں" چنا گیا ہے۔ مس رابعہ نے جمعرات کے روز لڑکیوں کو آڈیشن کے لیے بلوایا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ "سسی پنوں" کے کرداروں کے لیے لڑکیاں پہلے ہی چنی جا چکی ہیں۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟" تنوی نے پوچھا۔

"بھئی، یہ نہ پوچھو تم لوگوں کو نہیں پتا میری سی آئی ڈی کس قدر تیز ہے۔"

"واہ عبیرا اپنی طرف سے بڑی زوردار خبر سنائی ہے۔"

"ثمرہ نے چڑ کر کہا۔" جبکہ میں پہلے ہی جانتی ہوں "سسی پنوں" کے کردار کون کر رہی ہیں۔"

"ایں...... تمہیں کیسے پتا۔" دونوں چونکی۔

"یار! یہ تو بڑی عام فہم بات ہے۔ پنوں کا کردار عروش کرے گی اور تنوی سسی کا...... پچھلے سال بھی تو ہیر رانجھا کے کردار ان دونوں نے کیے تھے اور کیا خوب کیے تھے۔"

"تمہیں شاید یہ نہیں پتا میں سسی کے رول کے لیے مس رابعہ کو منع کر چکی ہوں۔" تنوی نے اطمینان سے انکشاف کیا۔

"کیوں؟" دونوں کے منہ کھل گئے۔

"تم اتنی ٹیلنٹڈ ہو تنوی! تمہیں منع نہیں کرنا چاہیے تھا" عبیر نے کہا۔

"ہاں عبیر! میں بھی یہ رول کرنا چاہتی تھی مگر جب مجھے پتا چلا میل رول عروش کر رہی ہے تو میں نے انکار کر دیا۔"

"لیکن کیوں...... عروش کے ساتھ کام کرنے میں کیا دقت ہے؟" ثمرہ نے سنگ کر پوچھا۔ وہ عروش کے مداحوں میں سے تھی۔

"میں پچھلے سال ہی اس کے ساتھ کام کر کے کافی پچھتا چکی ہوں۔ میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ ایک بار پھر اس کے ساتھ ہیروئن کا رول کر کے لڑکیوں کو باتیں بنانے کا موقع دوں۔ پہلے ہی کس قدر اوٹ پٹانگ باتیں ہو رہی ہیں۔" اس کا صاف کھرا انداز تھا جو ثمرہ کو برا لگا۔

"تم پاگل ہو تنوی! لڑکیوں کی بے سروپا باتوں میں آ رہی ہو۔" اس سے قبل کہ جھگڑا شروع ہوتا عبیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے آج پاکٹ منی ملی ہے اسی خوشی میں تم لوگوں کو ٹریٹ دیتی ہوں۔"

"ہمیں لے آتے ہیں۔ چلو عبیر! میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" ثمرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبیر نے انہیں جاتے دیکھا پھر سامنے کیاری کی طرف دیکھنے لگی جہاں ایک دھوبن چڑیا پھدک پھدک پھر رہی تھی۔

☆☆☆

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

فلیٹ کی مکمل صفائی سے پہلے ہی شیبہ العباس پہنچ گیا تھا۔

"سعدی، واثق، ارسل۔" اس نے انگلیوں پر گنتے ہوئے کہا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں میری غیر موجودگی میں تمہارے اور کتنے دوستوں نے یہاں ڈیرہ ڈالے رکھا ہے؟"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے یار! یہاں کوئی بھی نہیں آیا۔" بکھرے ہوئے برتن سمیٹتے ہوئے اس نے اپنے تئیں بڑی مہارت سے جھوٹ بولا تھا۔

"اچھا تو پھر یہ بکھرا وا نوری مخلوق پھیلا گئی ہو گی۔" شیبہ نے طنز سے کہا۔ جے ڈی ہنس دیا۔

"شیبہ! مجھے بخار رہا اتنے دن! روز چونکہ صفائی نہیں ہو سکی۔ اس لیے اتنے روز کا کام اکٹھا ہو گیا، ورنہ تمہیں پتا ہی ہے۔ میں اتنا بکھرا وا کبھی نہیں ہونے دیتا۔"

''یہی تو بات ہے، تمہاری فطرت سے میں اچھی طرح واقف ہوں، اسی لیے مجھے یقین نہیں آرہا پر یہ فلیٹ کا یہ حشر تم نے کیا ہے۔ جے ڈی! اتنی عمر ہوگئی تیری۔ اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں لوگوں سے دھوکہ تو تو اب تک کھا رہا ہے۔ یعنی انسانوں کو پہچاننا تجھے اب تک نہیں آیا...... میرے بھائی! اور کچھ نہیں تو کم سے کم جھوٹ ہی مہارت سے بولنا سیکھ لے۔'' شبیہ نے اس کی اچھی کلاس لے ڈالی۔

''جے ڈی بالکل خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہا۔ اسے شبیہ سے ایسی ڈانٹ سننے کی عادت تھی۔

''تجھے پتا ہے۔ جے ڈی! تیرا مسئلہ کیا ہے۔؟''

''ہاں پتا ہے۔'' جے ڈی نے لاپروائی سے کہا پھر پوچھا۔

''وہاں حویلی میں سب کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔'' اس نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھے پھر بیڈ پر پیچھے کی طرف گر کر سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا لیا۔

''معیاد، مانی، اسفر، بتول، نویرہ، حرم...... اسفر سے بات ہوئی تھی میری، وہ تو کہہ رہا تھا اس بار آئے گا تمہارے ساتھ؟''

''سب ٹھیک ہیں بھئی۔ اسفر کو کوئی کام تھا اسی لیے نہیں آیا۔'' شبیہ نے کہا۔

جے ڈی نے کچن سے نکلتے ہوئے اسے دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے لیٹا وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو چائے لاؤں؟'' اس نے محبت سے پوچھا۔

''اجمل کہاں ہے؟'' اس نے ملازم لڑکے کے بارے میں پوچھا۔

''اس کی ماں بیمار تھی، میں نے ایک ہفتے کی چھٹی دے دی ہے بے چارہ بہت پریشان تھا۔''

''ایک تو تمہیں ہر ایک کی ماں بنے رہنے کا بہت شوق ہے۔ جس سے دیکھو ہمدردی جتائی جارہی ہے۔'' شبیہ نے اکتا کر کہا۔

''مجھے یقین ہے اسے چھٹی دیتے ہوئے ایک بار بھی تم نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ کچن کون سنبھالے گا۔''

''شبیہ! ہمیں ملازموں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ ایک چھوڑ دس ملتے ہیں۔ میں گاؤں سے بھی ملازم منگوا سکتا تھا۔ لیکن جب اللہ نے دو ہاتھ دیے ہیں تو انہیں استعمال بھی کرنا چاہیے...... میں نے سوچا کھانا تو میں اچھا ہی بنا لیتا ہوں تھوڑی بہت صفائی بھی کر لوں گا۔ بس کپڑوں کا مسئلہ تھا۔ لیکن یہ بھی اتنا بڑا مسئلہ نہیں لانڈریز کس مرض کی دوا ہیں...... پھر میں نے سوچا آج ہم کسی کی مدد کریں گے تو کل کو کوئی ہماری مدد کرے گا...... سچ کہوں میں نے حقوق العباد کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اچھا چھوڑو اس بحث کو۔ میں چائے لاتا ہوں۔''

''میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے۔ تمہیں پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' شبیہ نے پوچھا۔

''میں جو بھی کہوں گا تم اسے رد کر دو گے اس لیے تم ہی بتا دو۔'' جے ڈی گہری سانس بھرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''بے وقوفی۔'' شبیہ نے سرعت سے کہا۔

''تمہارا سب سے بڑا مسئلہ بے وقوفی ہے۔ بعض اوقات تمہاری بے وقوفی پاگل پن کی حد تک بڑھ جاتی ہے۔ مجھے حیرانی ہے تم لوگوں کو

پہچان کیوں نہیں پاتے۔ تم اکثر کسی نئے دوست کو مجھ سے متعارف کرواتے ہو اور کہتے ہو یہ بہترین انسان ہے اور میں اس بہترین انسان کی شکل دیکھتے ہی بھانپ لیتا ہوں وہ کتنا شاطر اور مطلب پرست ہے...... تمہارے سارے دوست ایسے ہی ہیں۔ وہ تمہارے پاس اپنا کوئی نہ کوئی مطلب، کوئی غرض پوری کرنے آتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ تم ہر بار ان کی باتوں میں آ جاتے ہو اور وہ اپنا مطلب پورا ہوتے ہی تمہیں پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ سنا تم نے تم بہت بڑے بے وقوف ہو۔"

"بڑی نئی بات بتائی ہے۔" جے ڈی نے منہ کا زاویہ بگاڑا۔

"میں چھوٹا سا تھا تب سے اپنی شخصیت کی اس خوبی سے آگاہ ہوں۔ تم سے پہلے ہی کئی لوگ مجھے بتا چکے ہیں۔"

وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں ذرہ بھر احساس نہیں ہے جے ڈی! تمہارے دوست تمہیں کیسے ڈاج (دھوکہ) دے جاتے ہیں۔

تمہیں اچھا لگتا ہے دوسروں کے ہاتھوں بیوقوف بننا؟" شبیہ نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"یار!" جے ڈی نے سر کھجاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

"مجھے کبھی لگا ہی نہیں کہ کوئی مجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔ تم کہتے ہو میرے دوست اپنی کسی غرض کے لیے میرے پاس آتے ہیں...... میری رائے مختلف ہے۔ مجھے لگتا ہے میرے دوست جانتے ہیں میں ان کی مدد کر سکتا ہوں تبھی وہ میرے پاس آتے ہیں۔ کسی کی تھوڑی سی مدد کرنے سے اگر اس کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو میری ذات کو کیا فرق پڑ سکتا ہے۔"

"تمہیں تمہارے دوستوں کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتے ہیں..... یہ تو مانتے ہو؟"

"وہ معمولی نقصان ہوتے ہیں۔" جے ڈی نے تحمل سے جواب دیا۔

"تم کسی بڑے نقصان کا انتظار کر رہے ہو۔" شبیہ نے جل کر پوچھا۔ "تب سنبھلو گے؟...... سنبھل جاؤ جے ڈی! مجھے ڈر ہے کسی روز تمہارے دوست اپنی باتوں میں الجھا کر تم سے قتل کروا دیں گے اور تم تب بھی ایسی ہی بودی لاجکس دیتے پھرو گے۔ تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ فی زمانہ دنیا میں کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اس پہ بھروسہ کیا جائے..... تم گدھے، احمق، پاجی! راستہ چلتوں کو دوست بنا کر مدد کرنے کھڑے ہو جاتے ہو...... مجھے خدشہ ہے کسی روز کوئی بڑا نقصان نہ اٹھا بیٹھو۔"

"اگر میں حویلی جا کر کسی کو بتاؤں کہ شبیہ اتنا بولتا ہے تو کوئی میری بات پر یقین نہیں کرے گا۔" جے ڈی نے اسے چڑایا اور وہ سچ چڑ بھی گیا۔

"مرو تم...... جس روز بھگت رہے ہو گے تب میری یاد آئے گی۔"

"اب میں تمہارا مسئلہ بتاؤں؟" جے ڈی نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہارا مسئلہ یہ ہے تمہیں ساری دنیا بری لگتی ہے۔"

"اور تمہیں ساری دنیا اچھی لگتی ہے۔" وہ اپنے مخصوص اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"دنیا اچھی ہے۔" وہ مستقل مسکرا رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں جس دن بھگتو گے تب جانو گے۔" وہ بضد تھا۔

"تمہیں انسان برے کیوں لگتے ہیں شبیہ؟" جے ڈی نے یکدم پوچھا۔

"مجھے سب انسان برے نہیں لگتے۔ صرف وہ برے لگتے ہیں جو برے ہوتے ہیں۔" دوٹوک جواب آیا۔

"میرا خیال ہے ہم یہ فیصلہ وقت کو کرنے دیتے ہیں ممکن ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہم دونوں کی اپروچ بدل جائے۔ تمہیں دنیا اور دنیا والے اچھے لگنے لگیں اور مجھے...... خدانہ کرے برے لگنے لگیں۔" جے ڈی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کبھی نہیں ہوگا۔" شبیہ نے اپنے مخصوص دوٹوک انداز میں کہا۔ "مجھے دنیا والے کبھی اچھے نہیں لگ سکتے۔"

"وجہ؟"

"بس کہہ جو دیا۔"

"ایک بات بتاؤ شبیہ؟ تم ہر بات اس قدر دوٹوک انداز میں کیوں کہتے ہو جیسے پتھر پر لکیر...... بلکہ پتھر پر لکیر بھی گزرتے وقت کے ساتھ مدھم پڑ جاتی ہے۔"

"پتا نہیں میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا۔ مجھے تمہاری بہت فکر ہے جے ڈی! کچھ مہینوں کی بات ہے۔ ہمیں بی ای کی ڈگری مل جائے گی۔ میں سوچتا ہوں جتنا تمہارے چہرے پر چغد پن ہے اسے دیکھتے ہوئے تمہیں نوکری کون دے گا۔ اکیڈیمک ریکارڈ کا پلس ہونا اور بات ہے پریکٹیکل فیلڈ میں آ کر جاب حاصل کرنا بالکل ہی اور بات۔ تمہیں چاہیے تھا کسی عام سے سبجیکٹ میں پوسٹ گریجویٹ کرتے اور سرکاری اسکول میں ماسٹر جی لگ جاتے...... تمہاری جیسی ہانگز دشکل کے کئی ماسٹر جی دیکھے ہیں میں نے۔"

شبیہ کا مسئلہ یہ تھا وہ بدتمیزی کی حد تک صاف گو تھا۔ صاف گوئی بھی وہ جس میں سامنے والے کو زخمی کر دینے والی تلخی ہوتی تھی۔ جے ڈی ہرٹ ہونے کے باوجود مسکراتا رہا۔

"تم میری فکر نہ کرو مجھے جاب نہ ملی تو میں دادو کے آفس میں بیٹھوں گا فیملی بزنس کا کچھ فائدہ تو ہمیں بھی حاصل ہونا چاہیے۔

"شاباش۔ شبیہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"بی ای سول کر کے گنے سے چینی بنانا اور چاول چھانٹنا سیکھو گے...... بھئی خوب۔

"تو اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے۔ ذاتی کاروبار کے اپنے مزے ہیں ہماری جو شوگر اور رائس ملز ہیں ہمیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ پھر دادو بے چاری کب تک یہ سب کام تنہا سنبھالیں گی۔

"اس میں کیا شک ہے۔ وہ فوراً مان گیا۔

"اچھا شبیہ! تمہارا آگے کیا کرنے کا پلان ہے؟

"میں کچھ عرصہ یہاں کسی اچھی انجینئرنگ فرم میں کام کروں گا پھر اسپشلائزیشن کے لیے انگلینڈ جاؤں گا۔ تمہیں پتا ہے انگلینڈ جا کر پڑھنا میرا کتنا بڑا خواب ہے۔ پھر ظاہر ہے جاب کروں گا اور اگلے دس سالوں میں اپنی ایک کنسلٹنسی بنالوں گا تم دیکھنا جے ڈی! میں بہت ترقی کروں گا؟"

"انشاء اللہ۔ جے ڈی نے صدق دل سے کہا پھر بولا۔

"ویسے میرا خیال ہے دادو ہم دونوں کو ہی جاب کرنے کی پرمیشن نہیں دیں گی۔ اپنے بارے میں تو میں پر یقین نہیں ہوں لیکن تمہارے بارے میں مجھے سو فیصد یقین ہے وہ تمہیں باہر جانے نہیں دیں گی۔ وہ ہمیشہ چاہتی ہیں تم پڑھائی ختم کر کے بزنس کی طرف آ جاؤ۔

"تمہیں پتا ہے مجھے کسی کی پرمیشن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔

"اس نے اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں کہا تھا۔ جے ڈی خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"شبیہ العباس اس کے چچا مستقیم بھٹی کا بیٹا تھا ان دونوں کی عمروں میں محض چند دن کا فرق تھا۔ ایک گھر میں رہنے اور تربیت کے لیے ایک سا ماحول میسر آنے کے باوجود ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا چونکہ شبیہ کو ہمیشہ دادو کی سپورٹ حاصل رہی تھی وہ اپنے بچوں کی اولاد میں شبیہ کو سب سے زیادہ قریب جانتی تھیں اس لیے وہ خاندان بھر میں شاہانہ مزاج نخریلا اور ضدی مشہور تھا۔ دلچسپ بات یہ کہ پھر بھی پسندیدہ تھا۔ وجاہت اس کی ایکسٹرا کوالیفکیشن مانی جاتی تھی۔ ذہین وہ بچپن سے ہی بہت تھا۔

"شاہانہ مزاج ہونے کے باوجود اس نے آج تک اپنے بزرگوں سے بدتمیزی نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود دادو کے بعد وہ تھا جس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ آخری مانا جاتا تھا۔ حویلی میں بچوں سے لے کر بڑوں تک سب اس کی بات ماننے کے پابند تھے اور ظاہر ہے اتنے سارے اختیارات دادو نے اسے دیے تھے۔

"جے ڈی اور اس کے کزن اگر شبیہ پر رشک کرتے تھے تو یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں۔

"ہاں صاحب! یہ تم نہیں کہو گے تو کون کہے گا۔ آپ شہزادہ عالم جو ٹھہرے۔ بادشاہ اکبر کا سنا ہے۔ ممکن ہے کسی نے ہوائی اڑائی ہو مگر سنا ہے شہزادہ سلیم کے آگے بڑی جلدی مجبور ہو جایا کرتا تھا۔ وہ تو انارکلی کے معاملے میں باپ بیٹا میں تھوڑی ان بن ہو گئی اور فسانہ بن گیا۔ ہماری زوردار شخصیت والی دادو بادشاہ اکبر سے بھی زیادہ مجبور ہو جاتی ہیں تمہارے آگے..... وہ تو شکر ہے کہ درمیان میں کوئی انارکلی نہیں۔

"ہوتی تب بھی ہماری ان بن نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ میں دادو سے بہت محبت کرتا ہوں۔

"جے ڈی کچن کی طرف بڑھا۔ میں چائے لاتا ہوں۔"

"ساتھ میں کچھ کھانے کے لیے بھی لانا۔"

"جے ڈی نے کچن میں آ کر جلدی جلدی آلو کاٹے اور نمک اور کالی مرچ لگا کر انہیں کڑاہی میں ڈال دیا ساتھ ہی الیکٹرک کیتل کا پلگ لگا کر انتظار کرنے لگا۔

''اس کے کانوں میں شبیہ کی آواز گونج رہی تھی اور وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس نے جے ڈی کے لیے بالکل درست لفظ استعمال کیا تھا ممکن ہے کوئی اور لفظ اس سے بہتر ہوتا مگر خود اسے بھی کوئی ''متبادل لفظ'' بے وقوف سے زیادہ جامع اور بھرپور نہیں لگ رہا تھا اس کی امی یہاں موجود ہوتیں تو کہتیں۔

''دراصل میرا بیٹا بہت معصوم اور سادہ دل ہے۔ آج کل لڑکوں میں جو چالاکی و ہوشیاری ہوتی ہے وہ میرے بچے میں نام کو بھی نہیں۔

''درحقیقت معصومیت اور سادگی، بے وقوفی اور چغد پن کے مہذب نام ہیں جنہیں کبھی ہم خود اور کبھی ہم سے بے تحاشا محبت کرنے والے ہماری شخصیت سے جوڑ دیتے ہیں تاکہ حقیقت سے مستقل نظریں چراتے ہوئے دل دکھی ہونے سے بچا رہے۔ اس کی امی بچپن سے یہی کرتی آرہی تھیں۔

''جے ڈی کے لیے یہ باتیں نئی نہیں تھیں اسکول میں بھی لڑکے اسے بوڈا تو اکثر و بیشتر اور کبھی کبھار بھولا بادشاہ کہہ کر چڑایا کرتے تھے۔ تب سے لے کر اب تک جے ڈی سمجھ نہیں سکا تھا اس میں بھولے بادشاہ والی کون سی خصوصیت ہے۔

''اسکول میں وہ ایسی باتوں پر بددل ہو کر اسکول جانے سے انکار کر دیا تھا مگر بڑے ہونے پر اس نے اس حقیقت کو کسی حد تک تسلیم کر لیا تھا کہ انسانوں کو پہچاننے کی فطری صلاحیت اس کے اندر نہیں ہے۔ لیکن وہ یہ کہہ کر خود کو تسلی دیتا تھا کہ اکثر لوگ بوڈے یا بھولے نہیں ہوتے پھر بھی انسانوں کو نہیں پہچان پاتے اور دھوکہ کھاتے ہیں۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن رہتا تھا اور ہر بار اپنے دوستوں کے جھوٹ پر یقین کر کے ان کی مدد کرتا رہتا تھا۔

''مدد کرنے کی حیثیت خدا ہر ایک کو نہیں دیتا۔'' وہ اکثر سوچتا لیکن اس بار اسے کچھ تشویش اور ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے دوستوں نے ہاسٹل کے بارے میں جھوٹ بول کر تین روز یہاں قیام کیا تھا اور جے ڈی کی جیب بالکل خالی کروا دی تھی۔ انہوں نے کئی قیمتی ڈیکوریشن پیس توڑ دیے تھے۔ واثق اس سے اجازت لیے بغیر اس کی بے حد من پسند Tissot کی گھڑی لے گیا تھا اور ارسل نے مقروض ہونے کے باوجود اس سے اس بار بھی سات ہزار ادھار نکلوائے تھے۔ اور وہ جانتا تھا یہ قرض بھی نہ چکایا جائے گا۔

''آخر ہر بار وہ ان کی باتوں میں کیوں آجاتا ہے؟ اور خود سے کیے ہوئے عہد بھول جاتا ہے۔

''اب میں کسی پر اعتبار نہیں کروں گا خواہ میرے دوست ہی کیوں نہ ہوں۔ کوئی میرے سامنے ایڑیاں رگڑتے مر بھی رہا ہوگا تو میں اس کی مدد نہیں کروں گا ...... مجھے کیا پڑی ہے کہ ایرے غیروں کی مدد کروں اور بیوقوف بنوں۔ بھولے بادشاہ نے پکا عہد کر لیا۔

''اور جس وقت وہ سکھڑ بیبیوں کی طرح ٹرے سجا کر اندر پہنچا شبیہ گہری نیند سو چکا تھا۔''

☆☆☆

''ایکسکیوزمی! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟ ایڈمن بلاک کے قریب گھاس کے اس چھوٹے سے قطع میں تنہا بیٹھے تجوی کو ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب اپنے قریب ایک جانی پہچانی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا اور دل ہی دل میں بیزار ہوئی۔

''عروش خواجہ سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ ہاتھوں میں پکڑے اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ عمیر نے ٹھیک کہا تھا آج عروش بہت تیار ہو کر آئی تھی۔ بمشکل گردن تک آتے اس کے گھنگھریالے بال جنہیں وہ روٹین میں باندھے رکھتی تھی آج کھلے ہوئے تھے۔ سفید اور سیاہ چیک دار اسکارف جو پورے کالج میں اس کی شناختی علامت کی طرح مشہور تھا کے دونوں سروں کو اس نے حسب معمول اپنے مخصوص انداز میں پہن رکھا تھا۔

اس کے علاوہ مردانہ انگوٹھیاں اور رینیڈز تھے۔ دائیں کان میں سلور کی چھوٹی سی بالی تھی۔

"یہ وہ لوازمات تھے جو ہر روز وہ کالج یونیفارم کے ساتھ استعمال کرتی تھی۔ کوئی کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے جاتے ہوئے وہ سب اتار کر اپنی کلاس کا نمائندہ رنگ کا دوپٹہ اوڑھ لیتی تھی اور واپس آکر پھر پہن لیتی تھی۔ آج کے دن کی خاص تیاری کا سب سے اہم عنصر وہ لپ گلوس تھا جس کی وافر مقدار اس نے اپنے ہونٹوں پر لگا رکھی تھی اور اس وقت بالکل عجوبہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں۔

"اسے خاموش دیکھ کر عروش نے پھر پوچھا۔ دور دور تک کوئی اسٹوڈنٹ دکھائی نہیں دے رہی تھی ناچار تنوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی اپنی نوٹ بک کھول کر جلدی جلدی قلم گھسیٹنے لگی۔

"آپ مصروف لگ رہی ہیں۔

"عروش نے اس کے قریب بیٹھتے ہو کہا۔

"ہاں...... میں نوٹس بنا رہی ہوں۔ تنوی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ عروش اور اپنے بارے میں ہونے والی چہ گوئیاں اس نے بھی سنی تھیں اور وہ نہیں چاہتی تھی ان دونوں کو اکٹھا بیٹھے دیکھ کر لڑکیاں اور اوٹ پٹانگ باتیں کریں۔

"اوہ...... عروش کے لہجے میں مایوسی کی جھلک تھی۔

"میں تو آپ سے کچھ باتیں کرنے آئی تھی۔ اس نے کہا۔

"آپ بات کریں میں سن رہی ہوں۔

"آپ کو پتا ہی ہوگا آج میرا برتھ ڈے ہے۔ عروش نے یوں پوچھا جیسے خود کو بہت مشہور ہستی سمجھتی ہو۔

"میں مدر ٹریسا کا برتھ ڈے یاد رکھتی ہوں یا اپنا۔ تنوی جی بھر کر رکھائی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ عروش لاجواب ہو گئی۔

"دراصل کالج کی اکثر لڑکیوں کو پتا ہے تو میں نے سوچا آپ کو بھی پتا ہی ہوگا۔

"میں ان اکثر لڑکیوں میں شامل نہیں ہوں۔

"اچھا میں آپ کو بتا تو رہی ہوں۔ عروش اتنی جلدی ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔ آپ مجھے وش نہیں کریں گی؟

"ھیپی برتھ ڈے......

"آپ کا نام بہت خوبصورت ہے۔

"شکریہ......

"کس نے رکھا تھا؟

"میری نانو نے۔ تنوی نے کہا۔ انہوں نے میرا نام اپنے نام پر رکھا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھیں میں بالکل ان کے جیسی ہوں۔"

"یہ پہلا طویل جملہ تھا جو اس نے ادا کیا۔" عروش کے لیے یہ بھی غنیمت تھا۔ کم سے کم وہ بات کرنے پر تو راضی ہوئی۔

"کیا آپ کی نانو آپ کی طرح خوبصورت ہیں۔ میں تو ان کے پاسنگ بھی نہیں ہوں۔ اس کے لہجے میں نانو کے لیے فخر ہی فخر تھا۔

"عروش مسکرائی۔

"میں کبھی آپ کی نانو سے ضرور ملوں گی تا کہ پتا چل سکے وہ خاتون کتنی خوبصورت ہیں جن کے آپ پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ آپ مجھے اتنی خوبصورت لگتی ہیں کہ میرا خیال ہے آپ کا مقابلہ کسی سے ہو ہی نہیں سکتا...... آپ کو پتا ہے میں آپ کو کتنا پسند کرتی ہوں...... شاید میں ٹھیک سے بتا بھی نہیں سکتی...... آپ میری فرینڈ بنیں گی۔ اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ تنوی نے سرعت سے مستحکم لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ عروش نے پوچھا۔

"میں ہر کسی سے دوستی نہیں کرتی ویسے بھی مجھے زیادہ فرینڈز رکھنا پسند نہیں ہے۔

"آپ اتنی سختی سے جواب نہ دیں۔ عروش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لیں پھر کوئی جواب دیں۔ میں اس کالج کی بہترین لڑکی ہوں چاروں ییرز کی لڑکیاں مجھ سے دوستی میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ میں جس کے ساتھ چل رہی ہوتی ہوں اسے خود پر ناز ہوتا ہے۔ آپ خود سوچیں جس لڑکی پر اتنی لڑکیاں فدا ہیں اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہیں وہ خود چل کر آپ کے پاس آتی ہے تو اس کے پیچھے ضرور کوئی اسٹرونگ ریزن ہوگا۔

"آج بہت سی لڑکیوں نے مجھے گفٹ دیے ہیں کئی پھول دے چکی ہیں مگر میں آپ کے لیے پھول لائی ہوں...... ہماری دوستی کے لیے ہیں یہ پھول...... مجھے یقین ہے یہ پھول لے کر آپ میری دوستی سے انکار نہیں کریں گی......" اس کے ہر لفظ سے زعم جھلک رہا تھا۔ تنوی کی ناپسندیدگی میں اور اضافہ ہو گیا۔

"آپ یہ پھول واپس لے جائیں عروش! میں بتا چکی ہوں مجھے آپ سے دوستی نہیں کرنی اور جب دوستی نہیں کرنی تو پھول کس خوشی میں لوں؟ تنوی نے پہلے سے زیادہ سختی سے کہا تھا۔

"عروش مسکراتی رہی۔ تنوی کو اس کی آنکھوں سے، اس کی مسکراہٹ سے گھن آ رہی تھی اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور گندی معلوم ہوتی تھیں۔

"تنوی کو یاد آیا پچھلے سال جب اس نے اس کالج میں ایڈمیشن لیا اس کی آنکھیں ایسی نہیں تھیں۔

"آپ کو پھول نہیں لینے تو انہیں ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔ میں انہیں لے کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے یقین ہے چند دن کے بعد آپ مجھ سے دوستی کرنے پر راضی ہو جائیں گی۔

"وہ اسی راستے پر پلٹ گئی جہاں سے آئی تھی۔

"تنوی نے دیکھا۔ اس کے پہناوے اور بول چال میں ہی نہیں چلنے کے انداز میں بھی مردانہ پن نمایاں تھا۔ اس کی ناپسندیدگی و ناگواری کئی گنا بڑھ گئی۔ اس نے پھولوں کو بے دردی سے پرے پھینک دیا۔

"اونہہ۔۔۔ قوم لوط کی بھٹکی ہوئی روح۔

"وہ اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔

"ثمرہ دوڑی چلی آ رہی تھی۔

"عروش تم سے کیا بات کرنے آئی تھی۔ اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا دماغ خراب ہے۔ تنوی نے بات پلٹ دی۔

"تم تو کینٹین گئی تھیں اور عبیر کہاں ہے۔

"وہ! ثمامہ کے پاس بیٹھی ہے۔ وہی فورتھ ایئر کی ثمامہ۔ جو پامسٹ ہے ہم دونوں نے اسے بڑی مشکل سے راضی کیا ہے کہ آج وہ ہم تینوں کے ہاتھ دیکھے۔

"میں چلتی ہوں لیکن ہاتھ نہیں دکھاؤں گی۔ نانو کہتی ہیں اس طرح چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ تنوی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوہو۔۔۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا تنوی۔ ثمرہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"تمہیں اپنا مستقبل جاننے سے دلچسپی نہیں ہے؟

"دلچسپی تو ہے مگر۔۔۔۔۔ وہ تذبذب میں گھر کر بولی۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔۔۔۔۔ تم تو دن بہ دن مس تو جی جا رہی ہو کچھ پوچھو منہ سے ناں نکلتی ہے۔ خدا نہ کرے ان دنوں تمہارا نکاح شبیہ العباس کے ساتھ رکھا گیا تو بے چارے کا کباڑہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے تمہارے منہ سے تو ناں ہی نکلے گی۔

"ثمرہ اسے ساتھ گھسیٹتے ہوئے تیز تیز بول رہی تھی۔

☆☆☆

"جنت۔۔۔۔۔ او جنت۔

"دین محمد نے گھر میں داخل ہوتے ہی جنت کو آوازیں دینا شروع کر دی تھیں۔

"آسمان کے چہرے پر شام کا سنگھار جاری تھا اور صحن میں لگے سکھ چین پر چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔ ننھی جنت اپنے جھولے میں لیٹی چڑیوں کے شور سے لطف اندوز ہو رہی تھی باپ کی آواز سن کر وہ تیز تیز ہاتھ پیر چلانے لگی۔ دین محمد نے اپنا صافہ الگنی پر ڈال دیا اور آگے بڑھ اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔

"اس کی بیوی زہرہ صحن کے ایک طرف دستی نلکے کے قریب بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی باپ بیٹی کو لاڈ کرتے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''یہ آج کی بات نہیں تھی۔ جنت کی پیدائش سے لے کر اب تک ...... سال بھر کے اس عرصے میں اس کا یہی معمول بن چکا تھا وہ جنت کو پکارتا ہوا گھر میں داخل ہوتا اور اسے گود میں اٹھا لیتا۔ پھر جب تک گھر پر رہتا اسے گود سے اترنے نہ دیتا۔

''اور صرف دین محمد پر ہی کیا موقوف خود زہرہ اور دین محمد کی ماں کے معمولات میں بھی بے حد تبدیلی آچکی تھی۔ جنت ان سب کے لیے کھلونا تھی۔ جس نے ان کے گھر کو گھر نہیں رہنے دیا تھا جنت بنا دیا تھا، جنت دیوار پر بیٹھی ہوئی چڑیا کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہی تھی دین محمد نے اسے دونوں ہاتھ سے پکڑ کر چڑیا کے قریب کیا چڑیا خطرہ بھانپتے ہی پُھر سے اُڑ گئی۔ جنت کھلکھلا کر باپ کے سینے میں منہ چھپانے لگی۔ جب ہی دین محمد کی نگاہ اس کے پیر پر پڑی وہاں معمولی سی خراش سرخ ہو کر سوکھ رہی تھی۔

''یہ اس کے پیر پر کیا ہوا ہے؟

''اپنے اندر اٹھی غصے کی شدید لہر کو دباتے ہوئے اس نے زہرہ کو مخاطب کیے بغیر پوچھا تھا۔

''زہرہ اپنے آنچل سے ہاتھ پونچھتی قریب آگئی اور بغور جنت کے پیر کو دیکھا پھر اچانک یاد آنے پر بولی۔

''اچھا یہ...... صبح چارپائی کے پائے سے خراش لگ گئی تھی۔ پاؤں پاؤں چلنے لگی ہے...... آپ کو پتا تو ہے جی اب یہ کہاں ٹکتی ہے۔ اس نے پیار سے جنت کا گال گدگداتے ہوئے کہا۔ دین محمد نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ یہ پاؤں پاؤں چلتی ہے ٹکتی نہیں ہے۔ تم کیا افیم کھا کے سوجاتی ہو۔ ذرا سی بچی کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ دین محمد نے مشتعل ہو کر کہا تھا۔ ابھی خدا نے ایک دی ہے تو یہ حال ہے جو باقی چھ بھی زندہ ہوتے تو تو نے کیا کرنا تھا۔

''زہرہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''کیا ہوگیا ہے جی آپ کو...... بچے تو چوٹیں لگواتے ہی رہتے ہیں اور میں تو سارا سارا دن اسی کے ساتھ لگی رہتی ہوں یقین نہ آئے تو اماں سے پوچھ لیں۔

''نظر آرہا ہے مجھے کتنا تو اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ دین محمد کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

''اچھا میں اگلی بار خیال رکھوں گی۔ زہرہ نے مصلحت آمیزی سے کام لیا۔ دین محمد سر جھٹک کر تخت پر بیٹھ گیا اور جنت سے باتیں کرنے لگا۔

''زہرہ نے گہری سانس بھر کر شوہر اور بیٹی کو دیکھا۔ اسے دونوں سے بے حد و حساب محبت تھی لیکن دین محمد کی طرح بیٹی کی محبت میں وہ اندھی نہیں ہو رہی تھی۔ دین محمد جنت کے معاملے میں حد درجہ جذباتی تھا۔ وہ زہرہ تو زہرہ جنت کے معاملے میں اپنی ماں کی بھی معمولی سی کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

''بعض اوقات اس کی غیر معمولی محبت و انسیت اچھی لگتی، بعض اوقات بری اور بعض اوقات ناگوار۔

''دین محمد پہلا شخص نہیں تھا جسے خدا نے طویل انتظار کے بعد باپ کے منصب پر فائز کیا تھا۔ اکثر لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے مگر کوئی بھی اولاد کو اس طرح ہتھیلی کا چھالا نہیں بناتا جس طرح دین محمد جنت کو بنا رہا تھا۔

''بعض اوقات زہرہ کو پریشانی ہونے لگتی کہ اتنی محبت اور جذباتیت کا نتیجہ کیا نکلے گا پھر وہ سر جھٹک دیتی کہ اس کی پریشانی قبل از وقت تھی۔

"دین محمد کا موڈ اتنی دیر میں خوشگوار ہو چکا تھا۔ اب وہ زہرہ کو پکار رہا تھا۔ زہرہ سر جھٹک کر متوجہ ہوئی۔

"میں نے کہا تھا ناں ہماری لاڈو بڑی نصیبوں والی ہے۔ دیکھ لے جب سے دنیا میں آئی ہے ہماری زمینیں کتنا منافع دے رہی ہیں اور آج تو میرے پاس خوش خبری بھی ہے۔ وہ خوشی خوشی بتانے لگا۔

"چوہدری حاکم اپنی زمینیں بیچ رہا ہے اور وہ بھی بڑی مناسب قیمت میں...... بلکہ مناسب کہنا بھی غلط ہے اونے پونے ہی سمجھ لے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے وہ اراضی خرید کے میں جنت کے نام لگاؤں گا۔

"ابھی تو یہ اتنی چھوٹی ہے...... جو ہمارا ہے وہ اسی کا تو ہے لیکن ابھی سے زمین اس کے نام لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ زہرہ نے اعتراض کیا۔ بڑی ہوگی تو نام لگا دینا۔ خوامخواہ بچہ نظر میں آتا ہے..... گاؤں میں کتنے حاسد ہیں ہمارے۔

"بات تو ٹھیک ہے تیری۔ دین محمد نے کہا۔

"لیکن میرا دل چاہتا ہے۔ ہماری جنت اس گاؤں کے تمام بچوں سے بہتر ہو۔ میری خواہش ہے زہرہ! اسے پورا ضرور کروں گا اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

"زہرہ گہری سانس بھر کر اس کے لیے کھانا لینے رسوئی کی طرف آ گئی۔ اسے دین محمد کی منطق سمجھ نہ آئی تھی پھر بھی وہ مطمئن تھی کیونکہ اسے یقین تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین محمد کی جذباتیت کم ہو جائے گی۔

☆☆☆

"ڈنر کے دوران بڑی محسوس کن سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کبھی کوئی گلاس، چمچ ٹکراتا تو آواز پیدا ہوتی پھر ویسا ہی سکوت چھا جاتا۔ ثروت دیکھ رہی تھیں دانیال حسن رغبت سے نہیں کھا رہے یہاں تک کہ انہوں نے چند لقمے کھا کر پلیٹ پرے کھسکا دی اور پانی کا گلاس اٹھا لیا۔ لیکن اس سے قبل کہ گلاس لبوں سے لگاتے ثروت نے سرعت سے ایک باؤل ان کے سامنے رکھ دیا۔

"آپ کو سبزی پسند نہیں آئی تو یہ مٹن گریوی لے لیں۔ ساتھ میں یہ وائٹ رائس.... یہ کامبی نیشن پسند ہے نا آپ کو.... آج سارا کھانا میں نے آپ کی پسند کے مطابق بنایا ہے دانیال۔

"ثروت نے مسکراتے ہوئے اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

"ایک کے بعد ایک چیز میرے سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت نہ کریں کہ آپ کو میری پسند ناپسند کی بہت پروا ہے۔"

"طنز سے بوجھل سرد لہجہ...... ثروت کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔"

"آپ نے مکس سبزی کے لیے کہا تھا اسی لیے میں نے۔" انہوں نے وضاحت دینا چاہی دانیال صاحب نے فوراً ٹوک دیا۔

"میں نے مکس سبزی پکانے کے لیے کہا تھا۔ صرف گاجر پکانے کے لیے نہیں۔

"مجھے میٹنگ اٹینڈ کرنے جانا ہے۔ اس لیے جو سبزی تھی گھر میں تھی وہی بنا دی...... اچھا میں کل مکس سبزی بنالوں گی پلیز آپ ابھی تو کھانا

چھوڑ کر نہ جائیں۔ آپ کو رائس نہیں کھانے تو میں چپاتی بنا لاتی ہوں۔ فریزر میں کباب رکھے ہیں کچھ تیے کے اگر آپ کہیں تو وہ فرائی کر دیتی ہوں یا آملیٹ بنا لیتی ہوں۔ ثروت کو کسی بھی طرح انہیں قائل کرنا تھا سو جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

"دانیال صاحب نے ابرو اچکا کر تیکھی نظر ان پر ڈالی۔

"مکس سبزی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حسب خواہش کوئی چیز نہ ملے تو پھر اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ تعجب مجھے اس بات پر ہے اتنی اہم بات آپ کی اب تک سمجھ میں کیوں نہیں آسکی۔ باقی بات رہی کباب چپاتی اور آملیٹ کی۔ آپ کو میری اتنی فکر تھی تو ان سب چیزوں کو اس وقت ٹیبل پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

"آواز دھیمی لہجہ تلخ۔

"ڈیٹس ناٹ فیئر ڈیڈی! ولید نے اچانک کہا۔

"ممی نے سب کچھ آپ کی پسند کے مطابق بنایا ہے صرف آج نہیں وہ ہر روز ایسا ہی کرتی ہیں پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں انہیں آپ کی فکر نہیں۔

"میری بات میں دخل مت دو ولید! خاموشی سے کھانا کھاؤ۔" دانیال صاحب نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

"ولید کو ہتک کا احساس ہوا" اس نے اینیا کی طرف دیکھا وہ سراسیمگی چہرے پر پھیلائے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموشی سے بیٹھے رہنے کا کہہ رہی تھی۔ ولید دل مسوس کر بیٹھا رہا۔

"ڈیڈی کا معمولی معمولی باتوں کے لیے ممی کو ڈانٹنا ولید کو کبھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ان کا رویہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا تو اسے کبھی محسوس نہ ہوتا۔ بحیثیت باپ —— وہ بہت اچھے تھے۔ ان کی پڑھائی کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے مسائل ڈسکس کرتے تھے۔ لیکن بیوی کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ عجیب سا ہوتا تھا۔ کم سے کم ولید نے اپنے ہوش میں انہیں کبھی ماں کے ساتھ تحمل سے بات کرتے نہیں سنا تھا۔ اول تو وہ دونوں آپس میں بہت کم بات کرتے تھے لیکن اگر بات کرتے تو ممی کا لہجہ گھگھیایا ہوا ہوتا اور ڈیڈی کا طنز میں ڈوبا۔

"ان کے پاس اکنامکس میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری تھی اور ایک مشہور سرکاری بینک میں وہ بطور منیجر کام کر رہے تھے۔ اپنی فیلڈ سے متعلقہ شارٹ کورسز کے سلسلے میں وہ اندرون و بیرون ملک سفر کرتے رہتے تھے۔

"ولید کا اس معاشرے میں جو مقام تھا وہ اسے اس کے ڈیڈی کی وجہ سے ملا تھا لیکن ڈیڈی کو یہ مقام پیدا ہوتے ساتھ نہیں ملا تھا۔ انہوں نے یہ مقام اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حاصل کیا تھا۔ وہ سیلف میڈ تھے اور ایسے سیلف میڈ تھے جنہیں لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

خود ولید اپنے ڈیڈی کو آئیڈیلائز کرتا تھا لیکن وہ جب بھی انہیں ممی سے بات کرتے سنتا وہ اسے جاہل لگتے تھے جن میں کامن سینس نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جو جاہل مردوں کی طرح اپنی بیوی کو دبا کر رکھنے کے لیے ہر روز اپنی زبان کی دھار تیز کرتے ہیں۔

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ڈیڈی کو ممی سے کہتے سنا لیکن وہ چونکہ پوری طرح حاضر نہیں تھا اس لیے بات سمجھ نہ سکا۔ ممی کہہ رہی تھیں۔

"میں تو ان لوگوں سے ملنے نہیں جا سکی۔ جس وقت توقیر بھائی کا فون آیا میں گھر پر نہیں تھی۔ اینیا نے ان لوگوں کو پورشن دکھا دیا تھا۔ پھر

جس وقت میں آئی..... تو میرا خیال تھا وہ لوگ آرام کر رہی ہوں گی اس لیے میں نے سوچا۔"

"اور اگر آپ سوچنا چھوڑ دیں تو ہماری زندگیوں کے آدھے مسائل تو یوں بھی حل ہو سکتے ہیں۔" وہی مخصوص تلوار کی کاٹ جیسا لہجہ۔

"اور کیا میں جان سکتا ہوں آپ گھر پر موجود کیوں نہیں تھیں۔"

"میں نے آپ کو بتایا تھا..... سوسائٹی کی میٹنگ تھی آج۔" ثروت منمنائیں۔

"اور کیا ہوتا ہے آپ کی اس میٹنگ میں؟" دانیال حسن نے پوچھا۔

"چغلیاں، بدخوئیاں، اس کو لڑوا دیا، اس کو ملوا دیا..... کپڑے، جیولری کی بکواس ڈسکشن..... اتنی اہم میٹنگ کے دوران آپ کو تو یہ بھی پتا نہیں چلا ہوگا کہ آپ کی اکلوتی بیٹی اپنا ہاتھ جلا بیٹھی ہے.....۔"

"کیا....." ثروت نے فکرمندی سے اجیا کی طرف دیکھا۔

"ڈیڈی پلیز!" اجیا نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"ہاتھ میری اپنی غلطی کی وجہ سے جلا ہے آپ ممی کو تو بلیم نہ کریں۔"

"دانیال حسن نے نیپکن میز پر اچھالا اور بنا کسی کی طرف دیکھے ڈائننگ روم سے نکل گئے۔

"اپنا ہاتھ دکھاؤ اجیا!" ثروت نے اس سے کہا۔

"رہنے دیں ممی!" اجیا نے اکتا کر کہا تھا۔

"اتنا بھی نہیں جلا کہ میں بچوں کی طرح روتی پھروں۔ پتا نہیں ڈیڈی کی نظر کیسے پڑ گئی اور آپ کو جتا دیا آپ پلیز کھانا کھائیں۔"

اس کے دوٹوک کہنے پر ثروت خاموش ہو گئیں اور اپنی پلیٹ پر جھک گئیں۔ لیکن چونکہ دل اچاٹ ہو چکا تھا اس لیے جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

☆☆☆

ثروت نے جائے نماز تہہ کر کے ریک میں رکھی اور ورد مکمل کر کے گھر کے چاروں کونوں میں پھونکیں ماریں پھر بیڈ روم میں جانے کا ارادہ موقوف کرتی دروازہ کھول کر باہر لان میں آ گئیں۔

ہوا بند تھی لیکن لان کی گھاس سے ایک فرحت بخش تازگی اور خوشبو ان تک آ رہی تھی۔

وہ وہیں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر گھاس کو دیکھنے لگیں جو رات کی تاریکی میں سیاہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا نام ہے میرا؟" گہری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے سیڑھیوں کے قریب لرزتے ہوئے "چاندنا" کے پودے سے پوچھا۔

"ثروت..... کس قدر نامکمل، بے وزن و بے رنگ نام لیکن اگر اس نام کو یوں پکارا جائے۔ مسز ثروت دانیال حسن..... تو کتنا مکمل، کتنا روشن لگتا ہے۔ جیسے مضبوط بنیاد کی عمارت۔" ثروت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نماز پڑھتے ہوئے بھی یہ آنسو بار بار انہیں تنگ کرتے رہے تھے۔

"اور ہمارے احباب کہتے ہیں ہماری جوڑی بہترین کپل ہے۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے "میڈ فار ایچ ادر" کی عملی تفسیر لگتے

ہیں۔لیکن کوئی جانے ہمارا رشتہ کس قدر کھوکھلا ہے۔"

ایک تکلیف وہ خیال پوری طرح ان کے ذہن پر سوار تھا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح کی باتیں سوچتی رہیں پھر گہری سانس بھر کر آنکھیں پونچھیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

یہ تو ساری عمر کا رونا تھا۔ہر روز کہاں اہتمام سے وقت برباد کیا جاتا یوں بھی اب تو عادت سی ہو چلی تھی ان سب باتوں کی۔

دانیال حسن کی محبت تو شادی کے ابتدائی ایام میں ہی کہیں غائب ہو چکی تھی۔اب آکر انہوں نے ثروت کی عزت نفس کو بھی ٹھیس پہنچانا شروع کر دی تھی۔

بس دکھ تھا تو اسی بات کا۔

لیکن یہ بھی شکر تھا کہ احباب کے سامنے وہ اپنا سوبر امیج برقرار رکھتے تھے۔زندگی میں بہت کچھ مل رہا ہو تو کچھ باتوں کو نظر انداز بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

وہ دروازہ بند کرتی کچن میں آگئیں۔شازیہ کل وقتی ملازمہ تھی لیکن دانیال کی ہدایت پر کھانا بنانے کا کام وہیں کرتی تھی۔

اینیا سلیب پر چڑھی بیٹھی نوٹس ہاتھ میں پکڑے رٹا لگا رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ اینیا جلدی سو جانے کی عادی تھی پھر اس کی کچن میں موجودگی بھی حیرانی کا باعث تھی۔

"ٹیسٹ ہے صبح...... تیاری کرنے کے لیے دیر تک جاگنا پڑے گا۔اسی لیے چائے بنانے آئی تھی۔"

"ثروت نے دیکھا برنر پر ساس پین رکھا ہوا تھا۔

"آپ کیوں جاگ رہی ہیں اب تک...... چائے بناؤں آپ کے لیے؟"

"ارے میری توبہ! ایک بھی سپ میرے اندر گیا چائے کا...... تو فجر تک جاگتی رہوں گی۔" ثروت نے جلدی سے کہا۔

"تمہارے ڈیڈی کے لیے دودھ گرم کرنے آئی تھی۔"

وہ اپنے کام میں لگ گئیں اینیا نے ساری توجہ نوٹس کی طرف لگا دی پھر کچھ خیال آیا تو کن اکھیوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

صاف شفاف آنکھیں، شکوے سے عاری لب۔

اسے اپنی ماں پر ڈھیروں پیار آیا۔

"تمہارا ہاتھ تو بہت جل گیا تھا اینیا! کیسے جلا؟...... اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" ایک ٹک اس کے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا کروں؟" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بیٹی ہوں۔تکلیفوں کو چھپا چھپا کر رکھنے کی عادت آپ سے ورثے میں ملی ہے مجھے۔"

یہ بات اس نے مسکراتے ہوئے کہی تھی ثروت کے دل میں آنی کی طرح گڑ گئی۔

"باتیں زیادہ ہی بنانی نہیں آ گئی تمہیں؟ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا تھا۔

اینیا مسکرا کر کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔

"ممی....." چند لمحے کچھ سوچتے ہوئے وہ بولی۔

"ڈیڈی..... کچھ عرصے سے زیادہ ہی روڈ نہیں ہوتے جا رہے؟" اس کا انداز جھجک آمیز تھا۔ ثروت نے ایک نظر اسے دیکھا پھر دو ٹوک لہجے میں بولیں۔

"میں نے کہا اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ بلاوجہ اوٹ پٹانگ باتیں نہ سوچا کرو۔"

"یہ بلاوجہ کی بات نہیں ہے۔" اینیا وہیں کھڑی ہو کر چائے پینے لگی۔ "ڈیڈی نے آج جس طرح بات کی ہم تینوں کو بالکل اچھا نہیں لگا۔" اس نے بھائیوں کا بھی حوالہ دیا۔

"ولید بھی یہی کہہ رہا تھا ڈیڈی کے مزاج میں بہت تبدیلی آ گئی ہے۔ بہت ہائپر رہنے لگے ہیں، جلدی ٹمپر لوز کر لیتے ہیں۔ آپ کو کتنا کچھ سنا دیتے ہیں۔"

"تمہارے باپ کے مزاج میں یہ تبدیلی اب نہیں آئی میری جان! وہ پہلے بھی ایسے ہی تھے۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب وہ تم لوگوں کے سامنے مجھے سناتے ہیں۔" ثروت نے تلخی سے سوچا لیکن جب بولیں تو اچھی بیوی کا فرض نبھا رہی تھیں۔

"آفس کا کوئی معاملہ ہوگا۔ میں پوچھوں گی ان سے اینیا بیٹے! آپ بڑی ہو بھائیوں کو سمجھایا کرو اتنی معمولی باتوں پر دھیان نہ دیا کریں۔"

"ممی! ایک بات بتائیں، آپ بھائی سے ملنے گئی تھیں؟" اینیا نے ان کی بات قطع کرتے ہوئے پوچھا۔

ثروت مگ ہاتھ میں پکڑے دودھ ابلنے کی منتظر تھیں۔ اینیا کا سوال سن کر ان کا ہاتھ لرز اٹھا۔

"نہیں۔"

"اچھا....." اینیا کو مایوسی ہوئی۔

"مجھے لگا آپ بھائی سے ملنے گئی ہوں گی، اسی لیے ڈیڈی آپ پر اتنا غصہ کر رہے ہیں۔" اسے اپنے اندازے کی ناکامی کا افسوس تھا۔

"اینیا!" ثروت نے مگ سلیب پر پٹخا۔

"میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں کہ بھائیوں کو سمجھایا کرو۔ مجھے یہ نہیں پتا تھا تمہارا اپنا دماغ ہی یہاں وہاں بھٹکتا رہتا ہے۔ تمہارے ڈیڈی کتنے اچھے ہیں۔ کتنی محبت کرتے ہیں تم لوگوں سے..... کبھی کسی چیز کی کمی ہونے دی۔"

"میں نے کب کہا ڈیڈی برے ہیں؟" اینیا نے پھر ان کی بات کاٹی تھی۔

"وہ بہت اچھے ہیں ممی اور ڈیڈی صرف اچھے فادر ہی نہیں ہیں۔ وہ اچھے بھائی، اچھے بیٹے، اچھے تایا، اچھے چچا، اچھے دوست بھی ہیں

لیکن......" وہ پل بھر کو رکی۔

"But he is not a good husband"

اس نے آہستگی سے پوچھا۔

ثروت ہکا بکا رہ گئیں۔

ان کی سترہ سالہ اکلوتی بیٹی...... جسے وہ اپنے تئیں بہت چھوٹا سمجھتی تھیں، ایسا گہرا تجزیہ کر سکتی ہے۔ انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اینا نے خاموشی سے چائے کا آخری گھونٹ حلق میں اتارا مگ دھو کر اسٹینڈ میں رکھا پھر ثروت کی طرف دیکھا جو ابھی تک اسے دیکھ رہی تھیں۔

چین میں دودھ ابل ابل کر خشک ہو رہا تھا۔

"آئی ایم سوری ممی! میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی مگر حقیقت تو وہی ہے جو میں نے کہی۔"

اس نے ناخن کھرچتے ہوئے کہا تھا۔

"اینا......" ثروت نے کہنا چاہا۔

"گڈ نائٹ ممی!" اینا نے بڑھ کر برنر بند کیا اور ثروت کی پیشانی پر بوسہ دیتی باہر نکل گئی۔

ثروت اس سے کہنا چاہتی تھیں سونے سے قبل ہاتھ پر بورنال لگا لے۔ لیکن صدمے نے ان کے الفاظ ہی گم کر دیے تھے۔

☆☆☆

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

دانیال حسن کو کتاب بند کرتے دیکھ کر ثروت نے سرعت سے کہا تھا، وہ سونے سے قبل مطالعہ کے عادی تھے۔ پھر کتاب بند کر کے رکھتے تو کوئی بات سننے کے روادار نہ ہوتے۔ ثروت اتنی دیر سے تمہید کا کوئی پہلو تلاش کر رہی تھیں اسی دوران دانیال حسن نے دودھ کا مگ ختم کیا پھر کتاب بند کرنے لگے تو وہ جلدی سے بول اٹھیں۔

ہوتا تو ہمیشہ یہی تھا۔ معمولی سے معمولی بات بھی دانیال حسن کے گوش گزار کرنے کے لیے انہیں کئی کئی دن پہلے سے سوچ کر مضمون تیار کرنا پڑتا تھا (پھر بھی لوگ کہتے تھے دانیال حسن اور ثروت دانیال میں ذہنی ہم آہنگی کمال کی ہے) اور اس وقت تو وہ جو بات کرنا چاہ رہی تھیں، اس کے بارے میں انہیں سو فیصد یقین تھا دانیال حسن کی نازک مزاج اور حد درجہ انا پسند طبیعت پر گراں گزرے گی۔ نازک مزاج شوہر بھی کس قدر بڑی مصیبت ہے۔

محترم نازک مزاج نے کچھ چونک کر، کچھ حیران ہو کر اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔ کیوں کہ ان کے چہرے پر عجب متذبذب سے تاثرات تھے۔ گو کہ نیا پن کچھ بھی نہیں تھا پھر بھی انہیں کوئی بات محسوس ہوئی۔

"ساری زندگی آپ کی باتیں سنتے ہی گزری ہے...... جی فرمائیے۔" طنز کے بغیر تو عرصہ ہوا ان کی کسی بھی بات نے مکمل ہونا ترک کر دیا تھا، سو اس بار بھی طنزیہ ٹون میں بولے اور کتاب از سر نو کھول لی ثروت کا دل چاہا پوچھیں۔

"باتیں سنتے گزری ہے یا سناتے؟"

لیکن وہ پوچھنے کا حوصلہ رکھنے والی ہوتیں تو آج ان کے سامنے کوئی بات کرتے ہوئے یوں نہ جھجک رہی ہوتیں۔

"آپ کتاب تو بند کر دیں۔" گزارش۔

"میں کانوں سے سنتا ہوں۔" ٹکا سا جواب آیا۔

ثروت نے پہلو بدلا تھوک نگل کر حلق تر کیا اور محض چند لمحوں میں دانیال حسن کی شکل دیکھتے ہوئے از سر نو سوچا انہیں کچھ کہنا بھی چاہیے یا پچھلے کئی برسوں کی طرح اس بار بھی چپ سادھ کر زندگی کو اس کی اس مخصوص ڈگر پر چلتے رہنے دینا چاہیے۔ جس کا سفر ان کے لیے بذات خود بہت بڑی اذیت تھا۔

"اگر تمہیں خاموش رہ کر میری رات ہی برباد کرنا ہے تو بتا دو۔ میرا وقت تمہاری سوچ سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ نام نہاد سوسائٹیز کی احمقانہ میٹنگز نہیں اٹینڈ کرنا ہوتیں۔ کام کرنا ہوتا ہے۔ ہر روز جو ہزاروں روپے اپنے لاڈلے لاڈلیوں پر اڑاتی ہو وہ مفت میں نہیں ملتے مجھے۔" کتاب پر نظریں جمائے وہ ہموار آواز میں مخاطب تھے۔ ثروت کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی۔

اور یہ ٹھیس کوئی پہلی بار تھوڑا ہی پہنچی تھی کہ وہ غم زدہ ہو کر بیٹھ جاتیں۔

"میں یہ کہنا چاہ رہی تھی۔ آپ کو مجھ سے جو بھی شکایت ہوتی ہے آپ نے جو بھی کہنا ہوتا ہے (جو بھی طعنے دینا ہوتے ہیں، جتنی سخت سست سنانا ہوتی ہیں) ہمیں کمرے میں کہہ لیا کریں۔ بچوں کے سامنے مجھ سے اس انداز میں بات نہ کیا کریں...... پلیز گزارش سمجھ لیں اسے میری۔"

ثروت نے حسب عادت ٹھہر ٹھہر کر گھگیائے ہوئے لہجے میں بات مکمل کی تھی۔

دانیال حسن نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بچوں کے سامنے کس انداز میں بات نہ کیا کروں؟"

ثروت نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ شوہر کے سامنے آج بھی ان کی حیثیت نالائق طالب علم سے زیادہ نہیں تھی۔ جو استاد کے سامنے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر پاتا کجا کہ امتحانات میں اچھے گریڈز لاتا۔

"جس طرح آپ نے ڈائننگ ٹیبل پر بات کی۔" انہوں نے کہا۔

"بچے بڑے ہو چکے ہیں دانیال؟ بعض اوقات وہ باتیں جو ہمیں بہت معمولی محسوس ہو رہی ہوتی ہیں اسے وہ پوری شدت سے محسوس کرتے ہیں...... ہمارے معمولی اختلافات، چھوٹی چھوٹی بحثیں ان کے لیے بہت بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لیں ابھی جو بات ڈائننگ ٹیبل پر ہوئی اسے اینا اور ولید نے بہت محسوس کیا ہے۔ ولی تو ان دونوں سے چھوٹا ہے۔ اینا اور ولید تو آپس میں ڈسکس کر لیتے ہیں۔ اندازہ کریں ولی کے ذہن میں کتنے الجھاؤ پیدا ہو رہے ہوں گے۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کل کو اس کی پرسنالٹی میں ان ہی باتوں کی وجہ سے کوئی منفی رخ پیدا ہو۔ ہم آج جس چیز کو نظرانداز کریں گے کل کو یہ

ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ بھی بن سکتی ہے۔"

"ولید نے اینیا سے آپ کے بارے میں اپنی فیلنگز شیئر کی ہیں اور اینیا نے مجھ سے کہا..... مجھے اس کی باتیں سن کر بہت عجیب لگا ہے دانیال.....؟"

"ہوں۔" دانیال حسن نے پرسوچ انداز میں کہا۔

ثروت کو بے ساختہ خوشی محسوس ہوئی۔ ان کا خیال تھا وہ دانیال تک اپنا مافی الضمیر پہنچانے میں کامیاب رہی ہیں۔

خوشی کے اس احساس سے وہ مسکرانے لگیں اور سر جھکا کر بیڈ شیٹ کے پرنٹ پر شہادت کی انگلی پھیرتی رہیں۔ اس بات پر غور کیے بنا کہ دانیال حسن نے چند بار انہیں بغور دیکھا ہے۔

"میں حیران ہوں..... بہت زیادہ حیران اتنا وقت گزر گیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا ہمارے بچے اتنے بڑے ہو گئے کہ انہوں نے ان باتوں پر دھیان دینا شروع کر دیا جن کو ہم قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔"

"معاف کیجئے..... صرف آپ قابل اعتناء نہیں سمجھتے ہماری تو ذات ذرہ ذرہ ہو جاتی ہے۔" ثروت، دانیال حسن سے اتنا خائف تھیں کہ خیالات میں بھی معذرت کرنا نہ بھولیں۔

"لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی مجھے تم پر ہو رہی ہے ثروت! میرا اتنا سا سکون بھی اب تم سے برداشت نہیں ہوتا کہ میرے بچوں کے دلوں میں زہر بھرنا شروع کر دیا۔ ان کے کان بھرنے شروع کر دیے تاکہ وہ اپنے سگے باپ سے نفرت کرنے لگیں۔"

ثروت اس وقت سر جھکائے مبہم سا مسکرا رہی تھیں کہ انہوں نے دانیال حسن کے جملے سنے۔ ان کی مسکراہٹ اڑن چھو ہو گئی۔ ان کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ انہوں نے بے یقینی سے دانیال حسن کو دیکھا۔

"دانیال.....؟" صدمے کی کیفیت میں ان کے لبوں سے بس یہی نکلا۔

"اٹھارہ سالہ رفاقت کا اچھا انعام دے رہی ہو۔" دانیال حسن نے تنفر سے کہا۔

"بس کریں دانیال!" ثروت کی برداشت آج بالکل جواب دے گئی تھی۔ آج تک دانیال حسن نے ان کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اب جو ضرب لگائی وہ کچھ زیادہ ہی شدید تھی۔ ثروت کا دل بالکل ہی بکھر گیا۔

"بدگمانی کی بھی بہرحال کوئی حد ہوتی ہے۔ مگر آپ کی بدگمانی لامحدود ہے۔ میں بچوں کے کان کیوں بھروں گی آخر وہ میرے بھی بچے ہیں۔" وہ تڑپ ہی تو گئی تھیں اس الزام پر۔

"اسی لیے تو مجھے زیادہ حیرانی ہے۔" دانیال حسن نے سابقہ انداز میں کہا۔ "اپنے ہی بچوں کو ان کے سگے باپ سے متنفر کرتے تمہیں رتی بھر احساس نہیں ہوا تم کس قدر غلط کر رہی ہو۔"

"باپ سے متنفر ہونے کے لیے انہیں وہ باتیں کافی ہیں، جو ان کا باپ ان کے سامنے ان کی سگی ماں کو وقتاً فوقتاً سناتا ہے۔ بغیر کسی غلطی

سے جھڑکتا ہے۔ طنز کے تیر چلاتا ہے۔ بے عزت کرتا ہے ذلیل کرتا ہے۔" آنکھوں میں تیزی سے امڈتے آنسوؤں نے آواز بوجھل کر دی تھی۔

دانیال حسن نے گردن گھما کر ثروت کو دیکھا ان کا خوب صورت چہرہ غم و غصے سے لال ہو رہا تھا۔

انہیں یاد آیا یہ چہرہ ان کا عشق تھا۔ ان کی بے قراریوں کا سبب تھا۔ ان کی بے چینیوں کی وجہ تھا۔

ان کے جنون کا عنوان تھا۔

اور یہی وہ چہرہ تھا جس نے آج تک انہیں سکون کا سانس نہیں لینے دیا۔

ثروت کی طرف دیکھتے ہوئے معاً ان کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"تمہیں میری باتیں بری لگتی ہیں۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں بے عزت کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے میں ایسی باتیں کرنا چھوڑ دوں گا، میں بھول جاؤں گا تمہارا کوئی ماضی تھا۔"

"میرا ماضی اٹھارہ سال پرانا ہے دانیال! کسی بات کو بھولنے کے لیے اٹھارہ سال کافی ہوتے ہیں بشرطیکہ ہم بھولنا چاہیں۔" ثروت نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے کہہ تو رہا ہوں، بھول جاؤں گا بس میری ایک شرط ہے۔" دانیال حسن نے توقف کیا۔

"صرف اتنی شرط ہے تم عباس سے ملنا چھوڑ دو۔"

"دانیال!" ثروت جھنجلا گئیں۔ یہ شخص ہمیشہ ایسی بات کرتا تھا جس کی وہ توقع نہیں کر رہی ہوتی تھیں۔

"اٹھارہ سال بعد، عباس سے تین ماہ پہلے میں نے اسے دوبارہ دیکھا تھا، پھر صرف ایک بار ملی۔ یہ ملاقات چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی، آپ اچھی طرح جانتے ہیں عباس میری شکل بھی دیکھنے کا روادار نہیں ہے...... پھر بھی آپ اسے چھوڑنے کی شرط رکھ رہے ہیں۔ خدارا اپنی اٹھارہ سال کی تلخی اور کڑواہٹ کو ایک ملاقات سے مشروط نہ کریں۔"

"مسئلہ جانتی ہو ثروت! کیا ہے؟" دانیال حسن نے کہا۔

"تم نے کبھی مجھے دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ پچھلوں کی یاد تمہیں اتنا ستاتی رہی کہ میرے تین بچوں کی ماں بننے کے باوجود تم نے ان کی یادوں کو تازہ رکھا۔ کبھی فراموش ہی نہیں کیا انہیں۔ اماں ٹھیک کہتی تھیں۔ مطلقہ مطلقہ ہی ہوتی ہے۔"

دانیال حسن کا سرد بے رحم لہجہ۔

ثروت کا سارا وجود بھڑ بھڑ جلنے لگا۔

"آپ نے اور آپ کی اماں نے کبھی کچھ غلط کہا ہی نہیں۔" ثروت نے زہر خند لہجے میں کہا۔

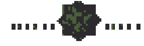
"آپ کے ساتھ گزارے ان اٹھارہ سالوں سے میں نے کچھ پایا یا نہیں، ایک سبق ضرور سیکھا ہے۔ کم ظرف کا احسان نہیں لینا چاہیے۔" یہ ڈائریکٹ حملہ تھا دانیال حسن بلبلا اٹھے۔

"اتنا غم ہے تو اب بھی کوئی فیصلہ کر لو۔ اپنے بچوں کے لیے میں کافی ہوں اور علیحدگی میں تمہیں دقت بھی نہ ہوگی۔ عادت جو ہوئی۔"

وانیال حسن نے تیر چلائے۔ لیمپ آف کیا اور لیٹ گئے۔

رات بھر بیٹھ کر تمہیں آنسو بہانے ہوں تو کمرے سے چلی جاؤ۔ میری نیند برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔''

ثروت نے بھری ہوئی آنکھوں سے اس پتھر کی پشت کو دیکھا۔ جس سے اٹھارہ سال سے سر پھوڑ رہی تھی پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔



''ماوی! اُٹھ جاؤ اب، کب تک سوتی رہوگی؟ میں بتا رہی ہوں۔ اب بھی نہیں جاگوگی تو تمہیں جگانے کے لیے چھٹا چکر نہیں لگاؤں گی اس کمرے کا۔''

ثمینہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا ان کا خیال تھا یہ دھمکی کارگر ثابت ہوگی مگر ماوی کے کمبل اوڑھے وجود میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوتے دیکھ کر ان کا غصہ اور جھنجلاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔

''میں کیا کہہ رہی ہوں، تمہیں سنائی نہیں دے رہا۔'' انہوں نے کمبل گھسیٹا۔ تب ماوی نے تکیے سے سر اُٹھا کر نیند سے بوجھل آنکھوں کی جھری سے انہیں دیکھا۔

''مجھے سنائی بھی دے رہا ہے اور دکھائی بھی دے رہا ہے، مگر آپ کو کیوں دکھائی نہیں دے رہا کہ میں ابھی سونا چاہتی ہوں؟'' اس نے بوجھل آواز میں احتجاج کیا تھا۔

''تم کب سونا نہیں چاہتیں، بارہ گھنٹوں کی نیند لے کر بھی اُٹھوگی تو تمہارے حواسوں پر نیند ہی سوار ہوگی۔'' ثمینہ نے کہا۔

''اچھا پلیز نا۔ پندرہ منٹ اور......'' اس نے جلدی سے آنکھیں بند کیں۔

''غضب خدا کا۔ لوگ صبح سویرے اُٹھ کر خدا، رسول ﷺ کا نام لیتے ہیں۔ ایک ہماری مہارانی ہے جو آنکھ کھلتے ہی پندرہ منٹ اور کی تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔''

''چلیں۔ اب ایک روز فجر نہ پڑھنے پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔'' وہ آنکھیں بند کیے بولی تھی۔

''فتویٰ نہیں لگاؤں گی۔ میں تو دعا کرتی ہوں، کوئی جادو کی چھڑی مل جائے مجھے، کم سے کم تمہاری اس نشیوں جیسی نیند سے تو پیچھا چھڑاؤں۔''

''کس قدر ظالم ماں ہیں آپ۔ لوگ اپنے بچوں کو پُرسکون نیند سوتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ شکر ہے ہمارے بچے پُرسکون میٹھی نیند سو رہے ہیں اور ایک آپ ہیں، میری گھڑی بھر کی نیند آپ کو صدیوں کے برابر لگتی ہے۔'' بند آنکھوں کے ساتھ اس کی زبان فرفر چل رہی تھی۔

''ہاں...... ہاں۔ اب کہہ دو ماں ظالم ہے، سنگ دل ہے، خوفناک ہے۔''

''ایکسکیوزمی جی! میں نے صرف ظالم کہا تھا، باقی خصوصیات آپ خود بیان کر رہی ہیں۔''

''بکومت۔ وہ مائیں کوئی اور ہوں گی جنہیں اولاد کا پوستیوں کی طرح سوئے رہنا اچھا لگتا ہوگا۔ میں ان ماؤں جیسی ناعاقبت اندیش نہیں

ہوں، الحمداللہ عقل وشعور ہے میرے پاس۔''

''اللہ......'' ہادی نے دایاں ہاتھ بے چارگی سے سر پر رکھا۔ ''اتنی مشکل اُردو...... میں نے کتنی بار کہا ہے آپ سے، ایسی اُردو نہ بولا کریں میرے ساتھ۔ سر پر سے گزر جاتی ہے۔''

''ہاں بھئی۔ تم انگلش ماں باپ کی بیٹی ہو۔ دادا، پردادا بھی انگلش اسپیکنگ ہی تھے۔ تمہیں کہاں اُردو سمجھ میں آئے گی۔'' ثمینہ نے جل کر کہا۔ ہادی زور سے ہنس دی۔

''آپ کو اپنی تعریفیں کرنے کا کتنا شوق ہے ممی! دادا، پردادا اور بابا کا تو پتا نہیں لیکن خود آپ کسی اینگل سے انگلش اسپیکنگ نہیں لگتیں۔''

''تعریف اس کی کی جاتی ہے جس میں کوئی خصوصیت ہو اور مجھ میں اتنی خصوصیات ہیں کہ تعریف سننا میرا حق بنتا ہے۔ تمہیں تو خیر کبھی میری تعریف کرنے کی توفیق نہیں ہوتی لیکن اگر تمہارے ابا زندہ ہوتے تو تمہیں پتا چلتا کہ وہ میری کتنی......''

''جی، جی۔ مجھے پتا ہے۔'' ہادی نے سرعت سے کہا۔ ''کہ ابا آپ کی بہت تعریفیں کیا کرتے تھے۔''

''جس طرح سگریٹ نوشی کی کثرت گردوں یا پھیپھڑوں پر حملہ کرتی ہے مجھے یقین ہے، دروغ گوئی کی کثرت نے ان کے دل پر حملہ کیا ہوگا اور وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے ہوں گے۔'' ثمینہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''زبان کس قدر چلنے لگی ہے تمہاری۔ یہ سب فیضی کا کیا دھرا ہے، اسی نے سر چڑھایا ہے تمہیں، لیکن یاد رکھو، یہاں فیضی نہیں ہے جو تمہاری ڈھال بنے۔''

''جانتی ہوں ماما! فیضی ماما یہاں نہیں ہیں اور میں ایک جلاد کے ساتھ رہنے آئی ہوں۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔ ''میری اس جلاد سے درخواست ہے، مجھے بس پندرہ منٹ اور سو لینے دے۔''

''ہرگز نہیں...... بس نکلو کمبل سے۔''

''پلیز ممی!......'' وہ بچوں کی طرح مچلی۔

''حد ہوگئی ہادی؟ ضد اور ہٹ دھرمی کی۔ اب مار کھاؤ گی مجھ سے۔''

''تو کون سی نئی بات ہوگی۔ آپ اپنا یہ ہنر بچپن سے ہی مجھ پہ آزماتی آرہی ہیں۔''

''جتنی دیر سے بحث کر رہی ہو، اتنی دیر میں قضا ہی سہی، نماز بھی پڑھ چکی ہوتیں۔''

''جب قضا ہی پڑھنی ہے تو کسی بھی وقت پڑھ لوں گی۔''

''ہادی! بہت ہوا۔ اب اُٹھ چکو۔ تمہیں پتا ہے، تمہیں بستر میں دیر تک دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''اوفوہ......'' ہادی جھنجلا کر بولی۔ ''میں سمجھ گئی یقیناً آپ ابا کو بھی سونے پر بار بار ٹوکتی ہوں گی، اسی غم سے بے چارے مستقل سو گئے تاکہ آپ دوبارہ انہیں جگا ہی نہ سکیں۔''

کہنے کے بعد احساس ہوا، کس قدر غلط بات منہ سے نکل چکی ہے تو زبان دانتوں تلے داب لی اور پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

ثمینہ کے چہرے پر تاریک سا سایہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''آئی ایم سوری ممی! میرا کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے جلدی سے شرمسار لہجے میں بولی۔

ثمینہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی پر پڑے بھاری پردے ہٹا دیے۔ ایک جھماکے سے تو خیز سورج کی تیز روشنی کمرے میں داخل ہو کر سارے میں بکھر گئی۔

''ممی! پلیز میری بات تو سنیں۔'' ماوی نے کہا۔ ثمینہ اسی خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ ماوی نے جھنجلا کر کمبل پر ہاتھ مارا، پھر گرنے کے انداز میں چت لیٹ گئی۔

اس کے ساتھ وقت یہ تھی کہ ایک بار آنکھ کھلنے کے بعد وہ دوبارہ سو نہیں پاتی تھی اور اس وقت تو غالباً دس یا گیارہ گھنٹوں کی بھرپور نیند لے کر بیدار ہوئی تھی، سو دوبارہ سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس پر ممی کی دل آزاری کا خیال اس قدر شدید تھا کہ بس......

اصل بات یہ تھی کہ ان دونوں میں ماں بیٹی سے زیادہ بہنوں جیسی بے تکلفی تھی۔ کسی نہ کسی معاملے پر نوک جھونک چلتی ہی رہتی تھی۔ بہت بچپن میں ہی اسے ممی کی زندگی میں موجود خلا کا احساس ہو گیا تھا۔ ابا کی کمی پوری کرنا تو خیر اس کے لیے ممکن نہ تھا لیکن ان کی تنہائی دور کرنے کا طریقہ اس نے یہ نکالا کہ ممی سے اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی شیئر کرنے لگی۔ عام سی بات پر بھی ان کی رائے لیتی۔ مشورے مانگتی۔ انہیں بولنے پر اُکساتی۔ بچپن کی شعوری کوششیں اب عادت بن چکی تھیں۔ ممی کی خاموشی کا حصار ٹوٹ چکا تھا لیکن عادت پختہ ہو چکی تھی، اسکول اور اس کے بعد کالج سے واپس آ کر وہ ہر اہم اور غیر اہم بات بھی انہیں بتاتی تھی۔ وہ دونوں بہنیں بھی تھیں، سہیلیاں بھی۔ اسی نوک جھونک کے درمیان وہ جھگڑ بھی لیتی تھی، پھر من بھی جاتیں لیکن اس سارے معمول کے دوران وہ ادب و احترام کو کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیتی تھی اور ممی کی دل آزاری کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا، کجا کہ ان کی خفگی مول لینا۔ لیکن اس وقت ایک بہت ہی غیر مناسب بات نہایت بھونڈے انداز میں اس کے لبوں سے نکل کر ممی کے دل کو زخم لگا چکی تھی، جس کا اسے بے حد پچھتاوا محسوس ہو رہا تھا۔

''میں ممی سے ایکسکیوز کر لیتی ہوں۔'' اس نے پُرسوچ انداز میں کھڑکی کی جانب دیکھا، مشرق کے رُخ پر بنی ہوئی کھڑکی کے شیشے سے سنہری کرنیں اور آخیر اکتوبر کا تپش سے عاری سورج آسمان پر ابھرتا دکھائی دے رہا تھا۔

''گویا ممی کبھی مجھے جگانا بھول بھی گئیں تو یہ سورج میری نیند برباد کرتا رہے گا۔'' اس نے منہ بنا کر سوچا پھر کمبل ہٹا کر اُٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد باہر آئی۔ موبائل اُٹھا کر ٹائم چیک کیا، پھر شال لپیٹ کر باہر آ گئی۔ کمبل میں سے نکلنے کی بنا پر ہلکی سی خنکی محسوس ہو رہی تھی، ورنہ درجہ حرارت نارمل تھا۔

ثمینہ صوفے پر بیٹھی موبائل کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھیں، اسے دیکھ کر رُخ پھیر لیا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھی اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''سوری ممی......'' آواز دبا کر بولی۔

ثمینہ چونکہ موبائل کان سے لگائے ہوئے تھیں، اس لیے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ انہوں نے ہاتھ سے اسے نرمی سے اسے ہٹانا چاہا وہ اوران کی گود میں گھس گئی۔

''جب تک معاف نہیں کریں گی، اسی طرح لیٹی رہوں گی اور بات بھی نہیں کرنے دوں گی۔'' اس نے ضدی بچے کی طرح مچل کر دھمکایا۔ ثمینہ جھنجلا کر بولیں۔

''جی ہاں.....ہوگئی تمہاری لاڈو کی صبح......لو میری مجال ہے کہ کچھ کہوں۔ تم نے ہی سر چڑھا رکھا ہے۔ آپا! یہ نہ کہیں۔ یوں نہ ڈانٹیں یہ اسی بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے کہ یہ من مانی کرنے لگی ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں ہم سب مجبور نہ کرتے تو میں کبھی اسے پاکستان آنے کی اجازت نہ دیتی۔''

اندازہ ہوگیا تھا دوسری طرف فیض ماما ہیں۔ مادی منہ موبائل کے قریب لا کر بولی۔

''پلیز ماما! اپنی بہن سے میری سفارش کریں۔ صبح صبح مجھ سے ناراض ہوگئی ہیں اور اس وقت غصے میں بالکل ''کالی ماتا'' لگ رہی ہیں۔''

ثمینہ نے جھنجلا کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

''میرے کان کا پردہ کیوں پھاڑ رہی ہو۔ لو خود بات کرلو۔''

انہوں نے موبائل اسے پکڑا دیا اور خود اٹھنے لگیں لیکن گود میں تو مادی سر رکھے لیٹی تھی، اٹھنے ہی نہیں دیا۔

''السلام علیکم ماموں جان!'' وہ چہکی۔

''وعلیکم السلام ماموں کی جان۔ بیٹے! تمہیں تمہاری ماں آج کالی ماتا لگ رہی ہے، مجھے تو بچپن سے لگتی ہے۔ لڑائی کرتے ہوئے تو اس کے چار ہاتھ اور ایک لمبی سی سرخ زبان بھی نکل آتی تھی۔''

فیضان ماما کا بھی الگ ہی مزاج تھا اور ماموں بھانجی میں خوب بنتی تھی۔

''توبہ ہے ماما! آپ میری ممی کی کتنی خوفناک تصویر بنا رہے ہیں، حالانکہ میری ممی دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہیں۔''

پھر موبائل کان سے لگائے لگائے ثمینہ سے مخاطب ہوئی۔

''دیکھیں ممی! میں آپ کی کتنی تعریف کررہی ہوں، اب تو اپنا موڈ ٹھیک کرلیں اور یہ آپ کے بھائی صاحب کس قدر غلط تصویر بنا رہے ہیں آپ کی۔''

''تمہاری ماں تم سے بالکل صحیح عاجز ہے مادی! کس قدر فسادی لڑکی ہو تم۔''

فیضی ماما کی بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔ ممی اسے دھکیل کر بیڈروم میں چلی گئیں۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی، گویا خفگی ختم۔ سفارتی تعلقات بحال۔ مادی کے دل کی گہرائیوں میں سکون واطمینان سرایت کر گیا۔

''ممی کہتی ہیں، میں بالکل آپ پر ہوں۔'' سر کے نیچے کشن سیٹ کرتے ہوئے اس نے اپنا مورچہ سنبھالا۔

''آپا نے تو مبالغہ آرائی کی حد کردی۔ کہاں مجھ سا پُر امن پسند، صلح جو انسان اور کہاں تمہارے جیسی جھگڑالو، بھا چا کٹنی لڑکی، یہ تو وہی بات ہوئی کہ مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ ہاں شکل کے معاملے میں آپا کی بات پر کچھ اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ بہرحال تھوڑی سی خوش شکل تم بھی ہو......'' بڑے پُرسوچ انداز میں فرمایا جا رہا تھا۔ ماوی سلگ گئی۔

''آہا...... ہا! میں تھوڑی سی خوش شکل ہوں اور جناب خود کو کیا سمجھتے ہیں۔ ٹام کروز کا چھوٹا بھائی؟''

''نہیں، ٹام کروز کا بڑا بھائی۔'' فیضان نے سرعت سے کہا پھر ان دونوں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''باقی سب کیسے ہیں؟ بڑے ماموں جان اور ممانی؟''

''ٹھیک ہی ہوں گے۔'' فیضان نے کہا پھر خود ہی وضاحت کرنے لگا ''میرا مطلب ہے۔ ٹھیک ہیں یقیناً خیریت سے...... دراصل میں دو روز سے ان کی طرف جا نہیں سکا۔ تمہیں اور آپا کو سی آف کرنے ائیرپورٹ آیا تھا تب ہی ملاقات ہوئی تھی۔''

''ایک تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی اگر آپ کو الگ اپارٹمنٹ میں ہی رہنا تھا تو ہم سب کو وہیں سے آئی لینڈ بلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم تو وہاں بھی اچھے خاصے رہ رہے تھے۔''

''اب دیکھو ماوی! تم خود اپنی نا سمجھی کا اعتراف کر رہی ہو، پھر میں کہوں گا تو جھگڑو گی۔'' فیض اس کی کمینچائی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

''تنہائی میں آٹھ سال گزارنا معمولی بات نہیں ہے۔ یہ آٹھ سال میں نے اپنے بزنس کو دیے۔ میرا خیال تھا تم سب لوگ آ جاؤ گے تو میری تنہائی دور ہو جائے گی لیکن جب تم لوگ یہاں آئے تو مجھے احساس ہوا میری کاروباری مصروفیات سب کو ڈسٹرب کرنے کا سبب بن سکتی ہیں، اس لیے میں نے اپنے لیے الگ اپارٹمنٹ کا بندوبست کرلیا۔''

''ممی ٹھیک کہتی ہیں، آپ کو اب شادی کر لینا چاہیے۔ ساری تنہائی دور ہو جائے گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا، پھر اسی ٹون میں لوٹتے ہوئے بولی۔

''ویسے تو آپ جیسے بڈھے سے شادی کرنے کے لیے کوئی ایسی لڑکی ہی تیار ہو سکتی ہے، جو عقل سے تھوڑی پیدل ہو مگر ماما! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں آپ کی پیاری بھانجی اس دُرِ نایاب کو ڈھونڈ نکالوں گی۔''

''میری فکر میں میری پیاری بھانجی کو دبلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے ''دُرِ نایاب'' کے نام پر تم اپنی کسی اونگی بونگی سہیلی کو لے آؤ گی اور اگر مجھے کسی اسٹوپڈ سی یونیورسٹی گرل سے ہی شادی کرنا ہوتی تو بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ اس لیے تم اپنے مشورے اور ہمدردیاں سنبھال کر رکھو۔ میں اپنا دُرِ نایاب خود ڈھونڈ لوں گا۔'' فیضان نے رکھائی سے کہا تو ماوی بولی۔

''نہیں تو نہ سہی...... اور یہ بھی بھول جائیں کہ میری کوئی سہیلی آپ سے شادی پر راضی ہو گی۔ وہ سب آپ کو اولڈ مین کہہ کر بلاتی ہیں۔''

''ڈونٹ ٹیل می۔'' فیضان نے فکرمندی سے کہا۔

''یار شہروز! ذرا میری طرف غور سے دیکھو اور بتاؤ، کیا میں اتنا ایجڈ لگنے لگا ہوں کہ یونیورسٹی کی لڑکیاں مجھے اولڈ مین کہیں؟'' اگر ماوی سنجیدہ نہیں تھی تو فیضان بھی نہیں تھا۔

''یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے۔'' عقب میں ابھرتی شہروز کی آواز وہ لاکھوں میں نہیں تو سینکڑوں میں تو پہچان ہی سکتی تھی۔

''شہروز آپ کی طرف آیا ہوا ہے۔'' وہ صوفے پر اٹھ بیٹھی۔

''پچھلے دو ہفتوں سے یہیں ہے اور اس دوران اس نے مجھے تیرہ المیہ گیت سنائے ہیں۔ میرے کانوں کے پردے تو متاثر ہوئے ہیں، سو ہوئے ہیں۔ تمہاری جدائی میں یہ اتنا دبلا ہو چکا ہے کہ مجھے باقاعدہ مائیکروسکوپ سے اسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔''

''لاحول ولا...... شہروز ہے یا جراثیم۔'' ماوی نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

''تم آ کر شکل دیکھو اس کی۔ پھر پتا نہیں کیا آئیڈیا دینا۔ میں تو خود سمجھ نہیں پا رہا۔'' وہ سیریس تھی تو فیضان ماما سوا سیر۔ ہنس کر بولا۔

''چلیں...... آپ اسے دبلا ہو لینے دیں۔ میری موجودگی میں نہیں تو شاید غیر موجودگی میں اسے میری اہمیت کا احساس ہو جائے۔''

''نئی خبر ہے۔ میں سمجھتا تھا اہمیت کا احساس ہوئے بنا محبت کرنا ناممکن ہے۔'' شہروز کی سنجیدہ سی آواز ماوی کے لبوں پر مسرور کن سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''فیض ماما کو فون دو۔ مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''میں دو ہفتے وہاں میں رہی۔ تمہیں اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ ایک کال ہی کر لو۔ دعویٰ محبت کا ہے۔''

''یار! اس ہاؤس جاب نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اتنا ٹف شیڈول ہے کہ میں اکتا چکا ہوں۔ بار بار سوچتا ہوں، میڈیسن کی فیلڈ میں آنے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ بائے گاڈ! ان چند مہینوں میں دماغ پلپلا ہو چکا ہے۔''

''اب ہاؤس جاب کو کچھ نہ کہو۔ تمہارا دماغ پہلے ہی پلپلا تھا۔'' وہ جل کر بولی۔

''تعجب ہے، اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور انگیج منٹ رنگ بھی پہن رکھی ہے۔ بھئی۔ میں تمہارے حوصلے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔''

''وہ کیا کہتے ہیں......'' اس نے دانستہ توقف کیا پھر مزے سے بولی۔ ''محبت اندھی ہوتی ہے۔''

''اندھی ہوتی ہے بہری تو نہیں نا؟ فیض نے بالکل ٹھیک کہا ہے لیکن اس کی کیلکولیشن غلط ہے۔ تمہاری جدائی میں میں نے تیرہ نہیں چودہ المیہ گیت اسے سنائے ہیں۔ تم ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔ ایک گیت میں تمہیں بھی سنانے لگا ہوں۔''

''نہیں شہروز! پلیز......'' ماوی نے سراسیمگی سے کہا۔ ''تم سے میری محبت اپنی جگہ لیکن اس محبت کی خاطر میں اپنے کانوں پر ظلم نہیں کر سکتی۔''

''شہروز کھسیانا ہو کر ہنس دیا۔

"کیسی منگیتر ہو یار تم...... ایک گانا نہیں سن سکتیں؟"

"منگنی کی اتنی بڑی سزا تو تمہیں ملنا چاہیے۔" ماوی نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

"شادی کے بعد میں ہر روز تمہیں ایک گانا سناؤں گا۔" اس نے دھمکایا۔

"اچھا ہوا، تم نے خبردار کر دیا۔ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لیے اب میرے پاس کافی وقت ہوگا۔" وہ ہنس دی۔

"جتنی مرضی اپنے فیصلے پر نظریں ڈالو مگر یہ بات یاد رکھنا، اس دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی تم کو محبت نہیں دے سکتا۔"

اس کا لہجہ اتنا پر یقین تھا جتنا پر یقین ماوی کا دل تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" ماوی نے جذب سے کہا تھا۔

☆☆☆

ماوی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

بے حد خوب صورت، چمک دار اور روشن صبح اسے خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ درختوں کے پتوں میں چڑیاں دلکش آواز میں چہچہا رہی تھیں۔ اس نے واپس اندر جانے کا ارادہ ترک کیا اور دروازے سے کچھ قدم آگے برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر وہاں کا جائزہ لینے لگی۔

انیکسی پینٹ ہاؤسز کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ اس کی چھت متوازی تھی اور تین اطراف میں اخروٹ کی لکڑی کی دیدہ زیب گرل لگی ہوئی تھی جس سے سامنے کا حصہ برآمدے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایک طرف دو کرسیاں اور چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ دوسری طرف کین کا جھولا لٹک رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے دونوں جانب آرائشی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ انیکسی کے لیے ایک چھوٹا اور خوب صورت سا گیٹ اور پورچ بھی بنایا گیا تھا۔ دائیں طرف گھاس کا چھوٹا سا قطعہ تھا جسے سینٹرل لان سے الگ کرنے کے لیے درمیان میں باڑھ لگائی گئی تھی۔ اس قطعے کے کونے میں چھوٹے قد کا ایک درخت جس پر سفید اور زرد پھولوں کے گچھے لٹک رہے تھے اور اس کے نیچے اخروٹ کی لکڑی کا دلکش سا بینچ نصب تھا۔

ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا ذہن آئرلینڈ والے اپارٹمنٹ کی طرف مڑ گیا۔ اسے وہ سڑک یاد آنے لگی جو مکان کے سامنے پرسکون ندی کی طرح بہتی تھی اور جس پر گرے ہوئے شاہ بلوط کے پتوں کو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ اور شہروز، اپنے پیروں سے دور تک روندتے تھے۔

شہروز اسے بڑی جانفشانی سے اپنے کالج کے قصے سناتا۔ وہ دیر تک سنتی، پھر اکتا جاتی۔

"دل، گردے، پھیپھڑے، دس ہزار تو بچے شہروز! میں ڈاکٹر نہیں بن رہی مگر تمہاری باتیں سن کر آدھی ڈاکٹر تو بن ہی چکی ہوں۔ تمہارے پاس کوئی اور ٹاپک نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کے لیے؟" وہ سر پکڑ کر کہتی۔

"اتنی جلدی مت اکتاؤ۔ ہمیں پوری زندگی ساتھ رہنا ہے، ان شاء اللہ پوری ڈاکٹر بنا دوں گا۔" وہ متانت سے کہتا۔

"جی نہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ میں مسز ڈاکٹر بن کر ہی خوش ہو لوں گی۔ تم پلیز، اس وقت کوئی اور بات کرو۔"

مگر شہروز کبھی کوئی اور بات نہ کرتا، وہ صرف اپنی بات کرتا، ماوی سن سن کر تھک جاتی مگر پھر بھی سنتی رہتی کیونکہ وہ کوئی دیو قسم کی یا روایتی مشرقی

ذہنیت کی لڑکی نہیں تھی جو اپنی زندگی میں آنے والے واحد مرد سے دب کر یا مرعوب ہو کر رہتا زندگی کا نصب العین سمجھتی ہو۔ بلکہ وہ بے حد پُر اعتماد، بولڈ، نڈر، کیریر اور رینلڈ تھی۔ زندگی کے کسی بھی معاملے میں اس کی بہت سیدھی اور مثبت رائے ہوتی تھی جس پر اختلاف وہ کم ہی برداشت کرتی تھی۔

اسے جہاں جو رائے دینا ہوتی تھی، وہ بنا کسی جھجک اور خوف کے دے دیتی تھی۔ ڈرنا یا خوف زدہ ہونا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

اسے جو کہنا ہوتا تھا، کسی کی خفگی کی پروا کیے بغیر کہہ دیتی تھی لیکن شہروز کا معاملہ مختلف تھا۔ بات دل کی اور دل کے تعلق کی ہو تو بہت سے معاملات "مختلف" ہو جاتے ہیں۔ شہروز سے تعلق داری میں تو کئی گلے شکوے بھلائے جا سکتے تھے۔

نہ تو اس نے اور نہ ہی کبھی شہروز نے اس سے کوئی لمبا چوڑا اظہار عشق کیا تھا۔ بس انگیج منٹ سے پہلے ہی وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ دراصل اکیسویں صدی کے ان عملی سوچ والے نوجوانوں کے لیے عشق ضروری تھا کہ دل کی بھی ضروریات ہوتی ہیں جب کہ اظہار عشق صرف وقت کا زیاں ہے۔

لیکن ان دنوں اسے کچھ باتیں بہت انوکھی، بہت اچھی لگتی تھیں۔ یوں جیسے سر راہ چلتے چلتے انسان کی نگاہ کسی چیز پر پڑتی ہے اور لاشعوری طور پر وہ ٹھٹک کر رک جاتا ہے اور بے اختیار سوچتا ہے۔

"ارے یہی تو ہے وہ۔ جس کی مجھے اتنے عرصے سے تلاش تھی۔" تو اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا شہروز کے چند چھوٹے اور معنوی جملوں نے اسے تصویر کے ایک الگ رُخ سے روشناس کروا دیا تھا اور اس کے شہر دل میں سرشاری کی معطر ہوائیں چلنے لگی تھیں۔

جیسے اس نے ابھی فون پر بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

"مجھے اندازہ ہوتا، میں تمہیں اتنا مس کروں گا تو ثمینہ پھپھو سے کبھی تمہیں پاکستان بھجوانے کے لیے اصرار نہیں کرتا۔"

وہ ہنس دی اور اسے چڑانے کے لیے بولی تھی۔

"بہت خوب! یعنی تمہیں اندازہ ہو جاتا تو تم میری خواہش کی بھی پروا نہیں کرتے؟"

"ہاں...... میں نہ کرتا۔" شہروز نے ترنت کہا تھا۔

"سچ تو یہ تھا کہ شہروز نے ہادی کو اپنی پڑھائی کے سلسلے میں پاکستان بھجوانے کے سلسلے میں ثمینہ سے صرف اصرار ہی نہیں کیا تھا بلکہ انہیں راضی کرنے والا بھی وہی تھا۔ گو کہ تمام ووٹ ہادی کے حق میں تھے۔ بڑے ماموں جان، ممانی جان، فیضی ماما وقتاً فوقتاً ممی کو منانے کی کوشش کرتے رہے تھے مگر ممی کی "نہ" ہاں میں نہ بدلتی تھی۔

"لوگ پڑھائی کے لیے مغربی ممالک کا رُخ کر رہے ہیں۔ اسے پاکستان جانے کا شوق چڑھا ہے۔" وہ ہر بار یہی کہتیں اور ہادی دل مسوس کر رہ جاتی مگر ہر بار اپنے عزم کا اظہار ضرور کرتی۔

"آپ دیکھ لیجیے گا ممی! میں پاکستان ضرور جاؤں گی اور اُس انسٹی ٹیوٹ میں پڑھوں گی جہاں سے بابا جان نے پڑھا تھا۔"

اس ادارے سے تعلیم حاصل کرنا، اس کے بابا جان نے تعلیم حاصل کی تھی، اس کا دیرینہ خواب تھا۔ یہ خواب اس کی عمر کے ساتھ پروان

چڑھا تھا۔ سات سال کی تھی جب بابا جان کا انتقال ہوا گو کہ کسی بات کو یاد رکھنے کے لیے یہ بہت چھوٹی عمر ہے مگر بابا جان کی کئی باتیں اسے یاد رہ گئی تھیں جن میں سے ایک ان کا درس گاہ کا نام تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور، یہ وہ نام تھا جو پھر کبھی اس کے ذہن سے نہیں نکل سکا۔ ایک عجیب سی کشش، عجیب سا فسوں اسے اس نام میں محسوس ہوتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان کاریڈورز کو دیکھے جہاں اس کے بابا جان چلے ہوں گے۔ ان آڈیٹوریم میں جا کر بیٹھے جہاں کبھی اس کے بابا کی آواز گونجی ہوگی۔ اس لائبریری کو دیکھے جہاں بیٹھ کر بابا جان خاموشی سے کتابیں پڑھتے ہوں گے۔ رفتہ رفتہ یہ خواب، اس کی زندگی کا حصہ بن گیا۔

اسے خوب اچھی طرح یاد تھا جب پہلی بار انٹرنیٹ پر اس نے جی سی کی مرکزی عمارت کی تصویر دیکھی تھی تو دم بخود ہو کر تصویر دیکھتی رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے سرخ اینٹوں سے بنے مینار اسے اپنی طرف بلا رہے ہوں۔

تب پہلی بار اس نے ممی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان جا کر پڑھنا چاہتی ہے۔ اس وقت وہ فقط میں اے لیولز کر رہی تھی اور اس کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں بہت وقت تھا۔

ممی نے اس کی بات سن کر سنجیدگی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

''تمہارے بابا جان زندہ ہوتے تو مجھے تمہاری کسی خواہش پر اعتراض نہیں ہوتا تھا لیکن اب معاملہ دوسرا ہے۔ میں فیض پر اور بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔ مجھے پتا ہے، اسے پتا چلا تو وہ بخوشی تمہیں پاکستان بھجوا دے گا لیکن اس صورت میں اخراجات کا جو اضافی بوجھ اس پر آن پڑے گا، وہ مجھے منظور نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم اپنی خواہش کو یہیں ترک کر دو۔''

مادی بے چاری کے جوش و خروش پر گھڑوں پانی گر گیا اور خواہش جلتے ہوئے چھالے کی طرح ٹیس دینے لگی۔

اس نے کئی سال بڑے ذوق و شوق سے کالج کی عمارت کی تصویر اپنے کمپیوٹر کے ڈیسک ٹاپ پر لگائے رکھی۔ پھر پتا نہیں کیسے اس کی خواہش گھر کے ایک ایک فرد تک پہنچ گئی، تب فیض ماموں، ممی سے خفا ہو گئے۔

''تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں مادی کی اتنی سی خواہش پوری نہیں کروں گا، کیا آج تک میں نے اسے شہروز اور شمرا سے کم سمجھا ہے۔ اگر شہروز کو پڑھنے کے لیے پاکستان بھجوا سکتا ہوں تو کیا مادی کو نہیں بھجوا سکتا؟'' پھر ممی کے کچھ بھی بولنے کی گنجائش نہ رہی۔ شہروز ان دنوں علامہ اقبال میڈیکل کالج کے فرسٹ ایئر میں تھا۔ مادی کے انڈین ہائی اسکول سے فارغ ہوتے ہی اس نے معلومات اکٹھی کرنا شروع کر دیں اور ایک روز فون کر کے مادی کے خوب لتے لیے۔

''یو ایڈیٹ! پتا نہیں کتنے سالوں سے خواب پال کر بیٹھی ہوئی ہو، اتنی توفیق نہ ہوئی کہ خواب دیکھنے سے پہلے ساری معلومات ہی لے لو۔ جی سی بوائز کالج ہے گرلز نہیں۔ اب ایک آپ محترمہ کے شوق کی خاطر وہاں گرلز کے لیے کلاسز شروع نہیں کروائی جاسکتیں۔''

اس وقت تک یہ لوگ فیض ماما کے اصرار پر آئرلینڈ آ چکے تھے۔ شہروز سے اتنی سخت سست سن کر مادی نے اگلے ہی روز رائل یونیورسٹی کے اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں آنرز کی ڈگری لینے کے لیے ایڈمیشن لے لیا اور ممی نے بیاختہ دل سکون کا سانس لیا۔

ماری کے دل کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی مگر وہ مایوس پھر بھی نہ ہوئی بس اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ پاکستان جانے کے راستے میں اس کے سامنے ایک اور رکاوٹ آگئی ہے۔

اصل معاملہ یہ تھا کہ وہ ممی سے اپنے دل کی بات شیئر نہیں کر سکی تھی کہ اس کے لیے کشش کا اصل مرکز جی سی سے زیادہ پاکستان رہا تھا، شاید لاشعوری طور پر وہ پاکستان جانے کے لیے کالج اور تعلیم کا نام لے رہی تھی۔ اگلے چار سال کے دوران وہ اپنا تجزیہ کرتی رہی کہ اصل میں وہ چاہتی کیا ہے۔

''گورنمنٹ کالج لاہور سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا یا محض پاکستان جانا؟'' لیکن کوئی سراغ اس کے ہاتھ نہ لگا۔

یونیورسٹی کے آخری سال میں جب تھیسز کرنے کا وقت آیا تو ماری کو اپنی خواہش پوری ہونے کا ایک امکان نظر آنے لگا۔ کلاس کے ہر اسٹوڈنٹ کو تھیسز کے لیے گروپس میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر گروپ کو الگ ٹاپک الاٹ ہوا تھا، ماری کے گروپ کا ٹاپک۔۔

Alleviation of poverly in developing countries

(ترقی پذیر ممالک میں غربت کی تخفیف) تھا اپنا ٹاپک سنتے ہی ماری کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور اس نے جھوٹ اور سچ پرمبنی کہانی سنا دی تھی۔

''پاکستان میں رہ کر میرے لیے اپنے ٹاپک پر ریسرچ ورک کمپلیٹ کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مجھے پاکستان کے علاوہ ایشیاء کے دیگر ترقی پذیر ممالک جن میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے، ان کے بارے میں ایگزیکٹ Facts and Figures (اعداد و شمار) اکٹھے کرنے میں سہولت مل جائے گی۔ کسی اور ملک میں جانا ممکن ہوتا تو وہاں چلی جاتی، پاکستان جانے کی بات نہ کرتی۔ پلیز ممی! کیا آپ نہیں چاہتیں کہ میرا تھیسز اچھا ہو اور مجھے Distinction ملے۔ میری پیاری ممی! پرمیشن دے دیں نا! جینٹ اور وین ہان تو مجھ پر بھروسا کر کے بالکل ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔'' اس نے اپنے گروپ ممبرز اور فرینڈز کے نام لیتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔'' ممی نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''مجھے اچھی طرح خبر ہے، یہ تھیسز کا تو ذرا بہانہ ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں اس گھر سے زیادہ باہر نہیں نکلتی تو مجھے دنیا کی خبر نہیں ہے۔ آخر باقی کلاس فیلوز بھی تو کتابیں کھنگال کر اور انٹرنیٹ سے معلومات اکٹھی کریں گے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس جینٹ اور کاڑیوں والے (وین ہان کا تعلق جاپان سے تھا اور ممی اس کے نام کے پیش نظر رکھتے ہوئے کاڑیوں والا کہتی تھیں) سے کہو کہ اپنا پن چھوڑیں اور کام کریں۔''

''واقعی ممی! آپ تو چالاکی اور ہوشیاری میں بھی میری ممی ہیں۔'' وہ کھسیانی ہنسی ہنس دی تھی۔

لیکن پھر شیروز نے ہی پتا نہیں کون سی گیڈر سنگھی سنگھا کر ممی کو قائل کر لیا تھا۔ ماری کا بس نہ چلتا تھا، اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے پر ناچنا ہی شروع کر دے۔

ممی راضی ہونے کے باوجود خفا خفا پھرتی رہیں۔ یہ خفگی ان کی ناپسندیدگی کا واضح اظہار تھی۔

''میں نے تمہاری بات مان لی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں من مانی کرنے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ تم اکیلی پاکستان نہیں جاؤ گی، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی اور تین یا چار ماہ...... جتنا بھی عرصہ تمہیں ریسرچ ورک میں لگے گا میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ صرف اسی شرط پر

میں راضی ہوگئی ہوں۔"

ماوی کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن اپنے آئندہ ارادوں سے اس نے ممی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ صرف فیض ماما اور شہروز اس کے ہم راز تھے۔

اس نے اسی وقت وین اور جینٹ کو کانفرنس کال ملا کر خوش خبری سنائی تھی۔

"میں اپنے بہترین تھیسز کے لیے فنگرز کراس کر چکی ہوں۔" جینٹ نے مبارک دیتے ہوئے کہا تھا اور وین نے کہا تھا۔

"تم بہت لکی ہو ماوی، کیونکہ تمہیں اتنی کوآپریٹو اور ہیلپ فل ممی ملی ہیں۔"

☆☆☆

ایک گلہری اس کے پیر سے ٹکرا کر گزری تھی۔

ماوی کی گہری سوچوں کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ گلہری تیزی سے درخت پر چڑھ کر دیوار کی دوسری طرف غائب ہو چکی تھی اور سورج دیوار سے تین، چار فٹ اوپر دکھائی دے رہا تھا۔

ماوی گہری سانس بھرتی گھٹنوں پر ہاتھوں کا بوجھ ڈالتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کی طرف پلٹ رہی تھی کہ اینیا لوگوں کے لان میں نظر چلی گئی۔ گیٹ کے قریب روش سے چند قدم ادھر گھاس کے قطعے پر نصب ماربل کے بینچ پر ایک باوقار سی خاتون بیٹھی دکھائی دے رہی تھیں۔ کاہی مائل سبز رنگ کی شلوار قمیص، آف وائٹ گرم شال اوڑھے وہ ماحول کا بڑا دل کش حصہ معلوم ہو رہی تھیں۔ نقوش میں اینیا کی جھلک اس قدر واضح تھی کہ اسے اینیا سے ان کا رشتہ سمجھنے میں ذرا سی بھی دقت نہ ہوئی۔

جس وقت ماوی نے انہیں دیکھا، وہ بھی اِدھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ ماوی نے چاہا ہاتھ ہلا کر انہیں وش ہی کر دے۔ خیر سگالی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے اس نے ابھی ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ وہ خاتون اُٹھیں اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اندر چلی گئیں۔

ماوی کو بری طرح خفت محسوس ہوئی۔

"بھئی۔ یہ تو سخت روڈ ہیں، اینیا جیسی خوش اخلاق لڑکی کی ممی تو نہیں ہو سکتیں۔" اس نے سوچا۔

سوئے اتفاق اینیا کی نظر بھی اس پر اسی وقت پڑی جب وہ خاتون کے سمجھ میں نہ آسکنے والے رویے پر غور کرتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"ہیلو..... گڈ مارننگ۔"

اس نے وہیں سے پکار کر کہا۔ ماوی اسے دیکھ کر مسکرا دی اور اس کی طرف آ گئی۔ درمیان میں مہندی کی باڑھ حائل تھی، وہ وہیں رُک گئیں۔ اینیا ایپرن باندھے چھوٹی سی کھرپی کے ساتھ تن دہی سے کیاری کی تلائی کر رہی تھی۔ دائیں ہاتھ میں بیجوں کی دو تھیلیاں اور پانی کا برتن رکھا تھا۔

"بہت جلدی اُٹھ گئیں۔ میرا خیال تھا، وہ پہر تک سوگی تم۔" اینیا نے بے تکلفی کی دیوار گراتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کل شام میں ہی سو گئی تھی میں، پھر اور کتنا سوتی، دیر تک سونے کی عادت بھی نہیں ہے مجھے۔" ماوی نے کہا۔

"ممی نے بچپن سے ہی مجھے صبح جلدی اُٹھنے کی عادت ڈال رکھی ہے۔ تم یقین کرو، میں دُنیا کے کسی بھی خطے میں چلی جاؤں اور چند گھنٹے

پہلے ہی کیوں نہ سوئی ہوں۔ فجر کی نماز کے لیے میری آنکھ خود بخود کھل جاتی ہے اور کبھی نہ کھل سکے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے جیتا جاگتا الارم کلاک دے رکھا ہے۔ میری ممی کی شکل میں۔" اس نے خوش دلی سے بتایا۔ ایچا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آج صبح صبح گارڈننگ ہو رہی ہے۔" مادی نے کہا۔

صرف آج نہیں میری ہر روز کی روٹین یہی ہے، نماز پڑھ کر لان میں آجاتی ہوں اور کالج جانے تک اپنے پودوں سے باتیں کرتی ہوں۔" اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔

مادی جواب میں مسکرائی۔

"لگتا ہے تمہیں گارڈننگ کا بہت شوق ہے۔"

"شوق۔" بیجوں کی تھیلی ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے پل بھر کو سوچا تھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں یار! اسے شوق نہ کہو۔ شوق دراصل بہت محدود لفظ ہے۔ یہ لان دیکھ رہی ہو۔ اس کے بیشتر پودے میں نے لگائے ہیں، تمہیں پتا ہے مادی! ان پیڑ، پودوں کو اپنے سامنے بڑا ہوتے دیکھ کر مجھے کتنی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ایک انٹرسٹنگ بات بتاتی ہوں جب بھی میرا موڈ خراب ہوتا ہے تو میں لان میں آکر اپنے پودوں سے باتیں کرنے لگتی ہوں اور یقین کرو، دس منٹ کے اندر میرا موڈ ٹھیک ہو جاتا ہے، مجھے پتا ہے، تمہیں میری باتیں فنی لگ رہی ہوں گی۔ میرے بھائیوں کو بھی لگتی ہیں لیکن میں کیا کروں، مجھے یقین ہے، یہ پودے بول اور سن سکتے ہیں۔"

ایک چھوٹے سے بچے کی معصومیت کے ساتھ وہ بتا رہی تھی اور جیسے خود بھی محظوظ ہو رہی تھی۔

"نہیں یار! مجھے تمہاری باتیں فنی لگتیں، بشرطیکہ میں نے آج پہلی بار سنی ہوتیں۔" مادی نے کہا۔ "مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے سامنے فیضان ماما بول رہے ہوں، فیضی ماما، یو نو! میری ممی کے بھائی ہیں۔ ان کا بھی کریز ہے گارڈننگ...... بٹ تو بی ویری آنسٹ (گستاخی معاف) تمہارا لان فیض ماما کے لان کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے تو زمانے بھر کے پودے اکٹھے کر رکھے ہیں۔ پودوں کے ایسے ایسے نام اور کوالٹیز بتاتے ہیں جو مجھے تو آج تک سمجھ میں نہیں آسکیں۔ تم نے تو صرف اپنے پودوں کے بولنے اور سننے کا ذکر کیا ہے۔ فیض ماما تو اپنے پودوں کو چاند سورج تک سے ملا دیتے ہیں۔ ایسی ایسی تشبیہات اور استعارے انہوں نے اپنے پودوں کے لیے اکٹھے کر رکھے ہیں کہ کیا کوئی شاعر اپنی گرل فرینڈ کے لیے جمع کرتا ہوگا۔ باقاعدہ شاعری کرتے ہیں اپنے پودوں کے لیے۔ جو ان کے علاوہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ پاکستان آئیں گے تو ملواؤں گی تمہیں۔"

ایچا کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ ایک تو ماموں کی خصوصیات، دوسرے مادی کا انداز بیان اتنا دلچسپ تھا کہ بس۔

"او شیور...... میں تو خود اتنے دلچسپ ماموں سے ملنا چاہوں گی۔"

"انہیں بھی تم سے مل کر خوشی ہوگی۔ جانتی ہو، وہاں آئرلینڈ میں انہوں نے کئی ایسی سوسائٹیز اور کلب جوائن کر رکھے ہیں جو پودوں کی نگہداشت وغیرہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ ماما کہتے ہیں، عورتوں میں پودوں سے محبت کا سینس نہیں ہوتا، اس لیے میں تمہیں ضرور ان سے ملواؤں گی، تاکہ ان کے خیالات بدل سکیں۔"

"کچھ ایسا ہی خیال میرا پاکستان کے مردوں کے بارے میں ہے۔ میری تو ممی کو بھی گارڈننگ کا شوق نہیں ہے۔"

"ابھی میں نے یہاں ایک خاتون کو بیٹھے دیکھا، کیا وہ تمہاری ممی ہیں؟"

"اچھا تم نے انہیں دیکھا؟ شاید ان کی نظر نہیں پڑی ہوگی، ورنہ ضرور تم سے ملتیں، شی از ویری سویٹ، کل بھی تم لوگوں سے ملنا چاہ رہی تھیں لیکن تب تک تم لوگ شاید سو چکے تھے۔"

"اچھا سنو...... میں تھوڑی دیر میں شازیہ کے ہاتھ ناشتہ بھجوا رہی ہوں اور پلیز مائنڈ مت کرنا۔ یوں ٹرے بھجوا دینا مناسب تو نہیں لگتا، بس ذرا میرے ایگزامز ہو جائیں پھر تمہیں اور آنٹی کو انوائٹ کروں گی۔"

"کیا پڑھ رہی ہو تم؟"

"بی ایس سی کر رہی ہوں، باٹنی میجر سبجیکٹ ہے میرا۔"

"ہوں...... اچھا سنو، ناشتہ مت بھجوانا۔ اب تک ممی تیار کر چکی ہوں گی، تو قیر انکل نے کچن کا سارا سامان پہلے سے لا کر رکھ دیا تھا۔ تم ایگزامز سے فارغ ہو لو پھر ہم تمہیں اپنے یہاں انوائٹ کریں گے۔"

ہادی نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

☆☆☆

سعدی ڈور بیل بجا کر انتظار کرنے لگا، پھر خیال آیا یہ انتظار تو بڑی صبر آزما چیز ہے، جتنی دیر جیدی صاحب نے دروازہ کھولنے میں لگا دینی ہے اتنی دیر میں تو میں نے پشاور تک کا ایک چکر بھی لگا لینا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے گھنٹی پر انگلی رکھی اور بھول گیا۔

"دروازہ کھول دے میرے بھائی اب مجھے نہیں پتا یار! تیرے فلیٹ پر آنے کے شوق میں پچھلی رات میں نے مشکل سے گزاری ہے۔"

اضطراری انداز میں گھنٹی بجاتے ہوئے وہ دہائیاں دے رہا تھا، تب ہی دروازہ کھل گیا اور جو چہرہ دکھائی دیا وہ شبیہ العباس کا تھا۔ سعدی کا گھنٹی بجاتا ہاتھ پہلو میں آ گرا، دروازہ کھلتے دیکھ کر شکل پر جو "لڈی ہے جمالو" والے تاثرات نمودار ہوئے تھے، شبیہ پر نگاہ پڑتے ہی وہاں "چھن سے جو ٹوٹے کوئی سپنا" کی رقت چھا گئی، گڑبڑاہٹ الگ کہ جیدی کے سب ہی دوست سعدی سمیت شبیہ کے خیالات سے واقف تھے۔

"وہ...... میں...... جیدی ہے گھر پہ...... ؟ ضروری کام تھا، بلا دو گے؟" گڑبڑاہٹ نے سب الٹ پلٹ کر دیا۔

شبیہ سوتے سے اٹھ کر آیا تھا، بال بے ترتیب، آنکھوں میں نیند کی سرخی، بلیک برموڈا شارٹ پر بلیک ہی ٹی شرٹ جس کی آدھی آستینوں سے اس کے کسرتی بازو جھانک رہے تھے۔

سعدی کے دل میں اس کے مسلز دیکھ کر بے اختیار رشک پیدا ہوا لیکن یہ رشک کرنے کا وقت نہیں تھا۔ یہ وقت سٹپٹانے کا تھا کہ جیدی کی جگہ شبیہ آ گیا تھا، جس کی وہ توقع بھی نہیں کر رہا تھا، سو وہ گڑبڑایا، سٹپٹایا حتیٰ کہ شرمایا بھی۔

"معاف کرنا شبیہ! میرے نوٹس رہ گئے تھے جیدی کے پاس اور اپنے اتنی محنت سے بنائے نوٹس مجھے غیرت کی طرح عزیز ہیں۔ رات بھر

نیند بھی نہیں آسکی۔ بس اسی لیے صبح صبح لینے چلا آیا۔ بہت شرمندہ ہوں، تمہاری نیند خراب ہوگئی۔"

"متوقع بے عزتی سے بچنے کے لیے اس نے ٹھیک ٹھاک کہانی بنائی تھی۔

"ارے نہیں معذرت کی کیا ضرورت ہے اور شرمندہ تو بالکل مت ہو۔ تم جنیدی کے اتنے اچھے دوست ہو، کسی بھی وقت آسکتے ہو، آؤ اندر آجاؤ۔" شبیہ نے خوش دلی سے کہا۔

سعدی ہکا بکا رہ گیا۔ شبیہ جیسا شخص جو مسکراتا بھی سوچ سمجھ کر تھا اور کھری کھوٹی سنانے میں تو ایک منٹ کا بھی لحاظ نہیں کرتا تھا، اس وقت نہ صرف مستقل مسکرائے جا رہا تھا بلکہ اندر آنے کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔ سعدی کی تو رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔

"نہیں شبیہ، تم آرام کرو۔ میں احمقوں کی طرح اتنی صبح ڈسٹرب کرنے آگیا، پھر آجاؤں گا۔" اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے اس نے پُر اعتماد انداز میں کہا۔

"اب احمقوں کی طرح اتنی صبح ڈسٹرب کرنے آ ہی گئے ہو تو اندر آجاؤ، جنیدی جاگنگ کے لیے گیا ہوا ہے، آتا ہوگا۔ اسے پتا چلا کہ تم دروازے سے چلے گئے تو برا لگے گا اسے۔" شبیہ زبردستی اسے اندر لے آیا۔

"تم، سچ بات تو یہ ہی ہے کہ جنیدی کے سارے دوستوں میں نسبتاً قابلِ برداشت ہو، ورنہ باقی سارے تو ایک دم "چول" ہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس تعریف پر خوش ہونا چاہیے یا ناراض؟" سعدی نے خود سے سوال کیا۔

"جنیدی کے روم میں بیٹھ کر انتظار کرنا چاہو تو شوق سے بیٹھ جاؤ اور وہاں چائے پینا ہو تو اس طرف کچن ہے۔ یہ مت سمجھنا، میں سگھڑ بیویوں کی طرح تمہاری خدمتیں کروں گا۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ ڈسٹرب نہ کرنا اور، اور ہاں۔" وہ پل بھر کو رکا۔

"بیس منٹ میں سویپر آکر بیل دے گا، کچن سے ڈسٹ بن نکال کر اسے دے دینا، جنیدی مجھے تاکید کر کے گیا تھا لیکن اب تم آ ہی گئے ہو تو اتنا سا کام کر لینا۔"

وہ زیرِ لب مسکراتا کمرے میں غائب ہوگیا اور بند دروازہ سعدی کا منہ چڑانے لگا۔ اسے بات سمجھنے میں چند منٹ لگے تھے اور جب بات سمجھ میں آگئی تو سلگ گیا۔

"کس قدر چالاک شخص ہے یہ شبیہ۔ میں خوامخواہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ اتنا خوش اخلاق اور مہمان نواز کیوں ہو رہا ہے، وہ بھی صبح صبح۔ کوئی بتائے اسے، میں جلوۂ محبوب کے شوق میں کشاں کشاں آیا ہوں یا جمعدار کو ڈسٹ بن دینے، اب یہ بات میں جا کر اس کے منہ پر بھی نہیں کہہ سکتا، کچھ پتا نہیں اس اُلٹی کھوپڑی کے آدمی کا، مجھے کھڑے کھڑے باہر نکال دے۔ اور نہیں تو دو تین دھوبی پٹکے بھی دے سکتا ہے۔ ساتھ ہی زبردست قسم کے مسلز ہیں اس کے۔"

اپنے بازوؤں پر حسرت بھری نظر ڈالتے ہوئے وہ کمرے میں آگیا۔ جنیدی کا کمرہ حسبِ معمول صاف ستھرا اور باترتیب تھا، اس نے آگے بڑھ کر پردے ہٹا دیے۔ کمرہ ایک آن میں روشنی میں نہا گیا تھا۔ بلڈنگ کے کمپاؤنڈ کے آگے مین روڈ تھا، پھر درختوں کی قطار، آگے کالونی کی

سڑک، پھر جہاں زیب بلاک کے خوب صورت سے بنگلے۔

سعدی کے دل کی کلی کھل اُٹھی۔ داہنی طرف سے چوتھے بنگلے میں ایک آنچل لہراتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے ساتھ لائے چمڑے کے بیگ سے اسٹینڈ اور ٹیلی اسکوپ نکالا اور کھڑکی کے عین سامنے صحیح زاویے سے سیٹ کرنے لگا۔

اسی وقت حیدر اندر داخل ہوا۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس، چھوٹے سے تولیے سے چہرہ پونچھتا سعدی کو دیکھ کر حیران ہوا، پھر چونکا اور گہری سانس بھر کر بولا۔

"کیا کر رہے ہو سعدی؟"

"حیدری میرے دوست۔" سعدی نے نعرہ بلند کیا تھا۔ حیدری اُکتا کر بولا۔

"کر کیا رہے ہو؟ تمہیں اپنے ہاسٹل میں سکون نہیں ہے، جو صبح صبح آ گئے میرا دماغ کھانے۔"

"تمہارا دماغ کھانے کا کس بدبخت کو شوق ہے؟ میں تو اپنی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں۔" بڑا شاہانہ سا انداز تھا۔

"کیسی غلط فہمی؟"

"کل شک سا پڑا تھا کہ تمہاری نئی پڑوسن سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی ہے۔ میں نے سوچا شام ڈھلنے سے پہلے کنفرم کر لوں ایسا نہ ہو غلط فہمی میں مارا جاؤں، اس لیے تمہاری ٹیلی اسکوپ سے زیادہ پاورفل ٹیلی اسکوپ لے کر آیا ہوں۔"

"اور اب یقیناً تم اس دوربین سے اس کے گھر میں جھانکو گے؟" حیدری نے دانت کچکچائے۔

"سبحان اللہ...... اس قدر ذہین آدمی ہو تم۔"

"سعدی! بکواس بند کرو اور سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالو۔ باہر سے کسی کو ذرا بھی شک پڑ گیا تا کہ یہاں دوربین لگا کر کسی لڑکی پر نظر رکھی جا رہی ہے تو مشکل میں پھنس جائیں گے۔ تمہارا کیا ہے، سامان سمیٹ کر گوجرانوالہ چلے جاؤ گے اپنے آبائی گاؤں۔ دوستوں کو مشکل گھڑی میں تنہا چھوڑ دینا یوں بھی تمہاری عادت ہے۔"

"واہ واہ...... کیا بولے ہو۔ احساسِ شرمندگی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں اور ضمیر جاگ اُٹھا ہے لیکن جاگتا ہوا ضمیر مجھے اچھا نہیں لگتا، اس لیے دو تھپڑ لگا کر میں اسے دوبارہ سلانے لگا ہوں۔ تم اپنی انرجی ویسٹ نہ کرو۔ مجھے اپنے سابقہ ریکارڈ پر فخر ہے اور اس پر میں ذرا بھی حرف نہیں آنے دوں گا۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا، مجال ہے جو شرمندہ ہوا ہو۔

"شبیہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔" حیدری نے سلگ کر کہا۔

"کیا کہتا ہے؟" بڑے اشتیاق سے پوچھا گیا تھا۔

"یہی کہ مجھے ایک سے بڑھ کر ایک ڈھیٹ اور ناکارہ دوست ملا ہے۔"

"او بھائی! شبیہ کا کہا کون سا آسمان سے اُتری کتاب کا حصہ ہے۔ تم اس کی باتیں دل پر نہ لو۔ بہتری کی اُمید ہمیشہ رکھنی چاہیے۔" بڑا

عالمانہ دوستانہ سا انداز تھا، پھر پوچھنے لگا۔

"چائے پلاتے ہو؟"

"زہر پلاتا ہوں۔" حیندی نے چڑ کر کہا تھا۔

"چل وہی پلا دے جگر! اپنی پہلی نظر کی پہلی پہلی محبت کی خوشی میں آج زہر بھی پی لیں گے۔"

"پہلی محبت؟" حیندر کو یہ نرا لطیفہ لگا۔

"ستر بہتر کہتے تو میں یقین بھی کرتا۔ ویسے اس منگیتر کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے پنڈ (گاؤں) میں بٹھا چھوڑی ہے۔"

"ارے وہ تو اللہ میاں کی گائے ہے۔" سعدی نے بڑی چاہ سے اس کا ذکر کیا۔ "جو میں کہتا ہوں، آنکھیں اور کان بند کر کے اس پر ایمان لے آتی ہے۔ یقین کرو، تمہاری جگہ وہ ہوتی اور اسے میں اپنی پہلی نظر کی محبت کا قصہ سنا رہا ہوتا تو پتا ہے اس نے کیا کہنا تھا؟"

"منگنی کی انگوٹھی تمہارے منہ پر مار کے تو نہیں جانا تھا۔ اتنے عرصے میں، میں بھابھی جان کی عادات خوب جان چکا ہوں، بحاورتاً تمہیں حقیقتاً اللہ میاں کی گائے ہیں۔" سعدی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور خوب داد دی۔

"بالکل ٹھیک پہچانے ہو۔ چلو شاباش، اب اچھے بچوں کی طرح بڑھیا سی چائے بنا کر لاؤ۔" حیندی سر جھٹکتا واش روم میں گھس گیا۔

سعدی نے آنکھیں دور بین سے لگائیں، تھوڑا سا زاویہ درست کیا اور دل کی کلی، جو عموماً کھلی ہی رہتی تھی، کچھ اور کھل گئی، وہ حسینہ ماہ جبینہ سیٹر بارہ کے قریب کھڑی دکھائی دے رہی تھی، سعدی نے سرشار ہو کر گانا شروع کر دیا۔

"بڑی مشکل بابا! بڑی مشکل۔

گورے گورے گالوں پہ ہے کالا کالا تل، آہا۔"

باقاعدہ آہوں اور ٹھمکوں کے ساتھ گانا گایا جا رہا تھا، جس وقت شبیہ کمرے میں داخل ہوا۔ سعدی آنکھیں دور بین سے لگائے کمر پر ایک ہاتھ رکھے باقاعدہ ٹھمک رہا تھا۔ ایک تو اس کے انداز، پھر گیت کے بول، شبیہ کا موڈ خراب ہونے میں منٹ بھی نہ لگا۔

"سعدی! جیسے تم خود پھٹیچر ہو، ویسی ہی تمہاری چوائس ہے۔"

سعدی اپنی دھن میں تھا، ذرا بھی جو برا مانا ہو۔

"ارے واہ...... میری چوائس کیسے پھٹیچر ہو گئی۔ ذرا ادھر آ کر دیکھو، میری چوائس کتنی اعلیٰ ہے۔"

"یہ دور بین تو کوئی خاص نہیں لگ رہی۔"

"او بھائی! دور بین کے عدسے سے آنکھیں چپکا کر دیکھو، تمہیں وہ حسن کی دیوی نظر آ جائے گی، جس کے عشق میں میں گوڈے گوڈے ڈوب چکا ہوں۔"

اسٹینڈ اس کے کندھے تک آ رہا تھا۔ شبیہ نے جھکنے کے بجائے دور بین اسٹینڈ سے اتار کر آنکھوں سے لگائی اور اسی ڈائریکشن میں دیکھنے

لگا، جس طرف سعدی دیکھ رہا تھا۔

"باڑھ کے قریب جو پری دکھائی دے رہی ہے، میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔" وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔

"شبیہ نے دیکھا، باڑھ کے قریب دائی کیاری کے پاس اپنا جھک کر پانی کا برتن اُٹھا رہی تھی۔

شبیہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"اس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہاں پر کوئی اور ہے جس کی بات کروں گا؟" سعدی نے پوچھا۔

"وہی ہے یار! جس کی مجھے اتنی مدتوں سے تلاش تھی۔ چاند کی طرح روشن چہرہ، صبح کی ہوا جیسی پاکیزہ، میرا عشق، میری محبت، اس ظالم دنیا کو میں ہمارے بیچ نہیں آنے دوں گا۔ جو درمیان میں آیا، اسے خون میں نہلا دوں گا۔ اس کا چہرہ اتنا دلکش، کیا بتاؤں، وہ جو شاعر کہتا ہے۔ اِک لڑکی کو دیکھا تو ایسا لگا، جیسے......"

سعدی نے ابھی بہکنے کا آغاز ہی کیا تھا کہ شبیہ نے غصے سے دوربین دور اُچھال دی، ایک جھٹکے سے سعدی کا گریبان تھاما اور زوردار پنچ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔

حیندی آواز سن کر بوکھلایا چلا آیا اور دیکھ کر حیران رہ گیا، شبیہ کا چہرہ لال انگارہ بنا ہوا تھا اور سانس پھول رہی تھی، وہ غضب ناک نظروں سے سعدی کو گھور رہا تھا، جب کہ کارپٹ پر گرے سعدی کو اس کے دو، تین گھونسوں نے ہی ادھ موا کر دیا تھا۔

حیندی کے لیے صورت حال کو سمجھنا مشکل ہو رہا تھا، شبیہ کو دیکھ کر لگتا تھا، وہ آتش فشاں کی طرح پھٹنے کے قریب ہے، جب کہ سعدی چوٹ کھائی چھپکلی کی طرح کارپٹ پر تڑپ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا شبیہ نے اس سے کہا۔

"حیندی! اپنے دوست سے کہو، یہاں سے دفع ہو جائے، آج اسے دو پیروں پر جاتے دے رہا ہوں، اگلی بار یہاں دکھائی دیا تو چار لوگوں کو کندھوں پر اُٹھا کر لے جانا پڑے گا۔

"اس نے تپائی کو ٹھوکر ماری اور غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ حیندی نے جلدی سے بڑھ کر سعدی کو اُٹھا کر صوفے پر بٹھایا۔ بے چارے کی بری حالت تھی، خون نہیں نکلا تھا لیکن چوٹ کھایا چہرہ بری طرح لال ہو رہا تھا۔

حیندی نے لا کر پانی پلایا، تب کہیں جان میں جان آئی۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو سعدی؟" حیندی نے ہمدردی سے پوچھا۔

"میرا جبڑا ہل گیا ہے حیندی! اب میں ساری زندگی کچھ کھا نہیں سکوں گا۔" سعدی نے رقت بھرے لہجے میں بدقت کہا تھا۔

حیندی دوڑ کر گیا۔ فریج سے آئس کیوبز نکال لایا، پھر رومال میں رکھ کر سعدی کے چہرے کی ٹکور کی۔ چند منٹ بعد ہی سعدی اس سے بات

کرنے کے قابل ہوا تھا۔

''تم نے کبھی بتایا ہی نہیں، شبیہ کو دورے پڑتے ہیں؟'' اس نے چہرے کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔ اس کے دائیں گال پر اب سوجن دکھائی دینے لگی تھی۔

''شبیہ کو...... نہیں تو۔'' حیندی نے حیرانی سے تردید کی تھی۔

''پھر اس نے بلاوجہ مجھے کیوں مارا؟'' سعدی جل کر بولا۔

''تم نے کچھ تو کہا ہوگا۔'' حیندی نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔ اس کے لیے بات ہی ناقابلِ یقین تھی کہ شبیہ نے اسے مارا ہے، وہ غصیل ضرور تھا، پاگل نہیں کہ بے سبب کسی کو مارنا ہی شروع کردے۔

''میں نے کیا کہنا تھا، تمہیں تو پتا ہے، میں کتنا معصوم اور سیدھا سادا انسان ہوں۔ یہاں کھڑا تمہاری پڑوسن کو دیکھ رہا تھا اور کسی غلط نیت سے نہیں دیکھ رہا تھا، یہ تو تم بھی جانتے ہو تو شبیہ نے آکر پوچھا، کیا کر رہے ہو۔ میں نے بتا دیا۔ ساتھ ہی کہا تم بھی آکر دیکھ لو، اس نے دیکھا، پھر مجھے مارنا شروع کر دیا۔ حیندی! اپنے اس مرتے ہوئے دوست سے وعدہ کرو، میرے کیس کے مدعی تم بنو گے اور اپنے اس عقل سے پیدل کزن کو پھانسی کے تختے تک ضرور پہنچاؤ گے۔''

سعدی میں کسی فلمی کی ہیرو کی روح گھس گئی تھی۔ حیندی اُلجھ سا گیا، سعدی کو دھکا دے کر پرے ہٹایا، خود کھڑکی کے پاس آگیا، لیکن اتنی دور سے کچھ بھی دکھائی دینا مشکل تھا، اس نے یہاں وہاں دوربین تلاش کی، پھر چونک سا گیا۔ ایمیلان کی روش پر چلتی اندر جا رہی تھی۔

حیندی کو ایک پل میں ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔ ''کتنے گہرے ہو تم شبیہ؟''

اس نے گہری سانس بھر کر دوربین ایک طرف رکھ دی۔ والٹ اور موبائل فون جیب میں رکھا اور گاڑی کی چابی اُٹھا کے سعدی کے پاس آگیا۔

''چلو سعدی! تمہیں ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔''

☆☆☆

ایک جگہ سے نقل مکانی کر کے کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے والوں کو جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اتنی ہی دقتیں ثمینہ اور ہادی کو درپیش تھیں، یہ بھی شکر ہے کہ انہیں توقیر صاحب اور ان کی بیگم کا تعاون حاصل تھا، جس کی وجہ سے انہیں کافی سہولت ہو گئی تھی۔

سب سے زیادہ دقت انہیں موسم سے مطابقت پیدا کرنے میں درپیش آرہی تھی، گو کہ چودہ سال قبل ثمینہ نے اسی خطے سے ہجرت کی تھی، وہ یہاں کے موسموں اور ان کی سختی سے بخوبی آگاہ تھیں، پھر بھی وہ مشکلات کا شکار تھیں، جس کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کی آب و ہوا میں آلودگی کا بڑھا ہوا تناسب تھا۔ ہادی آٹھ سال کی عمر میں پاکستان کو خیرباد کہہ چکی تھی، اسے بھی دقت کا سامنا تھا لیکن یہ غالباً اس کی عمر اور شوق کا تقاضا تھا کہ وہ جلدی ہار نہیں مان رہی تھی۔

پہلے روز انہوں نے مارکیٹ میں گزار کر وہ تمام چیزیں خریدیں جو ان کی ضروریاتِ زندگی میں شمار ہوتی تھیں، اسی روز ہادی نے کسی شوروم

پر ایک سیکنڈ ہینڈ آلٹو بک کروائی تھی اور اگلے ہی روز سے اس شہر کا سب سے بہترین ڈرائیونگ اسکول جوائن کر لیا تھا، حالانکہ ڈرائیونگ وہ پہلے سے جانتی تھی لیکن یہ اقدام پاکستان کی سڑکوں اور ٹریفک سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔

اگلے روز ہادی یہاں کے موسم کے مطابق کچھ کپڑے وغیرہ خریدنا چاہتی تھی لیکن ثمینہ نے جانے سے انکار کر دیا۔ ان کی طبیعت صبح سے بوجھل تھی، ناشتہ بھی برائے نام کیا تھا۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر ہادی نے اکیلے جانے کا فیصلہ کیا۔

اس کے جانے کے بعد ثمینہ کچھ دیر لیٹی رہیں، پھر انہیں بھوک محسوس ہونے لگی تو کچھ کھانے کے خیال سے کچن میں آ گئیں لیکن بھوک کے باوجود وہ خود کو کچھ کھانے پر آمادہ نہیں کر سکیں، پیٹ بھرنے کے خیال سے وہیں کھڑے کھڑے تین گلاس پانی نل سے بھر کر معدے میں انڈیل لیے۔ ذرا سکون محسوس ہوا تو آ کر لاؤنج کے صوفے پر لیٹ گئیں، لیکن یہ سکون محض چند منٹوں کا تھا، یکا یک انہیں بڑی شدید متلی محسوس ہونے لگی اور سر بری طرح چکرانے لگا تھا۔

پچھلے روز انہوں نے شازیہ سے کسی قابل اعتماد ملازمہ کے لیے کہا تھا، وہ انہیں اپنی خالہ زاد بہن کے بارے میں بتانے آئی تھی، جس وقت وہ ادھر آئی ثمینہ تین چار بار الٹیاں کر کے بے حال ہوئی پڑی تھیں۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ثمینہ کو سیدھا کر کے لٹایا، پانی پلایا، دو تین سوال پوچھے لیکن ثمینہ میں ہمت ہوتی تو جواب دیتیں۔

شازیہ دوڑی گئی اور ثروت کو بلا لائی۔

ثروت کہاں کی ڈاکٹر تھیں۔ ثمینہ کی حالت دیکھ کر خود بھی بوکھلا گئیں لیکن اگلے ہی پل بوکھلاہٹ سے زیادہ چونکیں۔

"ارے...... یہ تو......" چہرہ مانوس تھا۔

کئی سال پہلے کا ایک لمحہ ان کے ذہن کے دریچے سے جھانکنے لگا تھا اور یہ اتنی حیران کن بات تھی کہ چند لمحے کے لیے وہ سب کچھ بھول گئیں، پھر پلٹ کر شازیہ سے بولیں۔

"ڈرائیور سے کہو، گاڑی نکالے۔"

قریب ہی ایک جنرل فزیشن کا کلینک تھا، وہ ثمینہ کو وہیں لے آئیں۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ ماحول کی تبدیلی اور آب و ہوا کی تبدیلی ناسازی طبع کی سب سے بڑی وجہ بتائی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں، معمولی نوعیت کا ڈائریا ہے۔"

ڈاکٹر نے انجکشن لگایا، دوائیاں لکھ دیں، طبیعت نہ سنبھلنے کی صورت میں ڈرپ تجویز کی، کچھ پرہیز بتایا اور سختی سے تاکید کی کہ پانی اُبال کر یا اچھی کوالٹی کا منرل واٹر استعمال کیا جائے۔ واپسی تک ثمینہ اچھی خاصی مشکور ہو چکی تھیں۔

"تھینک یو سو مچ مسز دانیال! آپ نے بڑی مدد کی۔"

"اس میں شکریہ کی تو کوئی بات نہیں، انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔" ثروت نے اپنی مخصوص سادہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"بلکہ میں تو شرمندہ ہوں کہ آپ سے ملنے کے لیے پہلے نہیں آسکی۔ دراصل کچھ ایسی مصروفیات تھیں کہ چاہ کر بھی وقت نہیں نکال سکی۔"

ثروت نے لگے ہاتھوں معذرت بھی کر ڈالی کہ بہرحال اپنی اس بداخلاقی پر اچھی خاصی شرمندہ تھیں، دانیال حسن سے ہونے والی جھڑپ کے اثرات تو خیر اب تک برقرار تھے۔

"کوئی بات نہیں، میں سمجھ سکتی ہوں۔ گھرداری کی تو بہت ذمہ داری ہوتی ہے۔" ثمینہ بیڈ پر لیٹی نقاہت سے مسکرا رہی تھیں۔

"آپ آرام کیجئے اب۔ شازیہ یہیں موجود رہے گی، آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلاتکلف بتا دیجئے گا۔"

"آپ جتنی مدد کر چکی ہیں، میں اتنی کے لیے بے حد مشکور ہوں مسز دانیال!"

"آپ مجھے ثروت کہہ سکتی ہیں اور پلیز تکلفات میں مت پڑیں۔ تھوڑے سے حقوق تو ہمسائیگی کے بھی ہوتے ہیں، آپ اپنی کسی ضرورت کے لیے ہمیں یاد رکھیں گی تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"بہت بہتر۔" ثمینہ مسکرائیں۔

"تھوڑا سو لیجئے۔ آپ بہتر محسوس کریں گی۔"

ثروت نے باہر جاتے ہوئے کہا، دروازہ عبور کرنے سے قبل انہوں نے ایک نظر ثمینہ کو دیکھا وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔ ثروت نے بغور انہیں دیکھا، یہ سوچ کر شاید انہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی ہو لیکن یہ محض ان کی خام خیالی تھی۔

البتہ اس بات نے انہیں کافی اطمینان بخشا تھا کہ ثمینہ انہیں پہچان نہیں سکیں، جس وقت وہ انیکسی سے نکل کر اپنے پورشن کی طرف جا رہی تھیں، بہرحال پُرسکون تھیں۔

☆☆☆

زہرہ کسی کام سے رسوئی میں آئی تھی، دودھ سے لبالب بھری بالٹی کو جوں کا توں پڑا دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اس نے غصے سے گھر کی کل وقتی ملازمہ کو آواز دی۔

"جی بڑی بی بی!" وسائی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھی۔

"کتنی کام چور ہے تو وسائی! میں نے کتنی تاکید کی تھی کہ پڑچھتی سے بڑا کڑھاؤ نکال کر دودھ کڑھنے کے لیے رکھ دینا، لیکن دودھ اب تک کڑھنا تو دور کی بات ہے، یونہی بغیر اُبالے رکھا ہے۔ زبیدہ باجی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ اب تک کھیر پکنا شروع نہیں ہوئی تو اس نے منہ بنا کر بیٹھ جانا ہے۔"

زہرہ نے اپنی بڑی نند کا نام لیتے ہوئے کہا جو ساتھ والے گاؤں سے شوہر اور بچوں کے ساتھ دو دن گزارنے آج صبح ہی آئی تھی اور آتے ہی اس نے زہرہ سے کھیر کی فرمائش کر دی تھی۔

"ہائے بی بی! میں تو بھول ہی گئی۔" وسائی نے سر پر ہاتھ مارا۔

"میں ابھی کڑھاؤ نکال لاتی ہوں۔" وسائی باہر کی طرف دوڑی تھی۔ جتنی دیر میں وہ کڑھاؤ نکال کر لاتی، زہرہ چولہے میں لکڑیاں ڈال کر

آنچ حسب منشا کر چکی تھی۔

کڑھاؤ کو چولہے پر چڑھا کر انہوں نے سارا دودھ کڑھاؤ میں ڈال دیا، جب دودھ اُبل چکا تو زہرہ نے لکڑیاں نکال کر آنچ کم کی اور خود کڑھاؤ میں چمچہ ہلانے بیٹھ گئی۔ وسائی کو اس نے چاول صاف کرنے کے لیے کہا تھا۔

چمچہ ہلاتے ہوئے اس کی نظر باہر آنگن تک چلی گئی۔ برآمدے میں کرسیاں بچھائے دین محمد اور زبیدہ باجی کے شوہر بیٹھے تھے۔ قریب ہی پلنگ پر اماں اور زبیدہ باجی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر زبیدہ باجی کے بچے اور جنت کھیل رہے تھے۔

زہرہ نے محبت پاش نظروں سے جنت کو دیکھا۔ وہ سب بچوں میں سب سے پیاری لگ رہی تھی۔

جنت چار سال کی ہو رہی تھی اور بے تحاشا پیاری بچی تھی، کچھ زہرہ اسے صاف ستھرا رکھنے کے ساتھ ساتھ بنا سنوار کے بھی بہت رکھتی تھی۔ ان کا گھرانہ گاؤں کے چند متمول گھرانوں میں سے تھا اور جنت کا لباس گاؤں کے دیگر بچوں کے مقابلے میں قیمتی اور بڑھیا ہوتا تھا۔ جنت کی پیدائش سے پہلے بھی دین محمد کے گھرانے کے مالی حالات بہت اچھے تھے۔ وہ ان کاشت کاروں میں سے تھا جن کی زمینیں سارا سال اناج دیتی ہیں اور انھیں کبھی بھی اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھنا پڑتا لیکن جنت کے بعد تو جیسے سب کچھ ہی بدل گیا تھا، دین محمد نے یکے بعد دیگرے بہت سی زرعی اراضی خریدی تھی اور یہ اراضی فصلوں کی صورت جیسے سونا اُگل رہی تھیں، مزارعوں اور مویشیوں کی تعداد پہلے سے تین گنا بڑھ چکی تھی۔ روپے کی فراوانی کے ساتھ ساتھ زہرہ کے سلیقے نے گھر کی حالت بھی بدل دی تھی۔ دین محمد نے گھریلو کام کاج کے لیے اسے کئی ملازمائیں رکھ کر دی تھیں لیکن وسائی کے سوا زہرہ نے سب کو فارغ کر دیا۔ اسے ہاتھ پیر توڑ کر پلنگ پر بیٹھے رہنا قطعاً گوارا نہ تھا۔

دین محمد اس ساری ترقی کو جنت کی خوش بختی قرار دیتا تھا اور اردگرد رہنے والے ننھی جنت پر رشک کرتے نہ تھکتے تھے۔

باہر آنگن میں ایک شور بلند ہوا تھا، زہرہ نے چونک کر باہر دیکھا۔

"چھوٹی بی بی کا پیر پھسل گیا ہے بی بی!" وسائی دروازے میں کھڑی اطلاع دے رہی تھی۔ زہرہ چمچہ چھوڑ کر سرعت سے باہر لپکی۔ بچے بڑے سب جنت کے گرد جمع تھے۔ جنت کی ٹھوڑی سے جھر جھر خون بہہ رہا تھا۔

"ہائے میرے اللہ!" زہرہ نے تڑپ کر دل تھام لیا۔

"کیسے لگی چوٹ؟ کیا ہوا ہے میری بچی کو؟" وہ روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تھی، دین محمد نے جنت کو گود میں اُٹھایا اور کمرے میں لے جا کر پلنگ پر لٹا دیا۔

زہرہ نے دوپٹے کا پلو روتی ہوئی جنت کی ٹھوڑی پر رکھ دیا۔ دین محمد باہر نکل گیا تھا۔

"وسائی اوور کے جا تھوڑی برف لے کر آ...... جلدی کر۔" زہرہ نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے وسائی کو مخاطب کیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ جنت کو خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی ٹھوڑی سے نکلنے والا خون زہرہ کو اپنے جسم سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔

وسائی کٹورا بھر برف لے آئی۔ زہرہ نے برف کا ٹکڑا زخم پر لگایا، پھر جھنجلا گئی۔

"میری بھی مت ہی ماری گئی ہے بھلا برف سے بھی خون رکتا ہے۔ وسائی ارسوئی میں نے ہلدی پیس کر رکھی تھی، جا جلدی سے لے کر آ۔"
ہلدی کی وافر مقدار لگائی، تب جا کر خون بہنا کم ہوا۔

"چھوٹی بی بی کو بڑے اسپتال لے جانا پڑے گا بی بی! زخم اتنا گہرا ہے مجھے لگتا ہے ٹانکے لگیں گے۔"

"یہ شور کیسا ہے وسائی؟"

وسائی نے دروازے سے جھانک کر دیکھا، پھر سینے پر دو ہتھڑ مار کر بولی۔

"ہائے میں مر گئی...... بڑی بی بی! چودھری جی نے فاروق پتر کو مار مار کے ادھ موا کر دیا ہے۔"

"کیا؟" زہرہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔

"میں نے خود دیکھا تھا بڑی بی بی! جنت بی بی کا اپنا پیر پھسلا تھا۔ فاروق نے کچھ نہیں کہا۔"

زہرہ تیزی سے باہر بھاگی۔

فاروق سسکیاں بھرتا باپ کے پیچھے چھپ رہا تھا۔

"میں نے کہا نا دین محمد! فاروق کی کوئی غلطی نہیں ہے، جنت خود ہی گر گئی تھی، بچوں کو ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں لگ جاتی ہیں۔" زبیدہ کا شوہر کہہ رہا تھا۔

"خوامخواہ غلطی نہیں ہے، فاروق کا پیر درمیان میں نہ ہوتا تو جنت کبھی نہ گرتی۔ اس کی وجہ سے میری بچی کا اتنا خون بہا ہے، میں اسے ضرور سزا دوں گا۔" دین محمد غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔

"اور کتنی سزا دینی ہے؟ پہلے ہی اتنی بری طرح مار چکے ہو میرے بچے کو اب کیا جان لو گے اس کی۔" زبیدہ نے ناگواری سے بھائی کو دیکھا۔

"میری بیٹی کو چوٹ پہنچائی ہے اس نے، جان بھی لوں تو کم ہے۔"

"دین محمد! اپنی حد میں رہو۔ میں اپنے بچے کے زخموں کا حساب لینے لگوں تو عقل ٹھکانے آ جائے۔" زبیدہ کے شوہر نے غضب ناک ہو کر کہا تھا۔

"اپنے بچے کے لیے کیسی ہڑک اٹھ رہی ہے اور میری بچی......"

"ماما جی! میری غلطی نہیں ہے۔" فاروق منمنایا۔

"تو چپ کر......" دین محمد آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

زبیدہ کے شوہر نے غصے سے بیوی کو دیکھا۔

"فاروق کی غلطی نہ ہونے کے باوجود میں نے معافی مانگی لیکن تمہارا بھائی اب تک میرے بیٹے کو گالیاں دے رہا ہے، اب اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تجھے بھائی کے گھر رہنے کا شوق ہے تو رہ، میں اپنے بچوں کو لے کر جا رہا ہوں۔"

"ٹھہر جی! میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ یہ پہلا مرد ہے جس کی بیوی نے بیٹی جنی ہے بلکہ بیٹی بھی کیا، ملکہ کہو۔ ذرا سی بات پر آسمان سر پر اٹھالیا! ایسی بھی کیا ناز برداریاں۔ میں جارہی ہوں اماں! جس گھر میں میرے شوہر اور بچوں کی عزت نہیں، اس گھر میں رہ کر کیا کروں گی۔"

"ہاں ہاں جاؤ۔" دین محمد نے تنفر سے کہا۔ "اگلی بار آؤ تو اس سنپولیے کو لے کر آنے کی ضرورت نہیں، میرے گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہیں۔"

دین محمد کی یہ آخری بات تابوت میں حتمی کیل ثابت ہوئی تھی۔ زبیدہ نے اپنا سامان کھینچ کھانچ کر نکالا۔ اماں اور زہرہ "ہیں، ہیں" ہی کرتی رہ گئیں اور زبیدہ اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ گھر کی دہلیز پار کرگئی۔

دین محمد نے بانس کا ٹکڑا دور اچھالا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا، جس کے کھلے دروازے سے جنت کی منتظر معصوم آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

☆☆☆

"انو...." ولید نے دروازے پر دستک دے کر کمرے میں جھانکا، انیا رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ ولید کی آواز پر سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"اگر تم مصروف نہیں ہو تو کیا میں اندر آجاؤں۔ کچھ بات کرنی ہے۔" اسے دروازے کی طرف دیکھتا پا کر ولید نے پوچھا تھا۔

"میں پڑھ رہی ہوں ولید!" انیا نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ زیادہ سے زیادہ بھی پندرہ منٹ۔" ولید نے اندر آکر دروازہ بند کر دیا تھا۔

"خیریت تو ہے نا ولید!" انیا نے کسی قدر حیران ہو کر پوچھا تھا۔ ولید سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں خیریت ہے۔"

"ولی کیا کر رہا ہے؟ باتیں کرنے کا موڈ تھا تو اسے بھی لے آتے۔" انیا نے کرسی کا رخ اس کی طرف موڑتے ہوئے چھوٹے بھائی کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"وہ تو کب کا سو بھی چکا اور باتیں کرنے کا موڈ نہیں تھا، مجھے پتا تھا تم پڑھائی میں بزی ہوگی بس ایک آئیڈیا ڈسکس کرنا تھا، اسی لیے آگیا ہوں۔"

"کیسا آئیڈیا؟" انیا استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

ولید چند لمحے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر پوچھنے لگا۔

"تم ایگزامز میں مصروف ہو۔ شاید نوٹس نہ کیا ہو مگر میں محسوس کر رہا ہوں ممی، ڈیڈی کے درمیان کچھ پرابلم چل رہی ہے۔"

"کیسی پرابلم؟" انیا بری طرح چونکی، وہ واقعی کچھ روز سے بہت مصروف تھی کہ اپنا بھی ہوش نہ تھا۔

"اس بارے میں، میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن میں فیل کر رہا ہوں کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔" وہ الجھا الجھا سا بول رہا تھا، جیسے خود بھی سمجھ نہ پا رہا ہو۔

"اس روز ڈنر پر جو بات ہوئی، اس کے بعد سے میں دیکھ رہا ہوں دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے ہیں، آپس میں بات بھی نہیں کرتے۔"

"وہ پہلے بھی بات نہیں کرتے تھے، آئی مین میں نے ان دونوں کو زیادہ بات کرتے نہیں دیکھا۔" اینیا نے کہا تھا۔

"خیر، خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بس میں چاہتا ہوں مجھے میرے پیرنٹس عام پیرنٹس کی طرح نظر آئیں۔ خوش باش، مطمئن، شاید تمہیں میری بات عجیب لگے انو! لیکن مجھے ہمیشہ لگتا ہے جیسے ان دونوں کو کسی نے ساتھ رہنے پر مجبور کیا ہے۔ ممی، ڈیڈی کے ساتھ اور ڈیڈی، ممی کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔"

"ولید! وہ لوگ اٹھارہ سال سے ساتھ ہیں، خوش نہ ہوتے تو کب کے الگ ہو چکے ہوتے۔" اینیا نے کہا، گو کہ اس کے کچھ خیالات ولید سے میل کھاتے تھے مگر اس کی رائے بہر حال مختلف تھی۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ولید نے سابقہ اُلجھن سے کہا، پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

"پرسوں ممی اور ڈیڈی کی ویڈنگ اینورسری ہے، میں سوچ رہا ہوں ہم لوگ اس روز کوئی سرپرائز پکنک کیوں نہ ارینج کریں۔"

"پرسوں اٹھائیس ہے؟" اینیا کو یک دم یاد آیا تھا۔

"ہاں۔" ولید نے کہا۔

"آئیڈیا اچھا ہے ولید! لیکن ممی اور ڈیڈی جانے کے لیے راضی نہیں ہوں گے، ممی تو شاید ہمارا دل رکھیں، جب کہ ڈیڈی..... تم جانتے ہو وہ کتنے خلاف ہیں، آج تک انہوں نے اپنی ایک بھی اینی ورسری سیلیبریٹ نہیں کی۔"

"ڈیڈی کو راضی کرنا میری ذمہ داری ہے، ممی کی ذمہ داری تم لے لو، ڈیڈی نے سیلیبریشن نہیں رکھی تو اس بار وہ خوش ہوں گے۔ اگر واقعی میرا شک درست ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ چل رہی ہے تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔"

"ہوں..... چلو ٹھیک ہے، بلکہ یہ بڑا اچھا آئیڈیا ہے۔" اینیا نے کہا، پھر اسے دیکھ کر شرارت سے بولی۔

"واہ میرے بھیا! تم تو بڑے ذہین ہو گئے ہو۔"

"ذہین تو خیر میں پہلے بھی تھا لیکن بس ذہانت کا اظہار اب کرنے لگا ہوں۔" وہ بے نیازی سے کہتا کھڑا ہو گیا۔

"میں سارے انتظامات مکمل کر کے تمہیں بتا دوں گا، میرا خیال ہے کل رات بارہ بجے ہم انہیں وش کریں اور پرسوں پکنک منائی جائے۔"

اینیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پرسوں میری چھٹی بھی ہے، تم نے ولی کو بتایا؟"

"توبہ کرو، اس کے سامنے ذکر بھی مت کرنا کل بارہ بجنے سے پہلے اسے بھی بتا دیں گے، ورنہ اس کے پیٹ میں کوئی بات رہتی ہے، ابھی جا کر سب کچھ ممی کو بتا دے گا۔ تم پڑھو، میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا، گڈ نائٹ۔"

ولید جاتے ہوئے دروازہ بند کر گیا تھا، اینیا دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"ولید، ماشاءاللہ کتنا سمجھ دار ہو گیا ہے۔ ممی اور ڈیڈی کے مابین جو رنجش میں آنے والی ٹینشن چل رہی ہے، اسے کتنی جلدی بھانپ گیا ہے۔ خدا کرے اس کی کوشش کامیاب رہے، ورنہ میرے پیارے بھائی کو کس قدر مایوسی ہوگی۔ کیوں نہ ہم اس پلنگ پہ عباس بھائی کو بھی انوائیٹ کر لیں۔"

معاً اسے خیال آیا تھا انگلیوں میں بال پوائنٹ گھماتے ہوئے وہ سوچنے لگی۔

"آفٹر آل وہ بھی تو اس فیملی کا حصہ ہیں، ٹھیک ہے میں صبح ولید سے بات کروں گی۔"

کتاب کھولتے ہوئے وہ پکا تہیہ کر چکی تھی۔



"یا اللہ.....! کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں۔ کیا یہ زمانے بھر کی کم عقل لڑکی کو میری ہی بہن بنایا جانا ضروری تھا۔"

ولید نے سخت لاچاری کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا پھر گردن موڑ کر اینا کو گھورا جو خود کو زمانے بھر کی کم عقل لڑکی قرار دیے جانے پر بری طرح برا منا چکی تھی۔

"اب اپنی خوف ناک آنکھوں کے تیر چلانا بند کرو تمہارے یہ تیر مجھے حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتے۔"

ادائے بے نیازی سے کہتے ہوئے اس نے ماتھے پر لگائے گاگلز آنکھوں پر سیٹ کیے۔ کندھے پر لٹکتا تھیلا نما بیگ کا زاویہ درست کرتے ہوئے اپنے ہی گیٹ پر نصب آرائشی شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر نظر بد سے بچاؤ کی دعا کی۔ محترم ہائی اسکول جاتے تھے اور آج کل کے دیگر بچوں کی طرح بنک سنک سے ہیرو بن کر اسکول جانا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اپنی اسپورٹس بائیک کو کک لگا کر اینا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اینا اُچک کر سوار ہو گئی اور خفگی کے اظہار کے طور پر بڑی زور سے کندھا بھی دبوچ لیا۔

"اونہہ..... کیا جاہلوں کی طرح کندھا دبوچا ہے میری شرٹ پر سلوٹیں نہیں پڑنا چاہئیں۔" ہیرو صاحب کو اپنے امپریشن کی بڑی فکر تھی سو تاکید ضروری تھی۔

"یار انو! ذرا مجھ پر آیت الکرسی پڑھ کر ہی پھونک دو، بالکل شہزادہ لگ رہا ہوں آج۔ کہیں اپنی ہی نظر نہ لگ جائے، اسی خدشے کے پیش نظر ویرنگ مرر بھی نہیں دیکھا۔ جب تمہارے کالج کے سامنے بائیک روکوں گا تو نہ جانے کتنی حسینائیں اپنی اُنگلیاں چباڈالیں گی لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں، یہ تو فخر کی بات ہے، مگر مجھے ڈر ہے کہیں کسی حاسد کی نظر ہی نہ لگ جائے اور میں صبح سویرے ضائع ہو جاؤں، پلیز آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر پھونک دو، کیسی بہن ہو تم۔ بھائی کا ذرا احساس نہیں۔"

کالونی کی سڑک عبور کر کے مین روڈ تک آنے میں وہ مسلسل بولتا رہا تھا۔ اینا نے ایک زوردار گھونسا اس کی کمر پر جڑ دیا۔

"بھن کے چہیتے! کسی کی نظر سے تم ضائع ہو یا نہ ہو، اسی طرح فضول بکواس کرتے رہے تو میرے ہاتھوں ضرور ضائع ہو جاؤ گے۔" دوسرا گھونسا پہلے سے زیادہ زوردار تھا۔

"او..... ہو..... ہو۔" بائیک بری طرح لہرائی تھی پھر جھنجلا کر بولا۔

"اُف کی بچی! کتنا بھاری ہاتھ ہے تمہارا۔ لیلیٰ علی کا ہاتھ بھی تم سے تو نازک ہی ہوگا۔ میں بتا رہا ہوں، دوبارہ ماروگی تو میں فٹ ہاتھ پر پھینک کے کالج چلا جاؤں گا۔"

"اگلی بار سر رو یکھو تو غور سے دیکھنا، تمہاری شکل بھی لیلیٰ علی سے ہی ملتی ہے۔" وہ کہاں چوکنے والی تھی، فوراً حساب برابر کرلیا۔ ولید نے بلاتوقف قہقہہ لگایا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے تمہارا مقصد پورا نہیں ہوا، مجھے شرمندہ کرنے کا، کیونکہ لیلیٰ علی کا صرف نام ہی لیلیٰ ہے، شکل سے تو وہ اچھی خاصی مردانہ ہے۔" پھر ایک اور قہقہہ لگایا۔

"برا ہو اس وقت کا، جب میں نے تم سے کالج ڈراپ کرنے کو کہا تھا۔ اوٹ پٹانگ باتیں کر کے میرا دماغ چاٹ رہے ہو، اس سے اچھا تھا میں ڈیڈی کے ساتھ ہی چلی جاتی۔"

"ہم گھر سے زیادہ دور تو نہیں آئے۔ کہو تو واپس چھوڑ آتا ہوں، آرام سے ڈیڈی کی فور وہیلر میں بیٹھ کر کالج جانا، لیکن جو خیال کچھ دیر پہلے میرے سامنے ظاہر کیا ہے پلیز اسے ڈیڈی کے سامنے ضرور دُہرانا اور پھر ڈیڈی تمہارا جو حشر کریں گے نا! اس کے بعد نانی اماں نہ یاد آگئیں تو میرا نام بدل کر لیلیٰ علی یا راکھی ساونت رکھ دینا۔" اینیا نے پھر اسے گھونسا جڑ دیا۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا کہ ڈیڈی خفا ہو جائیں۔"

"یہ تم تخریبی کارروائیاں تو بند کرو۔" وہ جھنجلا کر بولا تھا پھر بولا۔

"یقین کرو! آج تک تمہاری دل آزاری کے خیال سے میں خود کو سچ بولنے سے روکتا رہا ہوں مگر...... آج...... مگر آج میں خود کو روک نہیں پاؤں گا، پلیز مجھے کہنے دو۔ تم جتنی شکل سے احمق لگتی ہو، اس سے کہیں زیادہ بے وقوف ہو۔ تم صرف ڈیڈی کی خفگی کی بات کر رہی ہو تمہاری بات سن کر شبیہ بھائی بھی ناراض ہو جائیں گے۔"

"لیکن کیوں؟"

"او میری عقل والی بہن! جو شخص ہماری شکل دیکھنے پر تیار نہیں ہے، وہ ہماری خوشی میں کیوں شریک ہوگا؟ ہمارے ممی ڈیڈی کی اپنی درسری ہمارے لیے اہم ہیں، ان کے لیے نہیں۔ میں تم سے احمقانہ بات کی توقع ہی نہیں کر رہا تھا، ممی ڈیڈی کی شادی...... مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے شبیہ بھائی کی زندگی کا المیہ ہے، کبھی کسی کو المیہ پہ خوشی مناتے دیکھا ہے۔"

ولید کا حقیقت پر مبنی تجزیہ۔ اینیا قائل ہو گئی لیکن مایوس بھی۔

"کہتے تو خیر تم ٹھیک ہو لیکن ولید! مجھے ہمیشہ ایک احساس رہتا ہے جب تم، میں اور ردی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ ہوتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہماری فیملی نامکمل ہے۔ شبیہ بھیا کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے مجھے۔ پھر میں سوچتی ہوں مجھے تو کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ تب بھی اتنی کمی محسوس کرتی ہوں ان کی۔ ممی کیا محسوس کرتی ہوں گی؟ وہ تو بہت مس کرتی ہوں گی بھیا کو......"

''ممی نے کبھی تم سے کہا ہے؟'' ولید نے پوچھا۔

''وہ کہاں کچھ کہتی ہے انہیں تو گھٹ گھٹ کے رہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے لیکن میں محسوس کر سکتی ہوں ان کے دل کیفیت کو۔ سچ کہوں تو شبیہ بھائی کو انوائٹ کرنے کا خیال بھی مجھے صرف ممی کی وجہ سے آیا۔ ممی کے لیے یہ ایک بہت بڑی خوشی ہوتی۔''

''اور ڈیڈی کے لیے، بہت بڑی ناخوشی۔'' ولید نے دوبدو کہا تھا۔

''پلیز ولید! کیا پتا ڈیڈی خفا نہ ہوں۔ میں نے بہت عرصے سے ممی کو بہت خوش نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ بہت جبر کر کے مسکراتی ہوں۔ تم میرے ساتھ شبیہ بھائی کے پاس چلو۔'' وہ منت سے بولی۔

''میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ جا کر بے عزتی کرواؤں، جو بندہ ہماری شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں، اس کے گھر جا کر ذلیل نہیں ہونا مجھے۔'' ولید نے صاف کہا۔

''تم بات نہ کرنا، میں کر لوں گی۔'' ایتا نے ایک اور راہ دکھائی۔

''میں ان کے گھر جانے پر نہیں راضی۔ تم بات کی بات کرتی ہو۔''

پلیز ولید! میرے پیارے بھائی نہیں ہو۔''

''بھائی ہوں۔ پیارا بھی ہوں لیکن یہ بات نہیں مانوں گا۔''

''خیر خیر۔ تم تو میری کوئی بھی بات نہیں مانتے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''جھوٹی ایک نمبر کی، پرسوں آئس کریم کس نے لا کر دی تھی؟ اور تمہاری اس بدصورت سہیلی کے گھر سے نوٹس کون لایا تھا؟۔''

''تو کوئی احسان نہیں کیا تھا، میں بھی تمہاری کتنی باتیں مانتی ہوں، کام بھی کتنے کر دیتی ہوں۔ پرسوں تم نے آئس کریم لا کر دی تھی تو بدلے میں شرٹ بھی تو دھلوائی تھی مجھ سے۔''

''اس میں کون سی بڑی بات ہے، شرٹ تو شازیہ بھی دھو سکتی تھی۔ تم نے کیا کمال کیا؟۔''

''ولید! تم انتہائی احسان فراموش ہو۔ اللہ کرے تمہارے شادی بھی کسی شازیہ جیسی لڑکی سے ہو جائے جس کے ناخن میل سے بھرے رہتے ہوں اور جو دس دس دن نہائی بھی نہ ہو۔''

''اور خدا کرے تمہاری شادی ہیرالال سے ہو جس کے سر پر......''

ایسی بددعا پر ایتا نے اسے پھر مکا جڑ دیا۔ ولید نے پلٹ کر کوئی سخت بات کہنا چاہی۔ پل بھر کے لیے سڑک سے نظریں ہٹیں۔ دو طرفہ ٹریفک تھی، ہوش اس وقت آیا جب سامنے سے آتی گاڑی سر پر پہنچ گئی۔

تقدیر کا فیصلہ......ایک زبردست تصادم۔

''ولید......!'' ایتا کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔

بائیک دور ٹوٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہراتی فٹ پاتھ سے ٹکرائی۔ اینیا گھٹنوں کے بل فٹ پاتھ پر گری۔ ولید نے پاؤں کا سہارا لے کر بمشکل اپنی بائیک کو گرنے سے بچایا تھا مگر اس کوشش میں وہ خود ایک طرف کو لٹک سا گیا تھا۔

شبیہ نے اگر بروقت گاڑی کو بریک نہ لگائے ہوتے تو یقیناً اس وقت خوف ناک تصادم ہونا تھا۔

"ارے یہ تو ولید اور اینیا ہیں۔" جے ڈی نے ونڈ اسکرین سے جھانکتے ہوئے کہا، پھر وہ دونوں ہی بڑی تیزی سے کار سے نکل کر ان کے پاس پہنچے۔

"چوٹ تو نہیں لگی۔" اینیا پہلے ہی کھڑی ہو چکی تھی۔ جے ڈی نے ولید کو بائیک سیدھی کرنے میں مدد دی۔ اینیا نے خفت کے مارے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا، ولید خاموش رہا۔

دو تین راہ گیر صورت حال کا جائزہ لینے کھڑے ہو گئے تھے، شبیہ نے پہلے انہیں بھگایا پھر ولید کو ڈپٹ کر بولا۔

"دکھائی نہیں دیتا تمہیں۔ جب بائیک چلانی نہیں آتی تو چلاتے کیوں ہو؟" اس کا لہجہ سخت اور اجنبی تھا جیسے ابھی تک کسی راہگیر سے مخاطب ہو۔

"چلانی تو خیر آپ کو بھی کار نہیں آتی۔ پھر آپ کیوں کوشش کرتے ہیں۔" ولید نے خفگی سے دو بدو کہا تھا۔ شبیہ کا پارہ چڑھ گیا۔

"یو ایڈیٹ...... ایک تو غلطی کرتے ہو پھر زبان چلاتے ہو۔ میں تمہیں......" وہ آگے بڑھا، جے ڈی نے بے ساختہ اس کو شانے سے تھام کر روکا تھا۔

"پلیز شبیہ بھیا! غلطی میری تھی آپ ولید کو کچھ نہ کہیں۔" اینیا منمنائی۔ شبیہ نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔

"شٹ اپ...... اینڈ ڈونٹ کال می بھیا۔ بلاوجہ کی رشتہ داریاں جوڑنے سے سخت نفرت ہے مجھے۔"

اس نے سخت لہجے میں کہا اور پلٹ کر کار کا دروازہ زوردار آواز سے بند کر دیا۔ جی ڈی نے ہمدردی سے اینیا کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا، پھر ولید کو جس کا چہرہ خفت و غصے سے لال ہو رہا تھا۔ وہ بے چارہ نہ تین میں نہ تیرہ میں مخمصے میں پڑ گیا۔

"ولید! آؤ ہم تم لوگوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔" ولید جھک کر بائیک کی چوٹوں کا جائزہ لے رہا تھا، پل بھر کے لیے جے ڈی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ جن بیٹھنے دے گا اپنی گاڑی میں؟"

جن، جی ڈی کے انتظار میں ہارن پہ ہاتھ رکھ کر بھول چکا تھا۔

"ولید! بدتمیزی مت کرو۔" اینیا نے ڈانٹ دیا۔ جے ڈی نے لاچاری سے اپنے گرد موجود ان تین کرداروں کو دیکھا جن کے درمیان اسے اپنا وجود پنگ پانگ بال کی طرح محسوس ہو رہا تھا، پھر اس نے ولید کا کندھا تھپتھپایا اور پلٹ کر کار میں جا بیٹھا۔

گاڑی زن سے ان کے قریب سے نکلی تھی۔

ولید نے پلٹ کر اینیا کو گھورا۔

"ان کو سمجھا تھا "بھیا" تم نے...... تھا کا مطلب تو تمہیں آتا ہوگا۔

"اونہہ...... سڑیل...... بیٹھو اب چلیں گے شام کو ان کی طرف۔ تم پکنک پہ آنے کی دعوت دے لینا۔ مجھے یقین ہے وہ ملسی خوشی راضی ہو جائیں گے۔" اینیا کی لٹکی ہوئی شکل دیکھ کر بھی وہ طنز سے باز نہیں آ رہا تھا۔

وہ بجھے دل سے بائیک پر سوار ہوئی تو ولید نے بائیک آگے بڑھا دی۔

ولید نے کالج کے سامنے بائیک روک کر گردن گھما کر اینیا کو دیکھا، بلکہ دیکھا کیا موجودگی ہی کنفرم کی تھی۔

پندرہ منٹ کے سفر میں وہ پندرہ منٹ ہی خاموش رہی تھی۔ ولید کو پریشانی لاحق ہو گئی تھی، اتنی دیر تک تو وہ سوتے ہوئے خاموش نہیں رہتی تھی، کجا کہ جاگتے میں چپ رہنا۔ کہیں گر نہ گئی ہو مگر اینیا کی مرجھائی ہوئی شکل دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"یارا نو! میرے ہی جیسے کسی ذہین شاعر نے کہا ہے۔"

ذرا سی بات ہے اب بھولنا ہی بہتر ہے
دل تباہ کو اب خستہ حال کیا کرنا

اینیا چڑ کر بولی۔ "ایک تو تمہارے ان واہیات اشعار سے میں بڑی عاجز ہوں۔ موقع دیکھتے ہو نہ محل...... بس شعر سنانے کی مصیبت پڑی ہوتی ہے۔"

"کس قدر بد ذوق ہو تم لڑکی! اس قدر اعلیٰ پائے کا شعر تمہیں واہیات لگ رہا ہے۔" اس نے اینیا کے ذوق پہ دل کھول کے تاسف کا اظہار کیا، پھر بولا۔

"دراصل قصور تمہارا نہیں، تمہاری کھوپڑی کا ہے جس میں دماغ کی جگہ بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ نہ تمہیں اچھے اشعار سمجھ آتے ہیں نہ کامن سینس کی باتیں۔"

"اب کون سی کامن سینس کی بات میں نہیں سمجھی؟" اینیا نے جل کر پوچھا۔

"دیکھو انو! جو باتیں میں کہنے لگا ہوں یہ بڑی فہم و فراست کی باتیں ہیں، اس لیے ایک ہی بار میں سمجھ لینا۔ میں بار بار نہیں دہراؤں گا، وہ جو تمہارے "بھیا" ہیں نا، جن کا نقشہ میرا مطلب ہے جن کے مزاج کا نقشہ کچھ کچھ کسی "جن" سے ہی ملتا ہے وہ ہماری ممی کو بھی ماں والی ریسپکٹ نہیں دیتے، یعنی وہ ممی کو Nobody سمجھتے ہیں جو سگی ماں کو Nobody سمجھتا ہے، وہ سوتیلے بہن بھائیوں کو Some body کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے ان کو اہمیت دینا یا ان کی تمہارا سن کر ہرٹ ہونا چھوڑ دو۔ تم جتنا ان کو اہمیت دو گی، اتنا ہی ان کے رویے سے ہرٹ ہو گی۔ جب ان کے نزدیک ہماری کوئی اہمیت نہیں تو ہم انہیں اہمیت کیوں دیں۔ ہم بھی انہیں Nobody سمجھیں گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا، مجھ پر آیت الکرسی اور قل پڑھ کر پھونک دو۔ وہ دیکھو وہ حسینہ کب سے مجھے گھور رہی ہے لیکن اس کے دانت مجھے پسند نہیں آئے۔ اتنے لمبے ہیں کہ ٹھوڑی تک آ رہے ہیں۔

بھئی میں تو آج شہزادہ لگ رہا ہوں، کہیں یہ گڈ بنی (Bugs bunny) کی سوتیلی بہن مجھے نظر ہی نہ لگا دے۔ اس لیے میں تو چلا۔"

وہ بائیک اُڑا لے گیا، اجیا مسکرا کر گیٹ عبور کر گئی۔ ولید کی باتیں اسے سمجھ میں آئی ہوں یا نہیں، شبیہ العباس کی جھاڑ سن کر ذہن پر چھائی کثافت ضرور ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رات کا دوسرا پہر تھا اور کھڑکی سے جھانکتے آسمان پر ستاروں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔

جھینگروں اور مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازوں نے رات کے مخصوص تاثر کو بہت شدید کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی کوئی کونج کرلاتی ہوئی گزرتی تو اس کی آواز رات کے منظر پر خراش سی ڈال دیتی تھی۔

زہرہ بڑی دیر سے کروٹ کے بل لیٹی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، اس کا ایک ہاتھ نامحسوس انداز میں گہری نیند سوئی جنت کو تھپک رہا تھا پھر اس نے کروٹ بدلی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

ایک اضطراب ایک بے چینی سی تھی جو دوپہر سے اسے لاحق تھی اور جس نے اس کی نیند بھی اُڑا رکھی تھی۔ کروٹیں بدلنے کے ساتھ ساتھ وہ وقتاً فوقتاً دین محمد پر بھی نظر ڈال لیتی تھی جو کچھ فاصلے پر حساب کتاب کے رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے ذرا سی گردن موڑ کر جنت کو دیکھا، جنت گہری نیند سو رہی تھی۔ وسائی کی پیش گوئی کے عین مطابق اس کی پیشانی پر تین ٹانکے لگے تھے، پورے سر پہ پٹی بندھی ہوئی تھی اور زعفران گھلی رنگت اس وقت کملائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً بیٹی کی حالت دیکھ کر زہرہ از سر نو تڑپ جاتی مگر اس وقت اسے بڑی گہری سوچ لاحق تھی جس نے اسے فکر مندی بھی نہ ہونے دیا۔

"کیا بات ہے زہرہ! نیند نہیں آ رہی؟" دین محمد کب سے اسے کروٹیں بدلتے دیکھ رہا تھا بالآخر پوچھ ہی لیا۔ اس کی آواز نے کمرے میں پھیلے سناٹے کو تحلیل کر دیا تھا۔

زہرہ نے بے اختیار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا، دین محمد ابھی بھی رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں جی! بس ایسے ہی بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ "دل بڑا گھبرا رہا ہے اللہ خیر کرے۔"

"دل تو گھبراتا ہی ہے جنت کے اتنی چوٹ لگ گئی۔ ہسپتال لے کر جاتے ہوئے میرا ہاتھ خون وخون ہو گیا تھا۔ اب جب تک زخم بھر نہ جائے بے چینی ہی رہے گی۔"

دین محمد نے جنت پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ زہرہ اس کی اس حد تک مبالغہ آرائی پر ذرا بھی حیران نہ ہوئی۔ جتنی دین محمد کو جنت سے محبت تھی، اس میں خون کا ایک قطرہ بھی بہتا محسوس ہونا فطری سی بات ہے لیکن زہرہ کو پہلی بار بے زاری ضرور محسوس ہوئی تھی۔

وہ یہ بھی جانتی تھی جو بات دین محمد سے کہنے کے لیے پر تول رہی ہے، اسے سن کر وہ خفا ہو گا۔ جنت سے اس کی غیر معمولی محبت ایسی ہی خفگی

کی متقاضی تھی، لیکن کہے بنا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔

زہرہ کو پریشانی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا جس سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر چلانا زہرہ کی مجبوری تھی۔

"ہوا چلنے لگی ہے۔ کھڑکی بند کر دیتی ہوں۔"

زہرہ نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اُٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دین محمد نے اسے ٹوک دیا۔

"اُٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چارپائی ہلنے سے جنت کی نیند خراب ہوگی، کھڑکی میں بند کر دیتا ہوں۔"

زہرہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

دین محمد نے کھڑکی بند کی اور احتیاط سے چارپائی کی پائنتی پر بیٹھ کر محبت پاش نظروں سے جنت کو دیکھنے لگا۔ چارپائی احتیاط کے باوجود بہ آواز بلند چرچرائی تھی اور اس چرچراہٹ نے جنت کی نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔

"کیسی کملا گئی ہے میری بچی، بھائی رفیق درمیان میں نہ آیا ہوتا تو میں نے اس فاروق کی گچی (گردن) مروڑ دینی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے اولا دسرچڑھا رکھی ہے۔ اللہ قسم ایسے بال (بچے) میرے ہوں تو سیدھا کر کے رکھ دوں۔"

پھر اس نے دبی دبی سی اور تلخ آواز میں فاروق کو بے دریغ دو تین گالیاں دیں۔ جنت نے آنکھیں کھول کر نیند بھری آنکھوں سے باپ کو اپنے قریب بیٹھا دیکھا۔ گلابی لب پھیلا کر مسکرائی اور کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔

دین محمد اسے چاہت سے تھپکتا رہا۔

زہرہ کو جب یقین ہو چکا کہ جنت سو چکی ہے تو اس نے بہت سوچ سمجھ کر بلکہ ناپ تول کر بات کا سرا پکڑا۔

"سنیں جی! میں ایک بات کہوں اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔"

"بے جھلی نہ ہو تو۔" دین محمد اس کی سادگی پر ہنسا۔

"آگے تیری کسی بات کا برا مانا ہوں؟ اور اب تو مان بھی نہیں سکتا، میری رانی کی ماں ہے تو۔ اتنا پیارا تحفہ دینے والی کی بات بری نہیں لگ سکتی مجھے۔" اس نے جھک کر جنت کے سر کا بوسہ لیا تھا۔

"دیکھیں جی! میری بات کو ٹھنڈے دماغ کے ساتھ سننا ہے آپ نے۔ سیانے کہتے ہیں بچہ جب تک چوٹ نہیں لگوا تا بڑا نہیں ہوتا۔ جتنی بار چوٹ کھائے گا اتنی بار گر کر سنبھلنا سیکھے گا۔ جنت کے چوٹ لگنا مقدر میں تھا سو لگ گئی۔ ہم کب تک واویلا کرتے رہیں گے کہ ہماری بیٹیا کے خون نکلا ہے۔ ہو سکتا ہے فاروق کی بھی کوئی غلطی ہو لیکن اتنی معمولی سی بات کے لیے رشتے ناتے تو نہیں توڑے جا سکتے نا! اور نہ ہی یہ سیانوں والی باتیں ہیں۔ ہم نے خاندان برادری سے منہ تو نہیں موڑنا نا میری بات مانیں صبح جا کر زبیدہ باجی اور رفیق بھاء کو منالیں۔ اماں بھی خوش ہو جائیں گی اور خاندان ٹوٹنے سے بھی بچ جائے گا۔"

"دماغ تو ٹھیک ہے تیرا۔" دین محمد حسب توقع بھڑک کر بولا تھا۔

"جس کی وجہ سے میری بیٹی نے اتنی تکلیف سہی ہے، انہیں منانے جاؤں، مر نہ جاؤں اس سے پہلے۔"

"ہائے ہائے، ایسی بھی کیا تکلیف اٹھائی ہے اس نے۔ ایسی چھوٹی موٹی چوٹیں تو بچے ہنسی خوشی سہہ جاتے ہیں۔ میں کہتی ہوں جنت کو اتنی سول جان (سہل پسند) نہ بنائیں، کل کلاں کو رخصت بھی کرنا ہے ایسی نازک مزاجیاں لڑکیوں کو نہیں سجتیں پھر آپ کو صرف بیٹی کی فکر ہے۔ یہ بھی تو دیکھیں دوسری طرف بہن ہے۔"

"تو بہن نے بھی تو بیٹے اور شوہر کے لیے مجھے پیچھے دھکیلا ہے۔ جب اس نے بھائی، بھانجی کی پروا نہیں کی تو میں کیوں کروں۔ اتنے سال بہنوں کے ناز بھی تو اٹھائے ہیں، آج اسے سب بھول گیا۔ میں اپنی بیٹی کو تکلیف پہنچانے والے کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ منانے جانا تو دور کی بات ہے۔" دین محمد نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"باقی بات رہی جنت کو رخصت کرنے کی تو اس کی فکر میں نہ پڑو، میں سوچ چکا ہوں اپنی لاڈو کے لیے ایسا لڑکا ڈھونڈوں گا جو اسی گھر میں رہے، میری جنت مجھ سے دور نہ ہو۔" زہرہ دنگ رہ گئی۔

"کیا کہہ رہے ہو جی؟ گھر جوائی بناؤ گے؟"

"ہاں یہی سوچا ہے، بس اس موضوع پر دوبارہ بات نہ کرنا۔ میری جنت ساری زندگی میرے پاس رہے گی۔ تم کیسی ماں ہو، بیٹی کی تکلیف یا دوری کی ذرا پروا نہیں۔ دیکھ جنت! تیرا باپ ہی تجھ سے محبت کرتا ہے ماں کو تو بالکل بھی محبت نہیں۔"

دین محمد نے تلخی سے کہا اور کروٹ بدل لی، جب کہ زہرہ نے سر پیٹ لیا تھا۔

"اس آدمی کو تو بیٹی کی محبت نے بالکل ہی سودائی کر دیا ہے۔" یہ نہیں کہ اسے جنت سے محبت نہیں تھی لیکن چونکہ وہ عورت تھیں اس لیے بچی کی پرورش میں ہونے والی کوتاہیوں کے نتائج خدشات بن کر اسے ڈرا رہے تھے۔

ورنہ ماں کی محبت کا بھی کوئی مقابلہ ہے؟

وہ سوچ رہی تھی اور اس کی سوچ سے بے خبر قریب لیٹی ننھی جنت کا معصوم ذہن، ماں باپ کی محبت کو اپنی سمجھ کے مطابق پسندیدگی کے ترازو میں تول رہا تھا۔

"ابا مجھ سے محبت کرتے ہیں، اماں کو بالکل پیار نہیں۔"

ننھے ذہن کی پرواز بس یہاں تک ہی تھی لیکن یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ نیچی اڑان بھرنے والے اونچی پرواز ضرور کرتے ہیں۔ جلد یا بدیر یہ فیصلہ تقدیر کرتی ہے۔

☆☆☆

"آپ کی طبیعت اتنی خراب تھی تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا میں آج گھر سے نکلتی ہی نہیں۔"

سوپ کا باؤل ثمینہ کو پکڑاتے ہوئے ہادی نے یہ بات کوئی دسویں مرتبہ دہرائی تھی۔ اس روز واپسی میں خاصی دیر ہو گئی تھی اور گھر میں داخل

ہوتے ہی شازیہ نے خوب نمک مرچ لگا کر اسے ثمینہ کی بیماری کا قصہ سنا دیا تھا۔ وہ کچھ نہ بھی بتاتی تو ثمینہ کی زرد رنگت اور خستہ حال چہرہ اسے ساری کہانی سنا دیتے۔

ماوی یک دم بے حد پریشان ہو گئی تھی۔ اپنی حد درجہ پریکٹیکل اپروچ کے باوجود وہ ماں کے لیے بہت جذباتی تھی۔ ان کی معمولی سی تکلیف بھی اسے حواس باختہ کر کے رکھ دیتی تھی۔ وہ بار بار پچھتاوے کا شکار ہوئی کہ آج گھر سے کیوں نکلی۔ ایک ہی جملہ کبھی وہ پریشانی اور کبھی خفت سے دہراتی۔ اس وقت بھی وہ واپس کچن میں جانے کے بجائے ان کے پاؤں کی جانب بیٹھ گئی تھی اور فکر مندی سے ثمینہ کا زرد رنگت والا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

ثمینہ کو بے ساختہ ماوی پر پیار آیا۔ ان کی بیٹی ان کے لیے ایسے فکر مند ہو رہی تھی جیسے کوئی ماں بچے کے لیے ہوتی ہے۔ ''ماوی! یہ یخنی مجھ سے نہیں پی جائے گی۔ اب تو کچھ کھانے کے لیے دے دو۔'' ثمینہ نے اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے کہا تھا۔

''سادہ یخنی نہیں ہے، میں نے اسے سوپ کی طرح بنایا ہے۔ پی کر تو دیکھیں ممی! آپ کو پسند آئے گی۔''

''دو گھنٹے پہلے بھی ایک پیالہ تم نے مجھے یہی کہہ کر پلایا تھا، اسے تو میں نے خود پر جبر کرتے ہوئے پی لیا مگر دوسری مرتبہ ہمت نہیں کر سکتی ہم پلیز مجھے تھوڑا سا لزانیہ ہی لا دو۔''

ماوی ان کی بات سن کر ہنس دی۔

''یاد ہے کہ ایسے کئی بدذائقہ پیالے آپ نے بھی مجھے پلائے ہیں۔''

''شاباش ہے بیٹی! بڑے اچھے وقت پر بدلے لے رہی ہو۔'' ثمینہ مسکرائیں۔

''لیکن اپنے الفاظ فوراً واپس لو۔ میں اتنی بری کوکنگ ہرگز نہیں کرتی۔''

''آپ بیمار ہیں اب آپ سے کیا بحث کروں۔ کیا یاد کریں گی آپ بھی لے لیتی ہوں اپنے الفاظ واپس۔'' وہ احسان کرتے ہوئی بولی۔

''اچھا جی شکریہ...... اب اٹھو اور میرے لیے لزانیہ لے کر آؤ۔''

''جی نہیں، ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کا کہا ہے آپ کو۔ اس لیے آپ یہی سوپ پئیں۔''

''ڈاکٹر نے ہلکی پھلکی غذا کھانے کو کہا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خود کو سزا دو۔''

''اب اتنا برا سوپ بھی نہیں ہے۔'' ماوی خفا ہو کر بولی۔

''ہاں میری چندا! اتنا برا نہیں ہے مگر میرے منہ کا ذائقہ بہت خراب ہو رہا ہے۔ لزانیہ کے چند نوالے کھاؤں گی تو خاصا فرق پڑے گا۔''

''آپ تو بچوں کی طرح ضد کر رہی ہیں ممی!''

''تم بھی تو میری ممی بنی ہوئی ہو۔'' وہ چڑ گئیں۔ ماوی اٹھ کر کچن میں گئی اور لزانیہ مائیکرو ویو میں گرم کر کے لے آئی جو گھر آتے ہوئے ایک مشہور فاسٹ فوڈ سے پیک کروایا تھا لیکن گھر آتے ہی ممی کو دیکھ کر ایسے ہاتھ پیر پھولے کہ سب بھول گئی۔

پلیٹ میں لزانیہ کے ایک بڑے ٹکڑے کے ساتھ چھری کانٹا اور ساس رکھی ہوئی تھی۔

''ایک پیالہ سوپ کے ساتھ صرف چند نوالے ملیں گے آپ کو۔ وہ بھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے۔ ضد نہیں چلے گی۔ ایک بار طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر جو مرضی کھائیے گا۔ میں نہیں روکوں گی۔ سچ ممی! مجھے پتا ہوتا آپ کی طبیعت اتنی خراب ہے تو گھر سے کسی قیمت پر نہ نکلتی۔''

''بھئی اتنے اہم کام تھے تمہارے۔ تم خود بتاؤ کیا کوئی ایک بھی کام ایسا تھا جسے میری خاطر ملتوی کیا جاتا۔''

''کمال کرتی ہیں آپ بھی، بھلا آپ سے زیادہ امپورٹنٹ بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔'' ماوی نے ناراضی سے کہا۔ ''لیکن آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔'' اسے ابھی غم کھائے جا رہا تھا۔

''اچھا چھوڑو اس بات کو...... میں نے ابھی صرف دو لقمے لیے ہیں دو اور لوں گی۔ شاپنگ مکمل ہو گئی۔'' ثمینہ نے تاکید کے ساتھ ہی پوچھا تھا، ماوی مسکرا کر اسی کانٹے سے خود کھانے لگی۔

''مکمل تو خیر نہیں ہوئی لیکن کافی کچھ خرید لیا۔ منیزہ آنٹی کی وجہ سے کافی سہولت ہو گئی۔ ممی! میں آپ کے لیے بہت پیارا مووکلر کا سوٹ لائی ہوں۔ اس کا دوپٹہ دکھاتی ہوں آپ کو۔ سوٹ تو سلائی کے لیے ٹیلر کو دے آئی ہوں۔''

''بہت اچھا کیا۔ بس ٹیلر کو تاکید کر دی تھی کہ گلا گہرا نہ بنائے۔ مجھے سخت اُلجھن ہوتی ہے ڈیپ نیک سے۔''

''جی کہہ دیا تھا۔ میں برٹش کونسل بھی گئی تھی۔ شکر ہے دو تین کتابیں میرے تھیسز سے متعلق مل گئی ہیں مجھے، لیکن زیادہ نہیں، آدھ گھنٹے میں تو میں ڈھنگ سے پوری لائبریری نہیں دیکھ سکی، کتابیں کیا ڈھونڈتی۔ ویسے توقیر انکل سے ڈسکس کیا تھا میں نے۔ وہ کہنے لگے ان کی کوئی کزن کسی کالج میں پروفیسر ہیں اور توقیر انکل کا خیال ہے میرے ریسرچ ورک کے سلسلے میں وہی میری مدد کر سکتی ہیں۔ میں نے کہا انکل آپ سوچئے نہیں فوراً سے پیشتر ان سے میری میٹنگ اریج کروا دیں۔''

''توقیر کا بیٹا اب کیسا ہے؟'' ثمینہ نے پوچھا اسی بیٹے کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے پہلے روز توقیر صاحب انہیں منزل تک پہنچانے نہ پہنچ سکے تھے۔

''پہلے سے کافی بہتر ہے۔ ٹخنہ فریکچر ہوا ہے، ٹھیک ہونے میں ٹائم تو لگے گا۔ آپ ٹھیک ہو جائیں پھر ہم عیادت کے لیے ان کے گھر چلیں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے بھی پہلے ہی خیال آ رہا تھا توقیر کیا سوچتا ہوگا۔ کتنی مدد کر رہا ہے وہ ہماری اور ہمیں اتنی توفیق نہ ہوئی۔ ایک بار گھر جا کر اس کے بیٹے کا حال ہی پوچھ لیں۔'' ثمینہ نے کہا تو ماوی نے فقط اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آج ثروت بھی آئی تھیں۔'' معاً ثمینہ کو یاد آیا تو بتانے لگیں۔

''ثروت......؟''

''مسز دانیال حسن۔'' ثمینہ نے بتایا۔

''اوہ مالک مکان کی بیوی۔'' ماوی نے بس اتنا کہا پھر پوچھنے لگی۔

''اینا بھی ان کے ساتھ آئی تھی؟''

''نہیں وہ تو نہیں تھی۔ مسز دانیال کو بھی شازیہ بلا لائی تھی، وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں۔''

''اچھا اس کا مطلب ہمدرد روح ہے ان کے اندر۔ شکل سے تو بڑی روڈ لگتی ہیں۔'' مادی نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

''ہائے روڈ کہاں؟'' اتنی پولائٹ نیچر کی ہے وہ تو...... مجھے تو بڑی اچھی لگی۔ ویسے تمہاری ملاقات کب ہوئی؟''

''ملاقات نہیں ہوئی، انہیں چند روز پہلے لان میں بیٹھے دیکھا تھا تو میں ہیلو ہائے کرنے آگے بڑھی تو وہ منہ موڑ کر چلی گئیں۔''

''اچھا حیرت ہے۔ ایسا رویہ دکھانے والی تو نہیں لگی مجھے۔ ملنسار اور خوش اخلاق لگی تھی۔ ممکن ہے اس نے تمہیں دیکھا نہ ہو یا اپنی کسی پریشانی میں ہو۔'' ثمینہ کے پاس ہر کسی کے ناپسندیدہ رویے کی کوئی نہ کوئی توجیہہ ضرور تیار ہوتی تھی، جو اس کے گھٹتے نمبر بڑھا دے۔

مادی نے کسی قسم کا اظہار نہ کیا خاموشی سے کھاتی رہی۔

چند منٹ کے بعد ثمینہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''ایک بات کہوں مادی! مجھے لگتا ہے میں نے مسز دانیال کو کہیں دیکھا ہے۔'' مادی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''اچھا...... لیکن کہاں؟''

''یہی تو یاد نہیں آ رہا۔ میں تب سے یہی سوچ رہی ہوں کہ ثروت کا چہرہ مجھے اتنا جانا پہچانا سا کیوں لگا ہے۔ شاید اس کی شکل کسی ٹی وی آرٹسٹ سے ملتی ہے یا اس کے بولنے کا انداز ویسا ہے۔ تمہیں اس کا چہرہ دیکھ کر کسی کی یاد آئی؟''

مادی نے نفی میں سر ہلایا تو بولیں۔

''پھر مجھے اس کا چہرہ اتنا مانوس کیوں لگا ہے؟'' انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''ممی! میں سمجھ گئی کہ آپ کو مسز دانیال سے مانوسیت کا احساس کیوں ہو رہا ہے۔'' یک دم مادی نے کہا۔ ثمینہ پُر اشتیاق انداز میں اس کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگیں تو آنکھیں مٹکا کر بولی۔

''آپ انڈین موویز دیکھتی ہیں نا! ان میں ایسی ہی اسٹوریز ہوتی ہیں۔ دو جڑواں بہنیں۔ ایک قم کے میلے میں گم ہو گئی، دوسری آئر لینڈ پہنچ گئی...... او گاڈ...... ممی! اسیم ٹیپکل اولڈ اسٹوری۔ مبارک ہو آپ کو آپ کی جڑواں بہن...... سوری قم کے میلے میں گم ہوئی جڑواں بہن مل گئی۔''

وہ رتی بھر بھی سنجیدہ نہ تھی۔ ثمینہ نے گھور کر اسے دیکھا اور خالی پیالہ ٹرے میں پٹخ دیا۔

''تم بہت ہی بدتمیز ہوتی جا رہی ہو مادی!''

''ارے واہ...... بہن ملی نہیں کہ بیٹی بری لگنے لگی۔'' اس نے ہنستے ہوئے انہیں چڑایا تھا۔

''چلو اٹھو کر برتن سمیٹو۔ میں خود ہی سوچ لوں گی مسز دانیال کو کہاں دیکھا ہے۔''

''اوہ شیور...... میرا کولڈ ڈرنک پینے کو دل چاہ رہا ہے، آپ پئیں گی؟'' مادی نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے اور میرا خیال ہے فریج میں بھی کولڈ ڈرنک نہیں ہے۔ کل ہی ختم ہو گئی تھی۔'' ثمینہ نے بتایا تو مادی بولی۔

"یہاں قریب ہی میں نے ایک شاپ دیکھی تھی۔شاید بیکری تھی۔وہاں سے لے آتی ہوں۔"

"اس وقت؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے مادی!" ثمینہ نے وال کلاک کی طرف دیکھا، سات بج رہے تھے۔"یہ لاہور ہے، ڈبلن نہیں کہ تم آدھی رات کو بھی گھر سے نکلو اور بخیریت واپس آجاؤ۔دہشت گردوں اور ڈاکوؤں نے ہوش اُڑایا ہوا ہے، اس لیے تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ایک دن کولڈ ڈرنک نہ ہوگی تو کچھ فرق نہ پڑے گا صحت کو۔"

"آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں، پورا شہر روشنیوں میں ڈوبا ہوا ہے، پھر گلی کے کارنر پر واچ مین بھی بیٹھا ہوا ہے۔میں یوں گئی اور یوں آئی۔ آپ بے فکر رہیں، میں بچی نہیں ہوں کہ کوئی نقصان پہنچا دے۔"

ثمینہ کی آوازوں کی پروا کیے بغیر وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

شبیہ کے دوستوں کی آمد عین اس وقت ہوئی جب وہ کچھ دیر سونے کے خیال سے بیڈ پر لیٹ چکا تھا، اس کی عادت تھی۔سر شام سو جاتا، پھر تہجد سے پہلے اُٹھ کر طلوع آفتاب تک پڑھتا۔چند منٹ وہ کروٹیں بدلتا باہر سے آنے والی آوازیں سنتا رہا۔اخلاقیات کا مارا ضمیر گوارا نہیں کر رہا تھا کہ گھر میں مہمان آکر بیٹھے ہیں اور وہ نیند نہ آنے کے باوجود سوتا بنا رہے۔

ناچار اُٹھ کر باہر آ گیا۔

سجاول اور عذیر واپسی کے ارادے سے کھڑے ہو چکے تھے۔دوست تو خیر شبیہ کے تھے مگر اس سے بھی اچھے روابط تھے، تب ہی بڑی خوش خلقی سے حال احوال دریافت کیے گئے۔

"تم لوگ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو، میں چائے بناتا ہوں۔"

اس نے حق میزبانی نبھانا شروع کیا۔

"ایں.....چائے تم بناؤ گے، وہ تمہارا "اجمل" کیا ہوا؟" عذیر نے پوچھا۔

"اجمل چھٹی پر گاؤں گیا ہے۔نیا ملازم آجانے تک سب کام خود کرنا پڑیں گے۔" جے ڈی نے جواب دیا تو سجاول جلدی سے بولا۔

"معاف کرنا یار! تمہارے تجربے کی نذر میں اپنی جان نہیں کر سکتا۔"

"یار! جے ڈی اچھی چائے بناتا ہے، میں تو سوچ رہا ہوں اجمل کی مستقل چھٹی کر دی جائے۔" شبیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کا مطلب.....تمہارا معدہ، پہلا تجربہ بڑی خوبی سے برداشت کر چکا ہے، چلو پھر ہم بھی ہمت کر لیتے ہیں۔" سجاول راضی ہوا تو عذیر ٹھٹک گیا۔

"جے ڈی! چائے اُدھار کر لیتے ہیں پھر کبھی سہی۔ہم تو شبیہ کو اسائنمنٹ کی سوفٹ کاپی دینے آئے تھے۔صبح اسائنمنٹ جمع کروانے کی آخری تاریخ ہے اور میرا تقریباً سارا ہی کام نامکمل پڑا ہوا ہے۔ابھی جا کر سرچنگ شروع کروں گا تب بھی صبح ہو جائے گی۔"

''اچھایاد کروایا مجھے بھی احسن نے اپنی اسائنمنٹ میں مدد کے لیے کہا تھا۔'' سجاول نے کہا پھر تیزی سے بولا۔

''عذیر! تمہیں یاد ہے نا تم نے مجھے برگر کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔''

''برگر رہنے دو سجاول! ہمارے بلاک میں ایک نئی بیکری کھلی ہے وہاں کی چاکلیٹ پیسٹریز بہت زبردست ہیں۔ آج وہ ٹرائی کرلو۔''

جے ڈی نے اس کی معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ مشورہ بھی دیا تھا۔ سجاول اور عذیر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا فوراً راضی ہو گئے۔

''جے ڈی! ہم بھی ان کے ساتھ نہ چلیں؟ میرا بھی پیسٹری کھانے کا دل چاہ رہا ہے۔'' شمیہ کے کہنے پر وہ چاروں ہی باہر نکل آئے۔

''ویسے یہ برگر تھا کس خوشی میں؟۔''

عذیر اور سجاول ہنسنے لگے تھے پھر عذیر بولا۔

''تم لوگوں کو حیا اور شوال والے قصے کا تو پتا ہی ہوگا سجاول کا خیال تھا ان دونوں کا افیئر چل رہا ہے لیکن میرا خیال تھا یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تین مہینے پہلے حیا نے بڑی دھوم دھام سے منیب سے منگنی کروائی ہے۔ اسی بات پر ہم دونوں کی شرط لگی ہوئی تھی۔ آج صبح ہی خبر ملی ہے کہ حیا نے منیب سے منگنی توڑ کر شوال سے رشتہ پکا کروا لیا ہے۔ بس یہ برگر اسی رشتے کا ہرجانہ ہے۔'' وہ اپنے کلاس فیلوز کا قصہ سنا رہا تھا۔

جے ڈی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''حیا نے پھر منگنی توڑ دی۔ بے چارہ منیب تو بہت ہرٹ ہوا ہوگا وہ تو بہت مخلص تھا حیا کے ساتھ۔ منگنی کی خوشی میں اس نے اپنے دوستوں کو میریٹ میں ڈنر بھی دیا تھا۔''

''اطلاع کے لیے عرض ہے منیب نے اس بار بھی اپنے دوستوں کو ڈنر دیا ہے۔ وہ بھی میریٹ میں نہیں بلکہ پی سی میں۔'' سجاول نے مزے سے کہا تھا۔

''بے چارہ صدمے سے پاگل ہو گیا ہوگا۔'' جے ڈی کو اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا۔ 'حیا کے ساتھ تو کتنا خوش تھا وہ۔''

لڑکے ہنسنے لگے۔

''او بدھو خان! کس دنیا میں رہتا ہے تُو۔'' سجاول نے اس کے سر پر چپت لگائی تھی۔ ''منیب تو ہر اس لڑکی کے ساتھ خوش رہتا ہے جو اس جیسے گھامڑ کو ہر وقت گھاس ڈال رہی ہو۔ باقی بات رہی حیا بی بی کی تو اس سال میں یہ اس کی چوتھی منگنی ہے جو بالآخر اپنے انجام کو پہنچی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس منگنی کا دورانیہ پچھلی تین منگنیوں سے بہر حال زیادہ تھا۔ دیکھتے ہیں اب اس نئی منگنی کا کیا حشر ہوتا ہے۔''

''ایسا تو مت کہو..... کیا پتا حیا اس بار شوال کے ساتھ ہی مخلص ہو۔'' جے ڈی نے حسب عادت بہتری کی اُمید رکھی تھی۔

''میرے خیالات بھی کچھ کچھ تمہاری طرح ہی تھے جے ڈی لیکن حیا جیسی لڑکی سے کسی اچھائی یا نیکی کی اُمید غلط ہے۔ بلکہ وہ ہی کیا ہمارے کلاس کے اکثر لڑکے لڑکیاں ٹائم پاس کے لیے ہی سب کر رہے ہیں بس حیا صاحبہ کی بہادری یہ ہے کہ وہ ہر افیئر ڈنکے کی چوٹ پر چلاتی ہے۔''

''نہیں عذیر! میرا دل نہیں مان رہا۔ یہ ساری باتیں کوئی محض ٹائم پاس کے لیے کسی کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا سکتا ہے یہ تو سراسر

دھوکہ بازی ہے۔"

وہ بے چارہ سدا کا معصوم، چونکہ خود کسی کو دھوکہ دینا گناہ سمجھتا تھا لہٰذا خیال یہی تھا ساری دنیا اسی کلیے پر کاربند ہے۔

"یہ باتیں تمہیں سمجھ میں آ بھی نہیں سکتیں کیونکہ تم سرٹیفائیڈ (تصدیق شدہ) احمق ہو۔" شبیہ نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"بیکری سے پیسٹریز خرید کر وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ عذیر نے ڈیپارٹمنٹ میں گردش کرتے کسی نئے افیئر کا قصہ چھیڑ دیا، تب ہی سجاول نے ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

"اس لڑکی کو دیکھنا، یہ جو بیکری کے باہر کھڑی ہے۔ یہ رابعہ مدثر نہیں لگ رہی؟" اس نے پُرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"کون رابعہ مدثر؟ وہ جو سیکنڈ سمسٹر...... میں یونیورسٹی چھوڑ گئی تھی؟" جے ڈی نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں...... وہی۔"

"نہیں سجاول! یہ وہ رابعہ نہیں ہو سکتی۔ رابعہ تو اتنی لمبی تھی، اس لڑکی کی ہائیٹ تو بمشکل فائیو تھری لگ رہی ہے۔" عذیر نے فقافٹ اندازہ لگایا تھا۔

"یار! ویسے رابعہ بھی بڑی دلچسپ لڑکی تھی، یاد ہے شبیہ کے کیسے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی۔" سجاول کو یک دم یاد آیا تھا اور ان سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔

"اور یہ ہمارا ایگری بینک مین...... مجال ہے جو کبھی بے چاری کو ذرا سی بھی لفٹ کروائی ہو۔" جے ڈی نے کہا تھا۔

"ہاں...... ابھی لفٹ نہ کروانے پہ یہ حال تھا کہ شبیہ پر نظر پڑتے ہی ٹن ہو جاتی تھی اور اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتی تھی، کبھی یہ لفٹ کروا دیتا تو اس کا کیا حال ہونا تھا۔"

ایک اور قہقہہ بلند ہوا تھا۔ شبیہ نے البتہ صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"تم لوگ کھڑے ہو کر رابعہ کو یاد کرو، میں یہ کوک بدلوا کر لاتا ہوں۔ اس بوتل میں کچھ پڑا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

وہ بیکری کی طرف آ گیا۔ معاً اس کے پیر کے نیچے ایک پتھر آ گیا جس سے وہ لڑکھڑا سا گیا۔ محض چند لمحوں کے لیے اس کی نظریں سامنے سے ہٹیں اور انہی چند لمحوں میں وہ لڑکی اس سے ٹکرا گئی۔

☆☆☆

وہ گلیاں عبور کر کے وہ بیکری تھی جس کے بارے میں ہادی نے ثمینہ کو بتایا تھا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے واچ مین کی موجودگی کا یقین کر لیا تھا۔ گلی میں اپنے علاوہ اسے دو کافی قریبی مائل عورتیں بھی دکھائی دی تھیں جو غالباً وزن گھٹانے کی غرض سے بہت تیز تیز چل رہی تھیں۔ ہادی کو چونکہ ایسی کسی غرض کا سامنا نہیں تھا، لہٰذا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اردگرد کا جائزہ لیتی بیکری کی طرف چل دی۔

گو کہ ان چند دنوں میں اس علاقے کا حتی المقدور جائزہ وہ لے چکی تھیں اور قریبی مارکیٹیں بھی دیکھ لی تھیں تاکہ بوقت ضرورت اسے اور

ثمینہ کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چلتے چلتے مادی ایک بنگلے کے سامنے ٹھٹک کر رک گئی۔ یہ متمول افراد کا رہائشی علاقہ تھا اور یہاں تقریباً سارے ہی بنگلے، کوٹھیاں بڑے بڑے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں کی بیرونی زیبائش و آرائش پر جتنی محنت صرف کی ہوئی دکھائی دیتی تھی، اسے دیکھ کر بنگلوں کی اندرونی حالت کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہ تھا۔

جس بنگلے کے سامنے مادی کے قدم ٹھٹکے، اس کا وسیع و عریض گیٹ اور بالکونی کی گرل اتنی خوب صورت تھی کہ مادی سراہے بنا نہیں رہ سکی۔ پاکستان آ کر اس بات کا احساس اسے بڑی شدت سے ہوا تھا کہ بیرونی ممالک دکھائے جانے والے ٹی وی چینلز پاکستان کی بڑی حد تک غلط تصویر کشی کر رہے ہیں۔ بلاشبہ پاکستان میں گرد و غبار تھا، انتشار تھا، بدنظمی تھی، غربت اور دہشت گردی تھی مگر پاکستانیوں کے پاس پیسہ وافر مقدار میں تھا جو ان کے مکانات اور طرزِ رہائش میں صاف دکھائی دیتا تھا، وہاں آئرلینڈ میں اگر کوئی بہت رئیس ہوتا تو اپنا دو تین کمروں کا ذاتی فلیٹ یا اپارٹمنٹ افورڈ کر لیتا تھا لیکن یہ عیاشی بھی ان کے حصے میں آتی جو رئیس ابن رئیس مانے جاتے تھے۔

خود مادی بھی جب کبھی ٹی وی دیکھتی۔ پاکستانی نیوز چینلز، پاکستان کی غربت اور لاتعداد مسائل کا انبار بیان کرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ ان نیوز چینلز کی مہربانی ہی تھی کہ دوسرے ممالک میں بسنے والے افراد کی مجموعی رائے کے مطابق پاکستانی، پاکستان میں بھوکے مر رہے ہیں۔

مادی نے جب اپنے تھیسز کے سلسلے میں چھان بین شروع کی تو پاکستان کی اس درجہ غربت کو بھی مدِنظر رکھا تھا۔

لیکن یہاں آتے ہی جو منظر اسے دکھائی دیا وہ اس تصویر سے قطعی مختلف تھا جو نیوز چینلز دکھا رہے تھے۔ یہاں گھر تھے جن کو دیکھ کر محلوں کا گمان ہوتا تھا۔ بڑی بڑی گاڑیاں تھیں، عالی شان شاپنگ مالز تھے اور نیشنل اور انٹرنیشنل بینکوں کی بہتات تھی۔

"یا شاید یہ صرف اسی علاقے کا منظر ہے، ضروری نہیں کہ سارے پاکستان کا یہی حال ہو، مجھے ایسے ایریاز کو بھی وزٹ کرنا چاہیے جہاں غربت صحیح معنوں میں دکھائی دیتی ہو۔" وہ یہی سب سوچتے ہوئے بیکری تک پہنچ گئی۔

"ایک کولڈ ڈرنک دے دیں۔"

اس نے دکان دار سے کہا۔ دکان دار نے ایک طرف رکھے فریج کو کھول کر جائزہ لیا پھر اسے انتظار کرنے کا کہہ کر دکان سے منسلک ایک چھوٹے سے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ مادی کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے لاپروائی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پوری بیکری آرائشی روشنیوں سے جگمگ کر رہی تھی، جب کہ تاریک آسمان تلے پوری گلی اسٹریٹ لیمپس کے علاوہ بنگلوں کے باہر نصب الیکٹرک لیمپس کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ سناٹا ضرور تھا لیکن روشنی کی بہتات تھی۔

معاً مادی کو کچھ عجیب سا احساس ہوا، لاشعوری طور پر اس نے گردن موڑ کر داہنی طرف دیکھا پھر چونک سی گئی۔ کچھ فاصلے پر الیکٹرک پول کے نیچے کچھ لڑکے کھڑے تھے اور انہوں نے مادی کو ہی فوکس کیا ہوا تھا۔ ان کے پاس دو بائیک تھیں اور وہ کچھ کھا رہے تھے۔ مادی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ایک نے دھیمی آواز میں کچھ کہا تھا، پھر وہ سب ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تھے۔ مادی کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری چھا گئی۔ ان سب کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے کاؤنٹر کو زور سے بجانا شروع کر دیا۔

اسی وقت دکان دار باہر آیا اور اس نے کولڈ ڈرنک کی بوتل مادی کو پکڑا دی۔ اسی وقت لڑکوں کے قہقہے کی آواز اسے پھر سنائی دی تھی۔ ان کی نظریں تو اب تک مادی کو اپنے چہرے پر چپکی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی پے منٹ کر کے وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ یہ نہیں کہ ڈر یا گھبرا گئی تھی، بس یہ اس کی احتیاط پسندی تھی جو اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

پھر پتا نہیں کیا ہوا مگر سچ تو یہ ہے کہ جو ہوا برا ہوا۔ وہ جلدی میں ضرور تھی مگر اتنی عجلت بھی لاحق نہیں تھی کہ سامنے آتا لڑکا دکھائی نہ دیتا۔ مادی رخ موڑ کر ایک طرف سے نکلنا چاہتی تھی مگر وہ لڑکا سیدھا چلتا اس سے ٹکرا گیا۔ مادی ایسی حرکت کی توقع نہیں کر رہی تھی، اس لیے بری طرح لڑکھڑا گئی۔ کولڈ ڈرنک کی بوتل اُچھل کر دور جا گری لیکن لڑکے کے ہاتھ میں پکڑی بوتل کانچ کی تھی۔ زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گئی۔ کولڈ ڈرنک گری اس لڑکے کی شرٹ پر اور کانچ کا ایک بڑا سا ٹکڑا مادی کی ایڑھی میں پیوست ہو گیا۔

مادی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نما کراہ نکلی تھی اور وہ پیر پکڑ کر نیچے بیٹھ گئی۔

''ربش..... تمہیں دکھائی نہیں دیتا اندھی ہو کیا۔'' وہ لڑکا جھنجلا کر بولا تھا اس کے دوست بھاگ کے چلے آئے۔

''کیا ہوا ہے شبیہ؟۔''

مادی نے سر اُٹھا کر غضب ناک نظروں سے اس شبیہ نامی لڑکے کو گھورا جو شرٹ جھاڑتے ہوئے بار بار اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ مادی اس کی اداکاری پر عش عش کر اٹھی۔ پوری پلاننگ سے اس سے ٹکرانے کے بعد وہ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے یہ ایک حادثہ ہو جس میں ساری غلطی بھی مادی کی تھی۔

''اندھے ہو گے تم خود اور تمہارے ساتھی۔'' مادی نے بھی کسی لحاظ کے بغیر دو بدو کہا تھا۔

''پہلے تو آنکھیں بند کر کے چلتی ہو۔ میری ساری شرٹ خراب کر دی، اوپر سے اتنی بدتمیزی کر رہی ہو؟۔'' وہ غرایا۔

مادی کو پتنگے لگ گئے۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے، اتنا گہرا زخم لگ جانے کے بعد مجھے تمہیں پھولوں کے ہار پہنانے چاہئیں۔''

''تمہیں مجھ سے ایکسکیوز کرنا چاہیے..... حالانکہ میں تمہیں معاف تو پھر بھی نہیں کروں گا لیکن بہر حال مینرز بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شکل سے تو اچھی خاصی مہذب لگتی ہو۔'' شبیہ نے بدلحاظی کی حد کر دی تھی۔

''مائنڈ یور لینگویج پلیز.....'' مادی نے سلگ کر کہا، ساتھ ہی کانچ کا ٹکڑا ایک جھٹکے سے نکال کر دور اُچھال دیا اور کھڑی ہو گئی۔ ایڑھی سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا اور تکلیف کی لہر ایڑھی سے پنڈلی تک دوڑ گئی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے معاف کرو یا نہ کرو، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو تب پڑے گا جب میں معافی مانگوں گی۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن..... کسی کو اگر معافی مانگنا چاہیے تو وہ تم ہو کیونکہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرانے کی غیر اخلاقی حرکت تم نے کی ہے، میں نے نہیں اور دوسری بات یہ کہ مینرز تمہیں سیکھنا چاہئیں کیونکہ تم تو شکل سے بھی مہذب نہیں لگتے۔''

یہ پورا جملہ اس نے انگلش میں ادا کیا تھا، پھر اُردو سے اُنگلش بولتے ہوئے وہ عربی پر آ گئی تھی اور اس نے عربی میں شبیہ کو سخت سست سنانا شروع کر دی تھیں۔ انتہائی خوشی یا غصے کی حالت میں وہ ان تینوں زبانوں کا ملغوبہ بنانا شروع کر دیتی تھی اور یہ اتنی غیر ارادی حرکت ہوتی تھی کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان سے بھی نابلد شخص اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا۔

اب بھی یہی ہوا تھا۔ عربی کے بہ کثرت استعمال کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ان سب کے لیے تو یہی بات اچنبھے کا باعث بن گئی تھی کہ اس گلابیاں کھلی چمک دار رنگت والی لڑکی نے کتنے آرام سے ان کے گروپ کے سب سے ہینڈسم اور ویل مینرڈ لڑکے کو غیر مہذب قرار دے دیا ہے۔

تب ہی ان میں سے ایک لڑکے نے بڑھ کر کولڈ ڈرنک کی بوتل اُٹھائی اور ان دونوں کے درمیان آ گیا۔

"دیکھیے غلطی کسی کی بھی سہی۔ میں آپ سے ایکسکیوز کر رہا ہوں، پلیز آپ بات نہ بڑھائیں۔" اس نے ملتجی انداز میں کہا تھا۔ ماوی نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔ جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بوتل لی، کھا جانے والی نظروں سے شبیہ کو دیکھا اور اپنا زخمی پیر گھسیٹتی گلی کے کونے پر غائب ہو گئی۔

☆☆☆

اس لڑکی کے منظر سے ہٹتے ہی عذیر نے گہری سانس بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا جیسے مصیبت ٹل جانے پر شکر ادا کر رہا ہو۔

"یار! اس لڑکی کو دیکھ کر لگا تو نہیں تھا کہ اس کی آواز اتنی کراری ہو گی۔" جھینپی ہوئی ہنسی کے باوجود اس کا انداز صاف مذاق اُڑانے والا تھا۔ سجاول اور جے ڈی ہنس دیے۔

"چلو یہ تو کنفرم ہوا کہ یہ رابعہ مدثر نہیں تھی۔ وہ بے چاری تو اتنی سوفٹ اسپوکن تھی پھر شبیہ کو دیکھ کر اتنے روڈ لہجے میں بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔" سجاول کی بات پر بھی شبیہ نے اظہار رائے نہیں کیا، اس کے چہرے پر ابھی تک تناؤ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں ہی چونکہ شبیہ کے غصے سے واقف تھے، اس لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے، پھر سجاول نے ہی ہمت کر کے اسے مخاطب کیا۔

"اس رومال سے اپنی شرٹ صاف کر لو اور اس میں اتنا غصہ کرنے کی تو کوئی بات نہیں ہے شبیہ! جو بھی ہوا وہ مس انڈر اسٹینڈنگ کا نتیجہ تھا۔"

شبیہ نے اس کے ہاتھ سے رومال لے لیا اور اپنی شرٹ پونچھنے لگا۔ شرٹ کے اس گیلے حصے سے اسے سخت وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ دماغ پھٹنے کے قریب تھا اور دل و دماغ میں جیسے گرم ہواؤں کے جھکڑ سے چلتے محسوس ہو رہے تھے۔ کچھ دیر اسی طرح وہ غصے کی آگ میں سلگتا رہا، یہاں تک اسے سجاول اور عذیر کے جانے کی بھی خبر نہ ہو سکی۔ پھر جے ڈی نے اس کی آنکھوں کے عین سامنے کوک کا ٹن کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"پی لو۔ غصہ ختم ہو یا نہ ہو، کم ضرور ہو جائے گا۔" شبیہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ٹن لے کر کھولنے لگا۔

"سجاول اور عذیر؟"

"کب سے جا چکے۔" جے ڈی نے مختصرا جواب دیا اور کوک پینے لگا۔

شبیہ نے وہیں کھڑے کھڑے تین چار بڑے بڑے گھونٹ حلق میں اُتارے، بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے سے پڑے تو دماغ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک ٹھنڈک کا احساس پھیلتا چلا گیا، جب اس نے جے ڈی کی طرف دیکھا وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

"اچھا ہوا تم اس لڑکی اور میرے درمیان آ گئے، ورنہ اس نے میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔" متنفر، بے رحم لہجہ۔

جے ڈی نے بس ایک نظر ہی اسے دیکھا تھا اور اسے لگا شبیہ کی آنکھوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔

"پرسوں اگر میں وقت پر نہ آتا تو سعدی نے تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔ کل اگر میں نہ آتا تو ولید نے تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا تھا۔ آج تم اس لڑکی کے بارے میں یہی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے بتاؤ شبیہ! تم نے کتنے انسانوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کا ارادہ کیا ہوا ہے...... تاکہ میں بروقت ہر بار درمیان میں پہنچ کر معصوم، بے قصور انسانوں کو تمہارے غصے سے محفوظ رکھ سکوں۔"

اس قدر غصے کے باوجود جے ڈی کے آخری الفاظ پر اسے ہنسی آ گئی۔ اکل کھرا، بد مزاج، مغرور...... وہ سب کچھ تھا، اپنی غلطی ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ جے ڈی دنیا کا وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرتے شبیہ کو کبھی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔ بچپن سے دونوں کی دوستی مثالی تھی۔ تائی اماں کہتی تھیں دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک آگ تو دوسرا پانی۔ شاید تبھی اب تک نبھتی چلی آ رہی ہے۔ مبادا دونوں آگ کی سی فطرت والے ہوتے تو اب تک ایک دوسرے کو جلا کر بھسم کر چکے ہوتے۔

"ہاں تو ٹھیک ہے...... میں اپنی غلطی مان رہا ہوں۔ مجھے تمہارے دوست پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔" بڑا احسان کرنے والے انداز میں فرمایا گیا۔ جے ڈی کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

"بہت شکریہ...... بڑا احسان کیا آپ نے اپنی غلطی مان کر۔" غصہ کرنے کی باری اب اس کی تھی۔ اس نے خالی ٹن سڑک کے کنارے ڈسٹ بن میں اُچھالا اور بنا شبیہ کی طرف دیکھے گھر کی طرف چل دیا۔ شبیہ نے اس کی تقلید کی تھی۔

"اب غبارے کی طرح منہ کیوں پھلا لیا ہے؟ میں اپنی غلطی مان تو رہا ہوں، پھر یہ ناراضی کس خوشی میں؟ تم کیا چاہ رہے ہو ناراض محبوب کی طرح تمہارے قدموں میں بیٹھ کر تمہیں مناؤں؟ یہ نہیں ہو سکتا، اپنی غلطی مان رہا ہوں اسی کو میرا احسان سمجھو...... او بھائی! منہ میں کیا گلو ڈال لی ہے، بولتے کیوں نہیں ہو؟"

"تم کچھ نہ کرو۔ بس ایک احسان کر دو وہ بھی مجھ پر نہیں، خود اپنی ذات پر، یہ معمولی معمولی باتوں پر بھڑکنا چھوڑ دو۔ تم پاگل تو نہیں ہو، نارمل انسان ہو الحمدللہ...... پھر نارمل انسانوں کی طرح بی ہیو کیوں نہیں کرتے......؟ ذرا ذرا سی بات پر بھڑکنا اور مرنے مارنے پر تل جانا...... یہ تو پاگل پن کی نشانی ہے شبیہ......!"

تیز لہجے میں بولتے بولتے وہ جیسے تھک سا گیا تھا، کیونکہ یہ باتیں جو وہ آج وہ شبیہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، کوئی نئی نہیں تھیں۔ شبیہ ایک

گھر کے باہر بنے بینچ پر بیٹھ گیا۔ جیسے دیر تک اُٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

"گھر نہیں جانا...... بیٹھ کیوں گئے ہو...... چلو۔" جے ڈی نے خفگی سے کہا تھا۔

"تم جاؤ...... میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔" اس نے روٹھے پن سے کہا اور دوسری سمت میں دیکھنے لگا۔

"ناممکن!" جے ڈی نے سرعت سے کہا۔ "تمہیں اکیلے یہاں چھوڑ کر جانے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا، پھر کسی سے جھگڑ پڑو گے اور میرے واپس آنے تک دو تین لاشیں تو ضرور ہی بچھا دو گے...... نہ بھئی میں تو نہیں جاتا۔"

"پہلے کون سی لاشیں بچھائی ہیں میں نے؟" شیبہ نے سلگ کر پوچھا۔

"ارادہ تو آپ کا ہمیشہ سے رہا ہے۔" جے ڈی نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ شیبہ نے اسے غضب ناک ہو کر گھورا۔

"چلو اب بیٹھ گئے ہو میرے سرہانے تو کھول دو نصیحتوں کی پٹاری۔ تم تو کبھی کبھی مجھے اپنی اماں لگنے لگتے ہو جے ڈی!"

"جو سچ مچ تمہاری ماں ہیں انہیں تو اماں مانتے نہیں ہو۔" جے ڈی نے بے ساختگی میں کہہ تو دیا مگر بعد میں احساس ہوا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ تو خاموش معاہدہ تھا کہ اس موضوع پر بات نہیں کی جائے گی آج نہ کل، کبھی بھی نہیں۔

بدقسمتی سے جے ڈی خلاف ورزی کر بیٹھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس جسارت پر جبڑا تو ضرور ہی تڑوا لیتا۔

"پلیز...... میں اس ایشو پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" شیبہ نے کہا تو بس اتنا۔

"اچھا اپنے غصے پر کنٹرول تو کر سکتے ہو۔" جے ڈی نے سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے نادانستہ ٹوٹ گیا تھا۔

"یار نہیں ہوتا کنٹرول...... تمہیں کیا لگتا ہے میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔" اس نے اُکتا کر پوچھا تھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو، مجھے کبھی ناحق بات پر غصہ نہیں آتا۔ اسی بات پر آتا ہے جس پر آنا بھی چاہیے۔" وہ بضد تھا۔

"سعدی کو تم نے بلاوجہ مارا...... یہ تو مانتے ہو؟" جے ڈی نے پوچھا۔

"مجھے اسے مارنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ میں مانتا ہوں لیکن سعدی کی حرکت بھی غلط تھی۔ باہر سے کسی کو معمولی سا بھی شک پڑتا تو ہم دونوں کا نام خراب ہوتا تھا یعنی ہمارے خاندان کے نام پر حرف آتا تھا اور یہ بات مجھے کسی طرح منظور نہیں۔ بس اسی لیے ایک دم میں بھڑک گیا۔ حالانکہ سعدی کو سمجھایا بھی جا سکتا تھا مگر...... بس پتا نہیں کیسے میرا ہاتھ اُٹھ گیا۔"

"یعنی مانتے ہو کہ سعدی کو نہیں مارنا چاہیے تھا؟" جے ڈی نے پھر پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر تم یہ بھی مان لو کہ کل تم نے ولید پہ بے سبب اتنا غصہ کیا کیونکہ اس کی غلطی نہیں تھی۔"

"ہاں، میں یہ بات مان لوں پھر تم کہو گے ابھی جو کچھ ہوا اس میں اس لڑکی کی بھی غلطی نہیں تھی...... اور مجھے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے۔" شیبہ نے جل کر کہا تھا۔ جے ڈی نے متانت سے سر ہلا دیا۔

"ایکچولی، اس لڑکی کی غلطی نہیں تھی۔ میں نے دور سے دیکھا تھا وہ تو اپنے راستے پر ہی چل رہی تھی لیکن تمہارا دھیان کہیں اور تھا، اس لیے تم اس سے ٹکرا گئے۔"

"اونہہ...... تمہیں ہمیشہ میں ہی غلط لگتا ہوں...... کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جے ڈی! میرے سوا تم ساری دُنیا کے دوست ہو۔" وہ پھر خفا ہو گیا۔ جے ڈی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خلوصِ دل سے کہا۔

"میں ساری دُنیا کا دوست ہو سکتا ہوں مگر تمہارا سب سے بڑا مخلص بھی میں ہی ہوں...... اور اس لیے چاہتا ہوں تم اس غصے پر قابو پالو۔ یہ جو غصے کی آگ بار بار تمہارے اندر بھڑکتی رہتی ہے یہ کسی دن خدانخواستہ تمہیں ہی جلا دے گی۔ شیطان آگ سے بنا ہے اور غصہ شیطان کی طرف آتا ہے اور شیطان، انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔"

"ویسے میں ایک بات کلیئر کر دوں، اس روز سعدی ٹیلی اسکوپ سے اینیا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ان لوگوں کے گھر کوئی مہمان لڑکی آئی تھی، سعدی نے ٹیلی اسکوپ اسی لڑکی کو دیکھنے کے لیے سیٹ کی تھی۔" جے ڈی کے انکشاف پر شبیہ کو حیرت و بے یقینی کا جھٹکا لگا تھا، یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ فوری طور پر اپنے تاثرات چھپا بھی نہیں سکا۔

"تو میں کیا کروں......؟ مجھے کیوں بتا رہے ہو۔" چند لمحے بعد اس نے اپنے تاثرات چھپا کر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تاکہ تم اپنی غلطی مان کر تھوڑا سا شرمندہ ہو لو اور اگلی بار اس غلطی کو نہ دُہراؤ...... اور یہ جو ایک جھگڑے کی جھنجلاہٹ میں بار بار جھگڑے کرتے پھر رہے ہو، اس سے باز آ جاؤ۔"

"جے ڈی! میرا دماغ کھانا بند کرو۔ اینیا میری کیا لگتی ہے جو میں اس کی خاطر سعدی کی پٹائی کرتا پھروں۔" حسبِ عادت اس نے بھڑک کر کہا تھا۔

"ہاں...... اتنے ہی تو تم اچھے ہو کہ کسی بھی غیر لڑکی کو گھورنے پر کسی راہ چلتے لڑکے کی پٹائی کر دیتے ہو...... اونہہ...... جیسے میں تمہیں جانتا نہیں...... شبیہ العباس صاحب! یہ دھوکہ کسی اور کو دیجیے گا...... آپ کے دل و دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ......" اس کو خاموش پا کر جے ڈی نے دیوار سے ٹیک لگائی اور پُرسوچ انداز میں بولنے لگا۔

"غصے میں آ کر تم نے سعدی کی پٹائی تو کر دی لیکن بعد میں احساس ہوا کہ دراصل تمہیں سعدی کا اینیا کو واچ کرنا بُرا لگا ہے تو تمہیں خود پر غصہ آنے لگا۔ یہ غصہ بڑھا تو جھنجلاہٹ میں بدل گیا، اسی جھنجلاہٹ کے زیر اثر تم نے کل ولید اور اینیا پر غصہ کیا۔ شاید ایسا کر کے تم خود کو باور کرا رہے تھے کہ تمہیں سچ مچ اینیا کی پروا نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے ابھی بھی تم یہی سوچ رہے تھے جبھی اس لڑکی سے ٹکرا گئے پھر اس پر بھڑکنے لگے۔ حالانکہ تم خود جانتے ہو اس بے چاری کی غلطی نہیں تھی...... یار! تم غصہ ور تو ہمیشہ سے ہو لیکن اِل مینرڈ تو کبھی نہیں تھے۔"

اس نے اتنا اچھا تجزیہ پیش کیا تھا کہ شبیہ چند لمحوں کے لیے کچھ بول ہی نہیں سکا لیکن چونکہ اس کا اپنا الگ ہی مزاج تھا، اس لیے فی الفور جے ڈی سے متاثر ہونے کا ارادہ ترک کر کے جھنجلاتے ہوئے بولا۔

"تم نے بکواس فرمالی ہو تو کیا ہم گھر جا سکتے ہیں؟"

"تمہارا چہرہ دیکھ کر صاف پتا چل رہا ہے میری کوئی بات تمہاری عقل میں نہیں سمائی، اس کا مطلب میں نے جو بھی کہا وہ واقعی بکواس تھی۔" جے ڈی نے تاسف سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو میرے بھائی! پھر گھر ہی چلتے ہیں۔"

شبیہ اس کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا کھڑا ہوا۔ گھر تک کا راستہ ان دونوں نے خاموشی سے طے کیا تھا۔

"میں کل حویلی جا رہا ہوں۔" بلڈنگ کا کمپاؤنڈ عبور کرتے ہوئے شبیہ نے روٹھے پن سے آگاہ کیا۔

"اچھی بات.....'' جے ڈی نے بس اتنا کہا۔

"چلتے ہو؟"

"نہیں.....کل تو ممکن نہیں...... مجھے یہاں کچھ کام ہے، البتہ ویک اینڈ پر ضرور آؤں گا۔"

پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے شبیہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا، ایک چھوٹے ضدی بچے کی طرح اسے بھی اپنی شخصیت کے کسی منفی پہلو کو مکمل طور پر تسلیم کرنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، پھر وہ جھنجلا گیا اور خفگی سے بول اٹھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں مانتا ہوں مجھے غصہ زیادہ آتا ہے۔" اس نے بالآخر تسلیم کر ہی لیا۔

"زیادہ؟" جے ڈی نے فوراً تصیح کروانا ضروری سمجھا۔ "تمہیں بہت زیادہ غصہ آتا ہے شبیہ!" سارا زور "بہت" پہ تھا۔

"اچھا اچھا! میں مان رہا ہوں مجھے زیادہ غصہ بلکہ بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔" حسب عادت فوراً بھڑک اٹھا۔

"اتنی بک بک کی تم نے......لیکن کیا فائدہ؟...... غصے پر قابو پانے کا کوئی طریقہ بتایا ہوتا تو بات بھی تھی۔" اس نے ناراضی سے سر جھٹکا تھا۔

"غصے پر قابو پانے کا طریقہ....." کی ہول میں چابی لگاتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گیا، پھر بولا۔

"یار! مجھے ٹھیک سے تو نہیں یاد لیکن بہت پہلے میں نے کہیں پڑھا تھا، غصے کی حالت میں پانی پینا چاہیے اور وضو کرنا چاہیے۔ غصہ چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے پانی شیطانی آگ کو بجھا کر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ تم یہ طریقہ ضرور ٹرائی کرو۔

دوسری بات...... اپنا دماغ ٹھنڈا رکھا کرو۔

تیسری بات...... انسانوں کی اچھائیوں پر نظر رکھو، ان کی شخصیت کی برائیاں تلاش نہ کرو......"

"تم نے تو پوری لسٹ ہی تھما دی۔" شبیہ پہلی بار مسکرایا تھا۔

"ویسے شبیہ! مجھے غصہ بھگانے کا ایک اور طریقہ بھی پتا ہے۔ ارسل بتایا کرتا تھا۔"

"انتظار کس بات کا، ارسل والا طریقہ بھی بتا دو۔"

"ذرا اپنا والٹ دینا۔"

"شبیہ نے بلا تامل والٹ جیب سے نکال کر اسے تھما دیا۔ جے ڈی تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد واپس آیا تو شبیہ صوفے پر نیم دراز اس کا منتظر تھا۔

"ایک دفعہ ارسل بتا رہا تھا جب بھی اسے غصہ آتا ہے وہ اپنی منگیتر کی تصویر دیکھ لیتا ہے تو اس کا غصہ غائب ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہاری والٹ میں تمہاری منگیتر کی تصویر لگا دی ہے، تمہیں بھی جب غصہ آئے تو والٹ نکال کر تصویر دیکھ لینا، اُمید ہے....." ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ شبیہ نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے والٹ چھینا اور پیر پٹختا اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

"شبیہ! میں مذاق نہیں کر رہا..... تم ٹرائی تو کرو۔" جے ڈی نے شگفتی آواز میں کہا تھا۔ "اچھا یہ تو بتا دو صبح جاگنگ کے لیے بھی جگاؤں یا نہیں..... آج کل تو ثروت آنٹی بھی پارک میں نہیں آ رہیں۔"

شبیہ نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر لیا۔ جے ڈی بے چارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"لو جی..... اتنا اچھا مشورہ دینے پر بھی ایسی ناراضی، کوئی خراب مشورہ دیتا تو اس نے کیا کرنا تھا۔"

☆☆☆

مسز دانیال کا چہرہ ثمینہ کے ذہن سے چپک کے رہ گیا تھا۔

مادی کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر اس کے لیے فکر مند ہوتی رہیں، پھر خیالات کا دریا خود بخود مسز دانیال کی طرف بہنے لگا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں اس کو پہلے کہیں دیکھ چکی ہوں۔" وہ سوچتی رہیں، اُلجھتی رہیں۔ لاشعور میں دبا ہوا ایک چہرہ گزرے وقت کی دھند کے پیچھے..... نہ چھپتا تھا نہ واضح ہوتا تھا..... فقط اُلجھاتا تھا..... مخمصے میں ڈالتا تھا۔

شاید کوئی بچپن کی ہم جولی..... یا سسرال کی سہیلی؟

اسکول کی کوئی لڑکی یا پرانے محلے کی کوئی پڑوسن؟

غیر ارادی طور پر وہ ایک ایک کر کے سبھی کو سوچتی چلی گئیں، پر وہ چہرہ جو ان کی یادداشت میں باقی رہ گیا تھا، ثمینہ نے مسز دانیال کے نقوش میں ان چہروں کو تلاش کرنا چاہا لیکن.....

تب ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر مادی اندر داخل ہوئی، اس کی چال میں لنگڑاہٹ تھی اور پیر سے خون بہتا دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

"یہ..... یہ کیا ہوا ہے مادی؟" وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کی طرف لپکیں۔

مادی صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ سخت جھنجلائی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ممی..... بس تھوڑی سی چوٹ لگ گئی۔" اس نے پیر کو گھٹنے پر رکھا اور زخم کا جائزہ لینے لگی۔ ایڑھی کے قریب تقریباً آدھ انچ کا کٹ لگا ہوا تھا گو کہ زخم اتنا گہرا نہیں تھا مگر خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"ممی! پلیز آپ مجھے تھوڑی سی کاٹن یا ٹشو پیپر لا دیں گی۔" ثمینہ جلدی سے ٹشو پیپر کا ڈبہ اُٹھا لائیں۔ مادی نے کئی ٹشو زخم پر رکھ دیے۔

"زخم تو بہت گہرا ہے ماوی! خون بھی کتنا بہہ رہا ہے، میں ڈاکٹر......"

"پریشان مت ہوں ممی! زخم اتنا گہرا نہیں ہے۔ ایڑھی پر لگے زخم سے تو خون زیادہ ہی نکلتا ہے۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ہی بینڈیج کرلوں گی۔"

"ضد مت کرو ماوی! خون رُکے گا تو بینڈیج کرو گی اور خون خود بخود تو رُکنے سے رہا۔" ثمینہ نے فکرمندی سے ڈپٹا۔

"پانی ڈال کر دیکھتی ہوں۔" وہ اُٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی۔

"واش روم کے کیبنٹ میں ایک اینٹی سیپٹک لیکویڈ بھی دیکھا تھا میں نے۔ ابھی سب ہو جائے گا، آپ فکرمند نہ ہوں۔" صرف ثمینہ کے خیال سے وہ خود کو لاپرواظاہر کر رہی تھی، جب کہ سچ تو یہ تھا کہ تکلیف سے جان نکل رہی تھی۔

"لیکن یہ چوٹ لگی کیسے؟"

"باہر کچھ کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ میری نظر ہی نہیں پڑی، بس لاپروائی میں ایک ٹکڑا پاؤں میں چبھ گیا۔"

اس نے مہارت سے جھوٹ بول دیا کیونکہ سچ اسے خاصا مہنگا پڑتا۔ ثمینہ کو تو پہلے ہی پاکستان کے حالات سے شکوہ تھا۔ ماوی کے جھگڑے کا سن کر انہوں نے اور بوکھلا جانا تھا۔

"ممی سے تو میں نے جھوٹ بول دیا لیکن وہ لڑکا دوبارہ میرے ہاتھ تو لگے۔ سر نہ پھاڑ دیا تو میرا نام ماوی نہیں۔"

واش بیسن کا نل کھولتے ہوئے وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

☆☆☆

ولید گہری نیند سو رہا تھا۔

پھر کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ کسی خدشے کے پیش نظر اس نے سرہانے کے قریب رکھا سیل فون اُٹھا کر وقت دیکھا اور جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔ وہ مقررہ وقت سے ساڑھے تین گھنٹے لیٹ ہو چکا تھا۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے لیکن اپنا سر پیٹنے سے کیا فائدہ! بہتر ہے اس کا سر پیٹا جائے جس نے بارہ بجے سے پہلے جگانے کی ذمہ داری لی تھی۔

"اُلو کی بچی کی تو اب خیر نہیں۔"

وہ تن فن کرتا کمرے سے نکلا۔ ایلیا کا کمرہ کون سا سات کوس پر تھا، بالکل ساتھ ہی تو تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں ڈوبی ہوئی لابی کے فرش پر ایلیا کے دروازے کے نیچے سے نکلتی روشنی کی لکیر ساکت پڑی تھی۔

ولید نے دستک دینے کے لیے ہاتھ اُٹھایا پھر ہینڈل گھما کر کمرے میں داخل ہو گیا اور یہ دیکھ کر اس کے تن بدن میں اور بھی آگ لگ گئی کہ وہ کمبل اوڑھے خواب خرگوش کا مزہ لے رہی تھی۔

ولید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بڑھ کر اس زور سے اس کی پونی ٹیل کھینچی کہ بے چاری ہلکی سی چیخ مار کر اُٹھ بیٹھی۔

"کیا ہو گیا ولید؟" ایک تو سر میں بری طرح درد ہوا دوسرے کچی نیند میں اس بری طرح جگانے پر دل خوف ناک انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"قیامت آگئی ہے۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ایتیا کے حواس پوری طرح بیدار نہ ہوئے تھے، سو وہ بری طرح گھبرا گئی۔

"کیا کہہ رہے ہو ولید!" ساتھ ہی ادھر اُدھر دیکھ کر اس کی بات کی تصدیق چاہی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے تمہارا سر پھاڑ دوں کیا کہا تھا تم نے؟...... تم سو جاؤ ولید! میں تو ساری رات جاگ کر پڑھ رہی ہوتی ہوں۔ تمہیں اور دی کو بارہ بجنے سے پہلے جگا دوں گی، پھر ہم ممی ڈیڈی کو اپنی ورسری وش کریں گے۔" اس نے ایتیا کی نقل اُتارتے ہوئے کہا تھا۔

"ذرا کلاک پر نظر ڈالیے محترمہ! آپ کی اس نیند کے چکر میں ہمارا سارا پلان چوپٹ ہو چکا ہے۔ صبح کے ساڑھے تین بج چکے ہیں۔" وہ دانت کچکچا رہا تھا۔

اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا پھر تاسف و شرمندگی سے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"آئی ایم سوری ولید! میں نے تو صرف چند منٹ کے لیے آنکھیں بند کی تھیں، کیا پتا تھا اتنا وقت گزر جائے گا۔ میں تو اسی لیے بیڈ کے بجائے صوفے پر لیٹی تھی اور لائٹ بھی آف نہیں کی تھی کہ بارہ بجے سے پہلے اُٹھنا ہے۔"

"میرا سارا پلان بگاڑ دیا تم نے۔" وہ سخت خفا ہو رہا تھا۔

"نیا دن تو شروع ہو چکا ہے لیکن ابھی رات ہے۔ چلو ہم لوگ ابھی ممی ڈیڈی کو وش کر دیتے ہیں۔" ایتیا کو یک دم خیال آیا تھا۔

"نہیں...... جب نیا دن شروع ہوتے پر وش نہیں کیا تو اب ان کی نیند خراب کرنے کا کیا فائدہ؟"

"پھر فجر کے لیے دونوں اُٹھیں گے۔ اس ٹائم وش کر دیں؟" ایتیا نے پوچھا لیکن اس کے اس آئیڈیے کو بھی ولید نے فوراً رد کر دیا۔

"میں اب جاگ گیا ہوں، فجر کے وقت مجھ سے اب نہیں اُٹھا جائے گا۔ جہاں اتنی دیر ہوئی وہاں کچھ اور سہی۔ اب تو جو ہوگا، بریک فاسٹ کے ٹائم پر ہوگا۔" پھر اس نے اسے گھورا۔

"اور میری توبہ...... جو تم کو دوبارہ کوئی ذمہ داری سونپوں۔ انسان خود مشکل برداشت کرے مگر تم سے توقع نہ لگائے۔"

"ارے بابا! سوری بول تو رہی ہوں۔"

"میں کیا کروں تمہاری سوری کو اونہہ سارا پروگرام بگاڑ دیا۔" اس کا غصہ کم ہونے میں نہ آ رہا تھا۔ ایتیا بھی بگڑ گئی۔

"تو تم بھی تو میرے بال اتنی زور سے کھینچ کر بدلہ لے چکے ہو۔ اب تک سر دُکھ رہا ہے میرا۔"

"غلطی ہوئی بال کھینچنے کے بجائے گردن دبا دینا چاہیے تھی۔"

"نکلو میرے کمرے سے...... میں کوئی جان بوجھ کر تھوڑا سوئی تھی، آنکھ لگنا تھی، سو لگ گئی۔ تم کیا میرا دماغ چاٹ رہے ہو۔ تم میں ایسا احساسِ ذمہ داری تھا تو الارم لگا کر سو جاتے۔"

"اونہہ...... غضب کیا تیرے وعدے پر اعتبار کیا۔" وہ پیر پٹختا چلا گیا۔ ایتیا دروازے کو گھورتی رہی پھر سر تک کمبل تان کر سو گئی۔

اسی صبح دونوں اس جھگڑے کو بھول بھال کر شیر وشکر ہوئے بیٹھے تھے۔ پلان کے مطابق ان تینوں نے باقاعدہ گا کر ممی ڈیڈی کو وش کر کے صرف چونکایا نہیں تھا بلکہ وہ دونوں جیسے ہکابکا رہ گئے تھے۔ ان کے بچے ان کے لیے خوش تھے۔ وہ گا رہے تھے، انہوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ انہوں نے پھولوں کے ساتھ کیک کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور وہ بضد تھے کہ ممی ڈیڈی مل کر اپنی اینورسری کی خوشی میں کیک کاٹیں۔

ثروت اور دانیال نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دانیال حسن نے نظریں چرائیں۔

اٹھارہ سال گزر چکے......اٹھارہ سال کم نہیں ہوتے کسی کو سمجھنے، کسی پر اعتبار کرنے کے لیے......پھر بھی، پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنا دور تھے......کتنا فاصلہ تھا ان دونوں کے درمیان۔

دانیال حسن کو یاد آیا۔ انہیں ثروت سے کتنی محبت تھی، محبت ہے۔ دل کی خوشی چہرے پر جھلکنے لگی۔ لب اپنے آپ مسکرا دیے تو انہوں نے ولی کے ہاتھ سے چھری لے کر ثروت کو مخاطب کیا۔

"کیا ہوا جو آج سے پہلے ہم نے اپنی کوئی ویڈنگ اینی ورسری نہیں منائی۔ اب بچے اتنا اصرار کر رہے ہیں تو کیک کاٹنے میں کوئی برائی بھی نہیں۔"

ثروت کی شکل الگ دیکھنے والی ہو گئی۔ ذہن پر بڑا زور ڈالنے کے بعد بھی یاد نہیں آیا، آخری بار "سرتاج" کو مسکراتے کب دیکھا تھا بہرحال خوش تھیں......کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ انہیں تو اول روز سے مصالحت کا دامن تھامے رہنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ اس بار خوشی خوشی بڑھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔ بچوں نے تالیاں بجائیں، خوب شور مچایا۔

"تھینک یو سویٹ بچو! تم لوگوں نے صبح صبح بڑا زبردست سرپرائز دیا۔" دانیال حسن کا موڈ کچھ زیادہ ہی خوش گوار ہو چکا تھا۔

"یہ سارا پلان ولید کا تھا ڈیڈی!" اینا نے چہکتے ہوئے کہا۔

"یعنی ہمیں ولید کا شکریہ ادا کرنا چاہیے؟" ثروت مسکرا کر بولیں۔

"میں نے تو آپ لوگوں کو رات بارہ بجے وش کرنے کا سوچا تھا لیکن برا ہو ان محترم کی نیند کا جس نے سارا پلان بگاڑ دیا۔"

"ڈیڈی! ان دونوں نے مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ ابھی جب میں اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا تب بتایا کہ آپ دونوں کو وش کرنا ہے۔ یہ دونوں مجھے اپنے کسی پلان میں شامل نہیں کرتے۔" ولی کا الگ ہی شکوہ تھا۔

"میں چھوٹا ہوں نا! مجھے چھوٹا ہونے کی سزا ملتی ہے۔"

"کیوں موٹے! پکنک کے بارے میں پہلے نہیں بتایا میں نے؟"

"پکنک رہنے دو ولید! آج رات کا ڈنر میری طرف سے ہوگا......وہ بھی تم لوگوں کی پسند کے ریسٹورنٹ میں۔"

دانیال حسن کی بات پر تینوں نے پھر شور مچا دیا۔ ثروت نے خوش گوار حیرت سے دانیال حسن کو دیکھا۔ آج تو بار بار وہ حیران کیے دے رہے تھے۔ اگلی بات پر تو وہ بے چاری مارے تعجب کے بے ہوش ہوتے بچیں۔

"ثروت ابھی ٹاؤن شپ کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ آپ کو اپنی کسی سہیلی سے ملنے جانا ہے تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"مجھے خدیجہ کی طرف اس کی ساس کی تعزیت کے لیے جانا ہے لیکن آپ کا راستہ تو مختلف ہے۔" وہ بولیں۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ کے لیے تھوڑا سا آؤٹ آف دے ہو جائیں گے۔" بظاہر لاپروائی سے کہتے ہوئے انھوں نے پھر اخبار اٹھا لیا۔

ثروت تو اس بار اپنی حیرانی بھی نہیں چھپا سکیں۔ البتہ اینیا اور ولید نے اپنی بے ساختہ اُمڈتی مسکراہٹوں کو چھپانے کے لیے سر جھکا لیے تھے اور اس سے بھی پہلے ولید، اینیا کو وکٹری کا اشارہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ دونوں اپنے ماں باپ کے درمیان محسوس ہوتی اس سرد جنگ کو ختم کرنے میں کامیاب رہے تھے، جو واضح نہ ہونے کے باوجود بہر حال اپنا وجود رکھتی تھی۔



گراؤنڈ کی ایک طرف ہار سنگھار کے درخت کی چھاؤں میں وہ تینوں ام ثمامہ کو گھیری بیٹھی تھیں۔ بارہ سے ایک کے درمیانی وقت میں چونکہ کلاس ہو رہی ہوتی تھیں اس لیے گراؤنڈ اور روش پر اکا دکا لڑکیاں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

ام ثمامہ نے نوٹ بک کھول کر گود میں رکھی ہوئی تھی اور تنوی کی بائیں ہتھیلی پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی، ہر چند منٹ کے بعد وہ تنوی سے کوئی سوال پوچھ کر نوٹ بک میں لکھ لیتی تھی، ساتھ ہی اس کی ہتھیلی پر مختلف اینگل سے چھوٹی سی لکیر لگا دیتی تھی۔ پامسٹری میں چونکہ ان تینوں کی معلومات بالکل صفر تھیں، اس لیے بالکل خاموشی سے وہ ثمامہ کو اس کا کام کرتے دیکھ رہی تھیں۔

"تنوی! تمھاری ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟"

اس وقت تک تنوی اکتا چکی تھی۔ نہ صرف وہ بلکہ نمرہ اور عبیر بھی بور ہو گئی تھیں۔

"لاحول ولا، کس قدر واہیات سوال ہے ثمامہ! تمھیں کسی نے بتایا نہیں لڑکیوں خصوصاً خوب صورت لڑکیوں سے ان کی تاریخ پیدائش نہیں پوچھا کرتے؟"

"اسی لیے تو تم سے پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" تنوی کو سخت صدمہ پہنچا۔ "میں خوب صورت نہیں ہوں؟"

"ہاں صدقے، تمھارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا تم کتنی حقیقت پسند ہو۔" انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

"میں نے بتایا نہیں پوچھا ہے۔" تنوی نے آنکھیں دکھائیں۔

"یار! میں سچ بول کے تمھارا دل نہیں توڑنا چاہتی۔" ثمامہ نے لاچاری سے کہا۔

"لیکن اس دروغ گوئی پر میں تمھارا سر ضرور توڑنا چاہتی ہوں۔" اس نے نوٹ بک ثمامہ کے سر پہ دے ماری تھی۔

"اف...... کس قدر بدتمیز ہو تم۔" ثمامہ نے سر پکڑ کر اسے گھورا۔

"اپنی سینئر پر تشدد کرنے پر میں تم لوگوں کی شکایت کر دوں گی۔" اس نے دھمکی دی، عبیر ترنت بولی۔

"اور ہم مسز خاکوانی کا لیکچر بنک کرنے پر تمہاری شکایت کر دیں گے۔" ہاتھ پہ ہاتھ مار کے وہ تینوں ہنسنے لگیں۔

"یاد ہے..... لیکچر میں نے تم لوگوں کی وجہ سے بنک کیا ہے۔"

"یاد رہے بھئی..... یاد ہے مگر اب کوئی کام کی بات بتا بھی دو۔ آدھے گھنٹے سے بیٹھی تنوی کا ہاتھ دیکھ رہی ہو۔"

"تم لوگ اپنی بک بک بند کرو تو ہی میں کچھ بتاؤں۔ اس طرح تو میں کانسنٹریٹ ہی نہیں کر پا رہی"۔ ثمامہ نے کہا۔

"ہاں تو تم اپنے الفاظ واپس لو نا!" عبیر نے کہا۔

"اگر تنوی خوب صورت نہیں ہے تو ہم جیسے تو پھر قبول صورت بھی نہ ہوئے۔"

"او ہو بھئی، یہ کوئی جھگڑے کا پوائنٹ ہے۔" تنوی نے جھینپ کر کہا تھا۔ "میں تو مذاق کر رہی تھی، اب ایسی حور پری بھی نہیں ہوں، کبھی اپنی امی اور نانو جان کی تصویریں لا کر دکھاؤں گی، تب پتا چلے گا خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔"

"خیر خوب صورت تو تم بھی بہت ہو۔" نمرہ نے کہا۔ "یقین نہ آئے تو جا کر عروش سے پوچھ لو، یونہی تو تمہاری دیوانی ہوئی نہیں پھر رہی۔"

"عروش کی رائے کو تو خیر تم لوگ رہنے ہی دو۔" ام ثمامہ نے کہا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تنوی خوب صورت نہیں ہے، کالج میں سے چند خوب صورت لڑکیاں منتخب کی جائیں تو ان میں ایک تنوی بھی ہو گی، لیکن عروش کی رائے بطور تائید لینا بڑی حماقت ہے، وہ جس ذہنی اور اخلاقی مرض میں مبتلا ہے اس کی رائے قطعاً صائب نہیں ہو سکتی۔"

نمرہ کا چہرہ لال ہو گیا، عبیر جانتی تھی عروش کے بارے میں کوئی بھی ایسی بات جو ڈائریکٹ اس کی مخالفت کے زمرے میں آتی ہو، نمرہ کو ناگوار لگتی تھی کہ بہر حال وہ عروش کی فرینڈز میں سے تھی۔ تب ہی عبیر نے موضوع بدل دیا۔

"یار ثمامہ! عروش کا ذکر چھوڑو۔ تم ہمیں تنوی کے مستقبل کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

نمرہ نے بھی خود پر قابو پایا اور اثبات میں سر ہلانے لگی۔ ثمامہ نے از سرِ نو تنوی کا ہاتھ سامنے پھیلا لیا۔ چند منٹ خاموشی سے گزرے، ثمامہ نے کچھ اور لکیریں تنوی کے ہاتھ پر لگا دیں۔

تنوی کی ہتھیلی پہ بال پوائنٹ کی آڑی ترچھی لکیروں کا جال سا بچھ گیا تھا۔

"میں سمجھ گئی ہوں، یہ ثمامہ ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔" نمرہ نے اچانک کہا۔ ثمامہ تو ثمامہ باقی دونوں بھی تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"نہیں خیر..... قدرت کے کاموں میں، میں دخل نہیں دیتی۔ تم نے اندازہ کیسے لگایا، اس کی وضاحت کرو۔"

"بھئی۔ سیدھی سی بات ہے، تنوی کے ہاتھ کا حشر دیکھو تم نے اتنی لکیریں لگا دی ہیں کہ ہتھیلی کا اصل رنگ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ یقیناً اب تم تنوی سے پوچھو گی کہ اسے صابن کون سا پسند ہے، جب یہ بتا دے گی تو تم کہو گی، جاؤ اب اس صابن سے ہاتھ دھو لو، ہے نا، یہ ہی بات ہے ناں؟ شرم کرو ثمامہ! اتنی سنیئر ہو تم ہم سے، اور اتنا پرانا لطیفہ دہرا رہی ہو۔"

"میں نے کہا تھا نا، میں قدرت کے کاموں میں دخل نہیں دیتی۔" ثمامہ نے شک آمیز نظروں سے نمرہ کو دیکھا تھا۔

''میں اتنی زیرک نگاہی سے تنوی کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھ رہی ہوں اور تم مجھے طعنے دے رہی ہو۔''

''لکیریں تو پڑھ رہی ہو مگر کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ مجھے لگتا ہے کالج میں تمہاری شہرت بلاوجہ پھیل گئی ہے۔ تمہیں کوئی پامسٹری وامسٹری نہیں آتی۔''

''تم نے تو مجھے بالکل ہی انڈر اسٹیمیٹ کر دیا ہے۔ حالانکہ تنوی کا ہاتھ دیکھتے ہوئے مجھے پتا چلا ہے اسے ہاف بوائل انڈے بہت پسند ہے''ثمامہ نے کہا تھا۔ تینوں کے منہ اس قدر درست اندازے پر کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''یہ لکیروں میں لکھا ہوا ہے؟''تنوی نے حیرانی سے پوچھا۔

''نہیں..... ناخنوں میں..... کیونکہ تمہارے ناخنوں میں اب تک انڈے کی زردی لگی ہوئی ہے۔''اس نے سنجیدگی سے کہا۔

ثمرہ اور عبیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ تنوی نے شرمندہ ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔

''لفینوں کی کتاب سے مستعار لینے کا شکریہ۔''اس نے جل کر کہا تھا۔ ثمامہ مسکراتی رہی۔

''تنوی! تم مجھ سے اپنے مستقبل کے بارے میں جو پوچھنا چاہتی ہو، ایک ایک کر کے پوچھو۔ میں جواب دینے کی کوشش کرتی ہوں۔ خود سے کچھ بتانا بہت مشکل ہے۔ دراصل یہ فن میں نے اپنے ابو سے سیکھا ہے، کوئی باقاعدہ تعلیم تو نہیں لی، اس لیے ہاتھ دیکھ کر معمولی معمولی باتیں تو میں بتا سکتی ہوں، لیکن مشکل ہاتھوں کو سمجھنا میرے لیے بڑا مشکل ہے۔ تنوی کے ہاتھوں کی لکیریں بہت پیچیدہ ہیں، اس لیے مجھے کچھ بھی بتانے میں دقت ہو رہی ہے۔ شاید میرے ابو اس کا ہاتھ دیکھتے تو اس کے مستقبل کے بارے میں صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔''

''تم تو ہم سے پیچھا چھڑا رہی ہو، اب ایسی بھی کیا لکیریں الجھی ہوئی ہیں کہ تم کچھ بتا ہی نہ سکو۔''ثمرہ نے زور دے کر کہا، پھر عبیر اور تنوی بھی اصرار کرنے لگیں۔ تب ثمامہ نے گہری سانس بھر کر تنوی کو دیکھا اور تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

''دیکھو تنوی! میری باتوں سے پریشان مت ہونا، میں نے کہا نا تمہارے ہاتھوں کی لکیریں الجھی ہوئی ہیں، ممکن ہے میرے اندازے غلط ہوں، لیکن جتنا میں تمہاری لکیروں کو پڑھ سکی ہوں ان کے مطابق تم کسی پریشانی کا شکار ہونے والی ہو، یہ پریشانی کس نوعیت کی ہوگی، اس بارے میں، میں کچھ نہیں بتا سکتی، لیکن یہ طے ہے کسی نہ کسی مسئلہ کا سامنا تمہیں کرنا پڑے گا، جس کے بڑے پریشان کن نتائج بھی سامنے آسکتے ہیں۔ ممکن ہے تمہاری پڑھائی کا سلسلہ بھی رک جائے۔''

''حد ہوگئی ثمامہ! تم تو تنوی کو پریشان کر رہی ہو۔''ثمرہ نے کہا تھا۔

''نہیں...... میں پریشان نہیں خبردار کر رہی ہوں۔''ثمامہ نے کہا۔''میں اسی لیے نہیں بتا رہی تھی کہ یہ پریشان ہو جائے گی، حالانکہ میں کہہ چکی ہوں میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ خیر تنوی! تم پریشان مت ہو، بس نماز باقاعدگی سے پڑھو اور اس مشکل گھڑی کے ٹل جانے کی دعا کرو جو تمہاری زندگی میں آنے والی ہے۔ خدا سب ٹھیک کر دے گا۔''وہ اس کا کندھا تھپتھپاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ثمامہ! ایک سوال کا جواب دو۔''معاً عبیر کو کچھ خیال آیا تھا۔

''کیا تنوی کو اس کا رائٹ مین مل چکا ہے؟''

ثمامہ نے پل بھر کو سوچا، پھر بولی۔ "نہیں۔" اور اپنے راستے چل دی۔

وہ تینوں دیر تک اپنی سوچوں میں الجھی رہیں، پھر تنوی نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"ثمامہ کیا کہہ رہی تھی؟ کیا سچ مچ میری زندگی میں کوئی آنے والا ہے۔" اس کا انداز سراسر خودکلامی کا سا تھا۔

"جھوٹ بول رہی تھی ثمامہ! اس کی باتوں کو اتنا مت سوچو۔" عبیر نے قطعیت سے کہا تھا۔

"اس کے جھوٹ کا اندازہ اس کی آخری بات سے ہی لگا لو، جبکہ تمہاری منگنی بچپن میں ہی ہو گئی تھی، اصل معاملہ کچھ یوں ہے کہ ثمامہ ارد گرد سے اکٹھی کی ہوئی معلومات فراہم کرتی ہے۔ لیکن چونکہ تمہاری منگنی کے بارے کالج میں کوئی نہیں جانتا، اس لیے اس نے کہہ دیا نہیں۔"

"تم اپنے سوال پر بھی تو غور کرو۔ تم نے رائٹ مین کا پوچھا تھا منگنی کا نہیں۔ ثمرہ نے اختلاف کیا۔

"بات تو ایک ہی ہے۔" عبیر بولی۔

"پھر بھی یار! ثمامہ نے کچھ کہا ہے تو سچ ہی کہا ہوگا، یونہی تو وہ کالج میں اتنی مشہور نہیں ہے۔" ثمرہ نے پھر کہا تھا۔

"ایسی شہرت تو میں بھی تمہیں حاصل کر کے دکھا سکتی ہوں۔" عبیر بولی۔

"میں سب سے کہوں گی، میں بھی پامسٹری جانتی ہوں اور جس جس لڑکی کا ہاتھ دیکھوں گی، اسے پسند کی شادی ہونے کی خوش خبری سنا دوں گی۔ دنیا میں دولت شہرت کی پرسنیج خوب بڑھا چڑھا کر بتا دوں گی اور سب سے اہم بات کہ ان کا شریک حیات ان سے بہت محبت کرے گا۔ بس لڑکیاں اسی میں خوش ہو جاتی ہیں تم دیکھنا کل تک میری دھوم بھی کالج کے ہر کونے میں ہو گی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" تنوی نے کہا۔

"میں یقیناً ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" عبیر نے تحمل سے کہا۔

"تم اس کو باتوں پر زیادہ دھیان مت دو، کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے بلاوجہ دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہوتے ہیں، مجھے ثمامہ ایسی ہی لگی ہے۔"

وہ تنوی کو پریشانی کے حصار سے نکالنا چاہتی تھی، سو کامیاب رہی۔

☆☆☆

آنگن میں ہاڑ کی تیز چمکیلی دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دوپہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا اور آسمان گہرا نیلا اور چمک دار دکھائی دیتا تھا۔ دیواروں پر کہیں کہیں بھوری چڑیاں پھدک رہی تھیں اور ایک بھدا سا کوا سکھ چین کی آخری پھننگ پر بیٹھا اپنی عیار آنکھوں سے سوکھنے کے لیے پھیلائی ہوئی کیریوں کو تاک رہا تھا۔

زہرہ نے چاٹی میں لسی بنانے کے لیے دہی ڈالا ہی تھا کہ اس کی نظر پڑ گئی۔

"وسائی! جلدی سے اٹھ اور ان امبیوں پہ ململ کا دوپٹہ ڈال کر کناروں پر پتھر رکھ دے۔ اس منحوس کوے نے ذرا سی بھی چونچ ماردی تو

اچار بننے سے پہلے ہی خراب ہو جائے گا۔"

وسائی بیر کے انگوٹھے میں درانتی پھنسائے مشاقی سے ساگ کاٹ رہی تھی، بی بی کی ایک آواز پر سرعت سے اٹھی اور جھٹ پٹ حکم بجالائی۔

"بی بی! اگر کوا چونچ مار دیتا تو کیا ہونا تھا؟" واپس آ کر اس نے پوچھا۔

"یہ بڑی نحوست کی بات ہوتی ہے۔ میری ماں کی ماں بتایا کرتی تھی۔" دین محمد کی ماں برآمدے میں بچھے تخت پر چرخہ رکھے سوت کات رہی تھی، یہ جواب اس نے دیا تھا۔

"کوا بڑا منحوس پرندہ ہوتا ہے، کمبخت نے بھائی بھائی کو لڑوا دیا۔ اس سے بری بات کیا ہو گی اور زیادہ دور کیوں جائیں میری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ میری چچیری بہن نے ہانڈی بناتے ہوئے ادرک دیوار پر رکھ دیا تھا ایک کوا اسے اچک کر لے گیا تو میری بہن نے ادرک کا دوسرا ٹکڑا ہانڈی میں ڈال دیا۔ چاچی کو اس نے پتا نہ لگنے دیا اور جو خبر ہو جاتی بزرگوں کو تو انہوں نے تو ہانڈی نہ پکنے دینی تھی اس دن خیر ہانڈی تو پک گئی لیکن جو جو سالن کھاتا جائے وہ وہ چکر کھا کے گرتا جائے۔ میرا چاچا دوڑا حکیم کو بلانے، تب دادی بولی بات کچھ اور ہے، بڑی عقل والی عورت تھی میری دادی۔ سات گاؤں کی عورتیں آتی تھیں اس کے پاس مشورہ لینے تو جب دادی نے کہا بات کچھ اور ہے تو میری چچیری بہن لگی رونے اور بتانے لگی کہ آج ادرک کا ٹکڑا کوا لے اڑا تھا۔ بس یہ پتا لگنے کی دیر تھی دادی...... نے اللہ بخشے...... چاچے کو روک دیا اور بولی کسی حکیم نے کچھ نہیں کرنا...... اب کوے کی نحوست پڑ گئی ہے اس گھر پر...... سارے جی (افرادِ خانہ) مل کر اللہ اللہ کرو۔ نحوست نکلتے ہی ساروں نے بھلے چنگے ہو جانا ہے اور وہی بات ہوئی ادھر ہم نے یاسین کی دس سورتیں پوری کیں، ساتھ میں چاروں قل پڑھے تو سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بس اسی دن سے یہ بات ہمارے پنڈ میں مشہور ہو گئی کہ جس چیز کو کاگ (کوا) منہ مار دے اسے استعمال ہی نہ کرو...... تھوڑے دن بھول جاؤ۔"

دین محمد کی ماں تفصیل سے بتا رہی تھی۔ زہرہ کا تو دھیان ہی نہ تھا، یوں بھی ایسی باتیں وہ اپنے بچپن سے سنتی آ رہی تھی۔ اس گاؤں میں چھوٹی چھوٹی باتوں اور چیزوں سے اچھے اور برے شگن لیے جاتے تھے۔ توہم پرستی کا یہاں خوب چرچا تھا۔ وسائی سندھ کے کسی بے حد چھوٹے گوٹھ سے آئی تھی، وہاں تو ہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا معیار کچھ اور تھا تبھی دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"ساگ کٹ گیا وسائی؟" دین محمد کی ماں کی بات ختم ہوتے ہی زہرہ نے پوچھا۔

"کٹ چکا ہے تو اسے اُبلنے کے لیے رکھ دے پھر آ کر یہ چاٹی بھی لے جانا۔ میں نے دہی ڈال دیا ہے۔ اسے گھڑونجی پر رکھ کر ریڑکنا (بلونا) شروع کر اور ہاں، شروع میں پانی نہ ڈال دینا۔ ورنہ ساری لسی کا ناس ہو جاتا ہے۔"

وسائی چیزیں سمیٹ کر رسوئی میں چلی گئی، دین محمد کی ماں نے تیکھی نظروں سے بہو کو دیکھا، جس نے اس کے اتنے دلچسپ قصوں کی راہ میں حائل ہو کر اسے ناراض کر دیا تھا لیکن زہرہ کے چہرے پر کسی سوچ کا عکس اتنا گہرا تھا کہ وہ چونک سی گئی۔

"کیا بات ہے بہو! میں دیکھ رہی ہوں کام میں تیرا دھیان نہیں ہے؟" زہرہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"کچھ نہیں اماں! بس یونہی...... اس نے از سرِ نو سامنے رکھی سلائی مشین میں دھاگہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہ نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔ میں کب سے دیکھ رہی ہوں اچھی بھلی مشین چلاتے کچھ سوچنے بیٹھ جاتی ہے۔

''میں کیا اندھی ہوں مجھے نظر نہیں آتا؟'' ساس ضعیف بھی تھی، نازک مزاج بھی۔

''بس ایسے ہی اماں! جنت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔'' زہرہ نے بالآخر اصل بات بتادی۔

''جنت کو کیا ہوا؟ ابھی تو یہاں کھیل رہی تھی۔''

''میں سوچ رہی تھی اماں! چھوٹے بچے تو چوٹیں لگواتے ہی رہتے ہیں۔ یہ فاروق پہ اتنا غصہ نہ کرتے تو بات نہ بڑھتی خواہ مخواہ بہن بھائی کے درمیان فاصلہ آ گیا۔'' اس نے زنجیدگی سے کہا تھا۔

''ہاں۔'' دین محمد کی ماں نے افسردگی سے گہری سانس بھری۔

''میری بیٹی کو سسرال میں جانے کیا کچھ سننا پڑا ہوگا۔ اس کے تو شوہر کا ہاتھ بھی عقل کی طرف سے ذرا تنگ ہے، کیا تھا جو بات کو وہیں ختم کر دیتا۔'' ''معاف کرنا اماں! بھا جی کی تو کوئی غلطی ہی نہیں تھی۔ وہ تو بات ختم ہی کر رہے تھے۔ لیکن ''انہوں'' نے کسی کی سنی ہی نہیں فاروق کو اتنا مارا۔ پھر بھا جی سے زبان چلائی اور تو اور زبیدہ باجی کو بھی برا بھلا کہا، مجھے لگتا ہے ان کی ناراضی جائز ہے۔ اگر آپ کے بیٹے نے ٹھنڈے دماغ سے کام لیا ہوتا تو بات اتنی بڑھتی ہی نہیں۔''

زہرہ ڈرتے ڈرتے اور کن اکھیوں سے ساس کا چہرہ جانچتے ہوئے بول رہی تھی۔ بھلے ہی زہرہ کے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا لیکن بیٹے کے بارے میں دی گئی کوئی بھی رائے اسے خفا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

''تو ٹھیک کہہ رہی ہے زہرہ! دین محمد ہی اپنے غصے پر قابو کر لیتا تو بات اتنی نہ بگڑتی، بچوں کے جھگڑے میں میری بیٹی چھوٹ رہی ہے میں کس سے اپنا دکھ کہوں؟''

''ماں! آپ ماں ہیں۔ حکم بھی دے سکتی ہیں۔ میں کہہ رہی تھی آپ ان (دین محمد سے) سے بات تو کریں ابھی تو زیادہ دن بھی نہیں گزرے ہم جا کر زبیدہ باجی اور بھا جی سے معافی مانگ لیتے ہیں، بچوں کے جھگڑے کے پیچھے رشتے تو نہیں توڑے جا سکتے نا''۔

''دین محمد کی ضد میں جانتی ہوں زہرہ! وہ کبھی بھی نہیں مانے گا۔'' دین محمد کی ماں نے مایوسی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی اماں! آپ بات تو کریں میں نے بھی ان سے کہا تھا۔ لیکن میری بات کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، آپ کی بات تو سن لیں گے۔''

''لے بھلی نہ ہو تو۔'' دین محمد کی ماں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''او سن لے گا، وہ میری بھی مگر کرے گا اپنے دل کی، ویسے بھی جب بات جنت کی ہو تو اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ جنت سے مجھے بھی بڑی محبت ہے اکلوتی پوتی ہے میری۔ مگر سچ کہوں گی اولاد کی محبت میں پاگل پن نہیں کرنا چاہیے۔ آج بیٹی کے پیچھے ایک رشتہ چھوڑا ہے کل کو پوری برادری چھوڑ دے گا۔ بیٹی کے باپ کو ایسی باتیں نہیں جچتیں، سیانے کہتے ہیں جس کی بیٹی پیدا ہو اسے وقت سے پہلے سیانا ہو جانا چاہیے۔ دین محمد اسی طرح سب سے ناراضیاں مول لیتا رہا تو کل کو بیٹی کا بر کہاں سے ڈھونڈے گا۔ بیٹی بیاہنی

نہیں ہے کیا؟ ساری حیاتی گھر میں بٹھا کر رکھنی ہے کیا؟"

بیٹے کے مقابل بیٹی تھی۔ تب ہی دین محمد کی ماں اتنا بول رہی تھی، وگرنہ اپنی اولاد کے خلاف وہ ایک لفظ برداشت نہ کرتی تھی۔

"یہی بات...... بالکل یہی بات۔" زہرہ نے سرعت سے کہا تھا۔۔

"میں نے بھی آپ کے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں...... کہنے لگے میں ایسا لڑکا ڈھونڈوں گا جو اسی گھر میں رہے۔ ہماری جنت کو رخصت ہو کر کہیں اور نہ جانا پڑے گا۔"

"حق ہا......اب دین محمد، بیٹی کے پیچھے ساری برادری میں ناک کٹوائے گا۔" ماں نے سر دائیں ہاتھ میں گرا لیا۔ "آپ سمجھاؤ ناں اماں!"

"لو میری کہاں سنتا ہے...... ہزار مرتبہ سمجھا چکی ہوں لڑکی ذات ہے اسے چاؤ لاڈ نہ کر کہ کل کو سنبھالے نہ جائیں، مگر دین محمد کی سوئی عقل کچھ نہیں سمجھتا۔" وہ خود جلی بیٹھی تھی، آج خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

"سن زہرہ! ایک بات آج میری پلے سے باندھ لے باپ کے ذمے اولاد کو کما کر کھلانا ہے، اجبکہ تربیت پوری کی پوری ماں کی ذمہ داری، سمجھ رہی ہے نا میری بات، باپ اولاد کو کھلائے پلائے، ناز نخرے اٹھائے، اچھی بری سب مانے لیکن جوں ہی تربیت میں کوئی جھول دکھائی دے، دنیا ماں کو کوستی ہے تو بھی سمجھ لے تجھے بھی پیار محبت کے ساتھ ساتھ جنت کی ایسی تربیت کرنی ہے کہ دنیا کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ الٹا جو دیکھے وہ تعریف کرے کہ اکلوتی بیٹی کو ماں کی تربیت نے ہیرا بنا دیا ہے۔ سمجھ لے ہر اچھی بری تو نے ہی اسے سکھانی ہے کبھی یہ نہ سوچنا جو بھول چوک تجھ سے رہ گئی اسے دین محمد سنبھال لے گا۔ مرد کبھی نہیں سمجھتا کہ میرے لاڈ پیار نے اولاد کو بگاڑ دیا۔ الزام ہمیشہ عورت کے سر آتا ہے، کوسا اسے جاتا ہے...... تو بھی سمجھ لے اس معاملے میں کسی نے تیرا ساتھ نہیں دینا۔ یہ کام تجھے اکیلے ہی کرنا پڑے گا۔ یہ سونے کی بات تھی جو میں نے تجھے مفت میں بتا دی ہے۔ کبھی یاد کرے گی کہ ساس نے گُر کی بات بتائی تھی۔"

دین محمد کی ماں نے سچ مچ گُر کی بات بتا دی تھی۔

"اماں نے بالکل صحیح کہا ہے۔ میں جنت کو ہر اچھی بات سمجھاؤں گی۔ جہاں اس کے باپ کی محبت اسے بگاڑنے کا سبب بنے گی...... وہاں میں اسے سنبھال لوں گی سنوار لوں گی، ماں اور ہوتی کس لیے ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اپنی پُرنم آنکھوں کے ساتھ آنگن کی طرف دیکھا جہاں ہاڑ کی تیز چمکیلی دھوپ پگھلے ہوئے سونے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اسی وقت سکھ چین کی شاخ پر بیٹھے کوے نے پر پھیلا کر کیریوں کی طرف اڑان بھری تھی۔ زہرہ نے وہیں بیٹھے اسٹیل کی کٹوری اسے کھینچ ماری، کٹوری دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گری اور گول گول گھومتی ساکت ہو گئی۔ کوا بدحواس ہو کر اپنی بھدی آواز میں چیختا اور بھاری پر پھڑپھڑاتا آسمان پر غائب ہو گیا۔

"لو اماں نحوست تو دور کر دی ہے میں نے۔" زہرہ نے کھنکتے لہجے میں کہا اور مندی مندی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

''ماوی! میں نے فرائیڈے والے توقیر اور اس کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کر لیا ہے۔''

ثمینہ نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے کہا۔ ماوی کچن میں تھی اور اس نے اونچی آواز میں کوئی میوزک چینل لگا رکھا تھا۔

''آپ کی توقیر انکل سے بات ہوئی ہے؟'' ماوی نے کچن سے پوچھا۔

''نہیں توقیر سے بات نہیں ہوئی۔ منیزہ سے ہوئی ہے، وہ تو اپنے یہاں آنے پر اصرار کر رہی تھی۔ توقیر نے اپنی جس کزن کا ذکر کیا تھا وہی جو تمہارے تھیسز میں مدد کر سکتی ہے۔ منیزہ اسی کے بارے میں بتا رہی تھی کہ وہ جمعرات کو لاہور آ رہی ہے۔ اس لیے وہ ہمیں لنچ پر انوائیٹ کر رہی تھی کہ اس طرح تمہاری اس سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ میں نے کہا منیزہ بہت کھا لیا ہم نے تمہارا اب کچھ کرنے کا موقع ہمیں بھی دو۔''

''آپ نے انہیں تاکید کی کہ ان خاتون کو بھی ساتھ ضرور لے کر آئیں؟''

''ہاں بھی کر دی تھی میں نے تاکید۔''

''چلیں یہ بھی اچھا ہی ہوا توقیر انکل کی فیملی کو ہم نے انوائیٹ تو کرنا ہی تھا اب بہانا بھی بن گیا لیکن ممی۔!'' اسے یکدم خیال آیا۔

''ابھی تو آپ کی طبیعت بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی اور مجھے بھی آج لازمی لائبریری جانا ہے۔ ڈنر کے سلسلے میں آپ کو کوئی ہیلپ نہیں کر سکوں گی۔''

''اوہو بھی، میں نے ان لوگوں کو آج نہیں فرائیڈے کو انوائٹ کیا ہے۔'' ثمینہ نے جھنجھلا کر تصیح کروائی۔

''اچھا میں بھی آج کا کہا ہے۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

''تم ضرور جاؤ لائبریری ملو توقیر کی کزن سے بھی جتنی جلدی ممکن ہو اپنا تھیسز کا میٹریل اکٹھا کرو تو ہم واپس چلیں میرا تو سچ بات یہاں دل ہی نہیں لگ رہا۔''

''ممی! ہمیں یہاں آئے محض دس دن گزر رہے ہیں اور آپ نے واپس جانے کی باتیں بھی شروع کر دیں، کچھ بندوبست کریں اپنے دل کا'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''لو یہ بھی خوب کہی تم نے۔ ذرا خود سوچو دل لگے بھی تو کیسے؟ سارا دن تو ان در و دیوار کو دیکھتے گزر جاتا ہے۔ کوئی مانوس شکل بھی دکھائی نہیں دیتی۔'' وہ بہت ہی بے زار ہو چکی تھیں۔

''آپ بھی کمال ہیں ممی!'' اس نے کچن کے دروازے تک آتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک ہاتھ میں کچن گلو (دستانہ) پہن رکھا تھا دوسرے ہاتھ میں چمٹا تھا۔

''پچھلے چودہ سال میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جب میں نے آپ سے ''پاکستان کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔'' ''اپنا وطن اپنا ہوتا ہے'' اور ''وہاں تو اجنبی بھی اپنے محسوس ہوتے ہیں'' جیسے جملے نہ سنے ہوں اور اب آپ کوئی مانوس شکل دکھائی نہ دینے کا گلہ کر رہی ہیں۔''

''چودہ سال پہلے کا دور کچھ اور تھا ماوی!'' ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''یا شاید میری غلطی ہے کہ میں چودہ سال پہلے کے اس

دور میں جی رہی ہوں۔۔۔۔۔۔وہ دن بھی بڑے اچھے تھے۔ انسانوں میں اپنائیت، خلوص، محبت ہوتی تھی لیکن اب یہ کتابی باتیں ہیں۔ تمہیں شاید یقین نہ آئے ہمارے محلے میں یعنی جہاں میرا بچپن گزرا وہاں کسی ایک گھر میں مہمان آتا تھا تو وہ پورے گاؤں کا مہمان شمار ہوتا تھا، ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ مہمان کم سے کم ایک وقت کا کھانا اس کے گھر ضرور کھائے۔ لیکن یہاں وقت بدل چکا ہے اپنائیت، خلوص کی جگہ بے زاری اور اکتاہٹ نے لے لی ہے۔ اب ہی دیکھ لو ہمیں کتنے دن ہو گئے یہاں آئے لیکن ساتھ والے بنگلے میں کون رہتا ہے، ابھی تک پتا نہیں چل سکا۔ شاید لاشعوری طور پر میں سمجھ رہی تھی کہ ہمارا یہاں ویسا ہی استقبال ہوگا، جیسا مہمان کا استقبال ہمارے گاؤں میں ہوتا تھا۔"

ماوی ان کی بات سن کر ایسے مسکرائی جیسے کسی بچے کی سادگی بھری باتوں پر مسکرایا جاتا ہے، پھر اسے کچھ خیال آیا تو کن اکھیوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بوریت دور کرنے کے لیے میرے پاس ایک آئیڈیا ہے ممی!"

"اچھا وہ کیا؟" ثمینہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہی تھی ہم پاکستان تو آئے ہی ہیں تو کیوں نہ ایک بار بابا جان کے رشتہ داروں سے بھی مل لیں۔ میرا مطلب ہے ان کے بہن بھائی آپ کے پاس ایڈریس تو ہوگا نا!" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا تھا۔

ثمینہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے میں نے ہاکر کی سائیکل کی آواز سنی ہے۔ دیکھوں ذرا اگر وہی ہے تو اس سے کہتی ہوں ہمیں بھی نیوز پیپر اور کچھ میگزین دے جایا کرے۔ کچھ تو بوریت بھگانے کا سامان ہو۔"

ثمینہ نے اس کی بات ان سنی کر کے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ ماوی گہری سانس بھر کر رہ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی ممی نے اس کی بات جان بوجھ کر نظر انداز کی ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ اول تو کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی اور کبھی اتفاقاً کبھی بابا جان کے رشتہ داروں کا ذکر آتا تو ممی بات بدل دیتیں۔ انہوں نے کبھی ماوی کو ٹوکا نہیں تھا، نہ ہی کبھی واضح الفاظ میں ان لوگوں سے لاتعلقی یا بے زاری جتائی تھی۔ ان کا گریز ہی سب کچھ سمجھا دینے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

دلچسپ بات یہ کہ اس معاملے میں اتنا تجسس ہونے کے باوجود ماوی کے دل میں کبھی کسی سوال نے جنم نہیں لیا۔ شاید وہ اس سارے معاملے کو جیسا ہے، ویسا کی بنیاد پر قبول کر چکی تھی۔

"چلیں جی، کوئی اور حق ہمسائیگی ادا کرے یا نہ کرے ہم ضرور کریں گے۔"

اپنی تازہ بیک کی ہوئی براؤنیز کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ پھر گلوو اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور پلیٹ میں براؤنیز نکال کر کچن میں کھلنے والے دروازے سے ہوتی ہوئی ایشا کے پورشن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

دانیال حسن اور ثروت آگے پیچھے چلتے باہر آئے تھے۔ دانیال حسن نے چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کرتے ہوئے گاڑی کے دروازے کو چابی لگائی پھر کچھ خیال آنے پر گھوم کر ثروت کی طرف آئے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے لیے سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

ثروت جتنا بھی حیران ہوتیں کم تھا۔

کسی دور میں اس معمولی سی کرٹسی کو بھی "محبوبانہ چوچلے" قرار دینے والے شخص کو آج کیا ہوا؟

شاید بچوں کی طرف سے صبح سویرے ملنے والے اس غیر متوقع سرپرائز کا نتیجہ، ثروت کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ کا عکس لہرا گیا، تبھی ان کی نظر ثمینہ پر پڑ گئی لکڑی کے اس چھوٹے سے پھاٹک کے قریب کھڑی، جو باہر کے رخ پر بنا ہوا تھا۔ ثروت کی مسکراہٹ اڑنچھو ہو گئی۔ ان کا دل شدت سے چاہا ثمینہ کو نظر انداز کر دیں لیکن بعض اوقات بہت زیادہ با اخلاق ہونا بھی انسان کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔

اس لیے ثمینہ کو نظر انداز کرنے کی غیر اخلاقی حرکت کی اجازت ان کا ضمیر نہیں دے رہا تھا، دوسرے ثمینہ بھی انہیں دیکھ چکی تھیں، تیسرے دانیال حسن نے ان کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے ثمینہ کو دیکھ لیا تھا۔

تو قیر صاحب کے قرابت داروں کی حیثیت سے جو مقام ان لوگوں کا دانیال حسن کے نزدیک تھا، اس کے پیش نظر وہ ثمینہ کو نظر انداز کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں، تبھی معذرت خواہانہ نظروں سے انہیں دیکھ کر بولیں۔

"آپ پلیز گاڑی باہر نکالیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

حسب توقع دانیال حسن نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا، ثروت تیز تیز قدم اٹھاتیں ثمینہ کی طرف آ گئیں۔

"السلام علیکم مسز دانیال! کیسی ہیں آپ۔" ثمینہ ہاکر کو فارغ کر کے ان کی طرف آ گئیں۔

"میں الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت تو نہیں پڑی؟"

ثروت نے پوچھا۔

"نہیں ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں پڑی، کیونکہ طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر ہے۔ ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے میڈیسن سے زیادہ منرل واٹر سے افاقہ ہوا ہے۔ دراصل بنیاد تو ہماری یہاں ہی ہے۔ یہی غیر صحت مندانہ پانی پی کر بڑے ہوئے ہیں لیکن اتنے عرصہ اپنے ملک سے دور رہنے کی وجہ سے عادت نہیں رہی ورنہ اور تو کوئی بات نہیں۔"

ثمینہ نے خوشگواریت سے کہا۔

ثروت مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگیں، ان کے پاس کوئی بات بھی تو نہیں تھی کرنے کو پھر کچھ خیال آنے پر کہنے لگیں۔

"مجھے اندازہ ہے آپ کو یہاں سیٹلمنٹ میں کتنی دقت ہو رہی ہوگی۔ دیکھیے آپ کو کسی بھی معاملے میں میری مدد چاہیے ہو تو ضرور بتائیے گا۔"

"آپ تو پہلے ہی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر ہمیں اپنا احسان مند کر چکی ہیں۔" ثمینہ نے مسکرا کر ثروت کو دیکھا۔ وہ جھینپ سی گئیں۔

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں، شازیہ بتا رہی تھی آپ کو ملازمہ کی ضرورت ہے؟" ثروت نے موضوع بدلا۔

''ضرورت تو بہت ہے اور میں نے شازیہ سے کہا بھی تھا، وہ اپنی کسی بہن یا کزن کو ہمارے یہاں لگوا دے۔ میں اسے خاصا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''آج کل ہا اعتماد ملازمہ کا ملنا بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔'' ثروت نے کہا۔'' بہر حال جب تک آپ کے لیے الگ ملازمہ کا انتظام نہیں ہو جاتا۔ آپ کو جو بھی کام ہوں بلا تکلف شازیہ سے کروالیں۔ میں اسے تاکید کر دوں گی''

ثمینہ نے بے حد مشکور ہو کر انہیں دیکھا۔ اسی وقت ثروت نے دوسری بار گردن موڑ کر مین گیٹ کی طرف دیکھا تھا، وہ جلد از جلد یہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھیں۔

ثمینہ کی نظروں میں الجھن سمٹ آئی۔

''آپ شاید کہیں جا رہی تھیں؟''

ثروت گڑبڑا سی گئیں پھر تیزی سے بولیں۔

''جی ہاں ...... دراصل میرے ہزبینڈ باہر انتظار کر رہے ہیں، ہمیں ذرا جلدی کہیں پہنچنا ہے، مجھے امید ہے آپ برا نہیں مانیں گی۔''

''ارے بالکل نہیں۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

''ان شاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔'' ثروت تیز تیز قدم اٹھاتیں گیٹ کی طرف چلی گئیں۔ ثمینہ کی الجھن سوا چند ہوگئی۔

''یہ جس طرح بولتی ہے، اس طرح کون بولتا ہے؟'' ثمینہ کی نظروں نے گیٹ عبور کر جانے تک ثروت کا تعاقب کیا تھا مگر سراغ پھر بھی کوئی نہ مل سکا۔

ثروت کے بیٹھتے ہی دانیال حسن نے گاڑی اسٹارٹ کرلی۔

''ہوگئی ملاقات؟''

دانیال حسن نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی ہوگئی۔'' ثروت نے جواب دیا۔''ان کی طبیعت خراب تھی، میں ہی ڈاکٹر سلطان کے کلینک لے گئی تھی۔ دوبارہ ٹائم نہیں ملا کہ جا کر خیریت معلوم کروں، ابھی نظر آئیں تو سوچا یہ کام بھی نمٹالوں۔''

''بہت اچھا کیا۔ ممکن ہو تو دوبارہ بھی چکر لگا لینا۔ تو قیر نے اتنی تاکید کی ہوئی ہے میں نہیں چاہتا اسے مایوسی ہو۔'' گاڑی مین روڈ پر آچکی تھی ثروت محض اثبات میں سر ہلا کر باہر دیکھنے لگیں۔

خاموشی جب زیادہ طویل ہوگئی تو دانیال حسن نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر انہیں دیکھا، یہ عورت...... کہنے کو ان کی شریک حیات تھی لیکن اتنے فاصلے تھے دونوں کے درمیان کہ دل کی بات لبوں تک لاتے جھجک آڑے آتی تھی۔

''اٹھارہ سال۔'' بالآخر دانیال حسن نے لب کھولے۔

"پتا ہی نہیں چلا کب اور کیسے گزر گئے، ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے، جب ہماری شادی ہوئی تھی۔" ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ جیسے ماضی میں جھانک رہے تھے۔

"میں کبھی اس دن کو نہیں بھولی، مجھے ہمیشہ یاد رہی ہے آج کی تاریخ۔" ثروت نے سادگی سے کہا تھا۔

"لیکن تمہیں پتا ہے میری یادداشت تاریخوں کے معاملے میں ہمیشہ کمزور رہی ہے۔" دانیال حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے اتنا یاد ہے، میں تم سے ملنے تمہارے کالج آیا کرتا تھا اور روز کئی کئی گھنٹے انتظار کیا کرتا تھا تمہیں یاد ہے؟" دانیال حسن کو جانے کیا کیا یاد آ رہا تھا۔

"مجھے پتا ہے تاریخوں کے معاملے میں آپ کی یادداشت ہمیشہ کمزور رہی ہے لیکن آپ کو نہیں پتا میں کبھی کچھ نہیں بھولتی، میں ہمیشہ سب کچھ یاد رکھتی ہوں، خواہ وہ کئی سال پہلے کی ہی کوئی بات کیوں نہ ہو۔" ثروت نے سادہ لہجے میں کہا تھا۔

"طعنے دینے کے لیے آج کی تاریخ کچھ غیر مناسب نہیں ہے؟" دانیال حسن نے منہ بناتے ہوئے پوچھا "میرا خیال ہے یہ کام پھر کسی روز کے لیے اٹھا رکھیں، میں سوچ رہا تھا آج کی تاریخ اتنی اہم ہے پھر اتنے عرصے کے بعد ہم دونوں اکیلے کہیں جا رہے ہیں تو کچھ پرانی یادوں کو تازہ کیا جائے گا۔ کچھ پیار محبت کی باتیں ہوں گی۔" اس آخری بات پر ثروت کو اتنے زور کی ہنسی آئی کہ اپنی عادت کے برخلاف وہ ہنسی چھپا بھی نہیں سکیں۔

"پیار محبت کی باتیں؟ ایسی باتوں کی اب عمر نہیں رہ گئی دانیال صاحب!"

"عمر کو کیا ہوا ہے؟" دانیال حسن نے بدک کر کہا۔ "اوّل تو پیار محبت کے سلسلے میں عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی، دوم میں تو خود کو ابھی بالکل ینگ فیل کرتا ہوں اور پیار محبت کی باتیں زیادہ تر ینگ ایج میں ہی کی جاتی ہیں۔"

ثروت کی ہنسی تھمنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

"تم اپنی عمر کے بارے میں اتنی کونشس نہ ہو، کبھی میری نظر سے خود کو دیکھو تو پتا چلے تم آج بھی اتنی ہی خوب صورت ہو، جتنی اٹھارہ سال کی عمر میں تھیں اور اسپیشلی تمہاری یہ ہنسی...... تمہیں پتا نہیں، تمہیں اس طرح بے ساختہ ہنستے دیکھ کر میں تم پر عاشق ہوا تھا۔"

"بس کیجیے دانیال! آپ نے تو مبالغہ آرائی کی حد ہی کر دی۔" ثروت نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"کس معاملے میں؟ عمر کے معاملے میں یا ہنسی کے معاملے میں؟" دانیال حسن نے متبسم لہجے میں پوچھا۔ "دونوں معاملات میں۔" ثروت بھی کھلکھلائیں۔

"نہیں، خیر ہنسی والی بات تو سو فیصد درست ہے۔" دانیال حسن نے گردن موڑ کر بڑی چاہ سے ان کے چہرے کو دیکھا، جہاں سچی خوشیوں کے رنگ بکھرے تھے۔

"تمہیں شاید خود بھی اندازہ نہیں تم کتنے عرصے کے بعد اتنا بے ساختہ ہنسی ہو، مجھے خود بھی تمہیں ہنستا دیکھ کر پرانے دن یاد آ گئے ہیں۔ تمہاری ہنسی آج بھی اٹھارہ سال والی ثروت کی ہنسی جیسی ہی ہے وہی کھنک وہی ترنم۔"

ثروت چونک کر دانیال حسن کو دیکھنے لگیں۔ ''واہ صاحب! لگتے کتنے لاتعلق ہیں مگر کیا کچھ غور کیے رہتے ہیں۔'' انہیں بڑی خوشگواریت محسوس ہوئی۔

''غلطی میری نہیں ہے۔ آپ کی ہے دانیال!'' ثروت نے اسی خوشگواریت کے زیر اثر کہا۔ ''اگر آپ ہر روز اتنی ہی مزاحیہ باتیں کریں گے تو میں ہر روز ایسے ہی ہنسوں گی، اب اگر آپ کو ہی اتنے عرصے بعد کچھ یاد آیا تو میرا کیا قصور؟'' وہ دونوں ہی ہنس دیے۔

''ویسے اگر آپ کی باتیں درست ہیں تو مجھے اتنا نہیں ہنسنا چاہیے، کہیں آپ کی طرح کوئی اور نہ عاشق ہو جائے'' ثروت نے شرارت و تبسم کے ساتھ کہا۔

''نہیں اب کوئی عاشق نہیں ہوگا، کیونکہ تمہارے ساتھ تمہارا ایگل باڈی گارڈ موجود ہے۔ کوئی ہمت کرے گا تو اپنے دانت تڑوائے گا مجھ سے۔'' دانیال نے کہا۔

''ویسے کیا خیال ہے جیسے کالج بنک کیا کرتے تھے آج اپنی ساری اپائنٹمنٹس نہ بنک کریں...... سارا دن گھومیں پھریں گے۔ لنچ بھی باہر کریں گے اور...... اور آف کورس پیار محبت کی باتیں کریں گے۔''

دانیال حسن کو جانے کیا کیا سوجھ رہا تھا شریر سے انداز میں پوچھنے لگے، ثروت کو پھر زور سے ہنسی آ گئی۔

''لیجیے انو بی بی! ہمارا پلان کامیاب رہا۔''

ثروت اور دانیال حسن کے باہر جاتے ہی ولید نے چہکتے ہوئے اینیا سے کہا تھا ولی کے کان کھڑے ہو گئے۔

''کون سا پلان؟'' اس نے مشکوک نظروں سے دونوں کو گھورا۔

''تم دونوں کس بارے میں بات کر رہے ہو؟''

''ممی ڈیڈی کو اینور سری وش کرنے کا جو پلان بنایا تھا، اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' ولید نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے کہا تھا لیکن ولی کو ذرا بھی یقین نہیں آیا۔

''جھوٹ...... تم لوگ کوڈ ورڈز میں باتیں کر رہے ہو نا...... میں سمجھ گیا ہوں۔'' ولید سے تو اس کی کبھی نہیں بنی، اینٹ کا جواب ہمیشہ پتھر سے آتا تھا، یہ کیسے ممکن تھا کہ اب اس کی بات پر اعتبار کر لیتا۔

''سبحان اللہ، ماشاءاللہ۔'' ولید عش عش کر اٹھا۔

''یار انو! یہ اپنا موٹو کچھ زیادہ ہی ذہین نہیں ہوتا جا رہا، جس بات کو چھپانے کے لیے ہم اتنی محنت کر رہے تھے۔ اسے اس نے ایک منٹ میں بھانپ لیا۔ ولی اٹھو شکرانے کے نفل ابھی پڑھ لینا۔ موٹے جثے کے ساتھ ساتھ موٹی عقل سے بھی اللہ کسی کسی کو نوازتا ہے۔''

ولی کے سر پر لگی پیروں میں بجھی۔

''دیکھ لو انو یہ پھر مجھے موٹا کہہ رہا ہے۔''

''موٹے کو موٹا نہ کہوں تو کیا کہوں؟ ببرک شاہ؟'' ولید نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''اُف.....!'' ولی نے روہانسا ہو کر اینیا کو دیکھا۔

''کیا بدتمیزی ہے ولید! کیوں تنگ کر رہے ہو اسے۔'' اینیا نے بڑے پن کا رعب جھاڑتے ہوئے اسے ڈپٹا لیکن ولید پر کہاں خاک اثر ہونا تھا۔ سابقہ انداز میں کہنے لگا۔

''میں نے کیا کہا ہے؟ میں تو اس کی تعریف ہی کر رہا ہوں، تمہیں نہیں پتا انو! میں اس کی ذہانت اور موٹاپے سے کتنا امپریس رہتا ہوں۔''

''ولی! تم غصہ مت کرو، میں اس کی شکایت ڈیڈی سے کروں گی۔'' جواب میں ولید نے ایک قہقہہ لگایا۔

دنیا سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار لے چکا ہے تو امتحاں ہمارا

''اچھا ولی! تم نے وہ نظم سنی ہے؟ ایک تھا الو گول مٹول۔ کھاتا تھا روٹی گول گول۔'' ولید خوب لہک لہک کر گا رہا تھا اور ولی غصے سے جیسے پاگل ہو رہا تھا، آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکل کر ولید کی طرف لپک رہی تھیں، بس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی مروڑ دے۔

اس نے غیر محسوس انداز میں اپنی نشست چھوڑی، ولید بھی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن زبان پھر بھی نہ رکی۔

''اچھا تم دونوں نے وہ جنگل (Jingle) سنا ہے، اک بلی موٹی تازی سی جو مزے سے ڈنگ ڈونگ کھاتی تھی۔ ایک بلی موٹی تازی سی اک بلی موٹی تازی سی.....'' ولی جتنی تیزی سے اسے مارنے کے لیے لپکا، اتنی ہی تیزی سے ولید گاتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا۔

ولی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''میں اس کا کیا کروں..... مجھے بھی کوئی اوٹنگا بونگا نام مل جائے تو میں بھی اسے خوب چڑاؤں۔''

اینیا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ولید یوں بھی اسے چڑانا نہیں چھوڑتا تھا لیکن ابھی اس نے ولی کا دھیان ہٹانے کے لیے کہا تھا۔

''تم غصہ کرنا چھوڑ دو۔ ولید تمہیں چڑانا چھوڑ دے گا۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا لیکن ولی کی خفگی پھر بھی کم نہ ہوئی۔

تب ہی شازیہ کے ساتھ ماوی آ گئی۔

''ہیلو ایوری باڈی..... امید ہے میں نے ڈسٹرب نہیں کیا ہو گا۔''

''کیا فارمل باتیں کر رہی ہو، آؤ ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔'' اینیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں تھینکس، ناشتہ میں کر چکی ہوں۔'' اس نے پلیٹ اینیا کی طرف بڑھا دی۔ ''یہ میں تمہارے لیے لائی تھی۔''

''واؤ براؤنیز۔'' ولی کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ ماوی نے دلچسپی سے اس کیوٹ بچے کو دیکھا۔

''یہ کیوٹ..... موٹو سا بچہ کون ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اینیا کی ہنسی چھوٹ گئی اور ولی کا چہرہ پھر سے پھیکا پڑ گیا، اس نے ناراضی سے ماوی کو دیکھا، ہاتھ میں پکڑا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھا اور پیر پٹختا چلا گیا۔

''اسے کیا ہوا؟'' مادی نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''ولید اسے موٹو موٹو کہہ کر چڑاتا رہتا ہے۔ ابھی بھی دونوں کا اسی بات پر جھگڑا ہو رہا تھا۔ اب تم نے بھی موٹو کہہ دیا اس کا موڈ تو آف ہونا ہی ہے۔'' اینیا نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اوہ۔'' مادی کو افسوس ہوا۔ ''بے چارا اب اس کا موڈ ٹھیک کیسے ہوگا؟''

''یہ براؤنیز جب اس کے پیٹ میں جائیں گی تو موڈ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔'' اینیا نے لاپروائی سے کہا۔

''تم بجھو نا کھڑی کیوں ہو؟''

''تمہارے پیپرز کیسے ہو رہے ہیں؟'' مادی نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اچھے ہوئے ہیں پیپرز۔ کل شکر ہے آخری ہے۔''

''اینیا تمہاری ممی ہیں گھر پر؟'' مادی نے پوچھا۔ ساتھ ہی متلاشی نظروں سے سارے گھر میں نظر ڈالی۔

''نہیں ابھی کہیں باہر گئی ہیں کیوں خیریت؟ ممی سے کوئی کام تھا؟''

''میں ان کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔''

''اوہ ہاں، ممی نے مجھے ثمینہ آنٹی کے بارے میں بتایا تھا اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟'' اینیا نے پوچھا۔

''شکر ہے اب طبیعت ٹھیک ہے۔'' مادی نے پرسکون لہجے میں کہا پھر بولی۔ ''میں چلتی ہوں اینیا! جب ثروت آنٹی موجود ہوں گی تب چکر لگاؤں گی۔ انہوں نے ممی کی بہت مدد کی، آئی ایم ویری تھینک فل ٹو ہر۔''

''تم دوبارہ ضرور آنا مگر شکریہ وکریہ جیسی فارمیلٹیز میں مت پڑو۔ اب کوئی ایسی مدد بھی نہیں کردی ممی نے...... ممی کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔''

مادی نے مسکرا کر اس کی بات سنی پھر بولی۔

''تم ایگزام دے لو پھر تفصیل سے بات کریں گے۔'' تب ہی ولید اینیا کو پکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر ٹھٹکا اور بولا۔

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی

''یہ غالب ہے؟'' مادی نے اینیا سے پوچھا۔

''ارے نہیں میرا بھائی ہے ولید...... ولی سے بڑا اور مجھ سے چھوٹا ہے۔'' اینیا نے تعارف کرواتے ہوئے بتایا۔

''اتنا بھی چھوٹا نہیں ہوں۔'' ولید نے تڑپ کر تصحیح کروائی۔

''اینیا سے صرف سال بھر چھوٹا ہوں۔ تم سے تو بڑا ہی ہوں گا۔'' بڑی بے تکلفی سے وہ مادی کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنا اور اس کا قد ناپنے

لگا۔ لبا وہ خاصا تھا کچھ خود کو بڑا ثابت کرنے کے شوق میں پنجوں پر کھڑے ہو کر ایڑیاں بھی اٹھا لیں اور گردن بھی اکڑا لی۔

"واقعی بڑے تو تم ہو۔" ماوی نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے میں تمہیں بھیا جی کہا کروں۔" انداز سنجیدہ، آنکھوں میں شرارت۔

"اونہہ۔" ولید کی ایڑیوں نے گرنے کے انداز میں زمین کو چھوا ساتھ ہی وہ چند قدم دور ہٹ گیا۔

"میں خوب صورت لڑکیوں کا "بھیا" نہیں بنتا...... ویسے بھی...... عارض گل دیکھ، رو دیے یار یاد آیا اسد۔" اس نے مزے سے کہا۔

"عجیب ہو تم نام تمہارا ولید ہے، تھوڑی دیر پہلے کسی غالب کو یاد کر رہے تھے، اب اسد یاد آ گیا ہے۔" ماوی نے تعجب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس کی باتوں پر دھیان مت دو ماوی! یہ تو اچھے خاصے انسان کا دماغ خراب کر دے۔ چلو میں تمہیں باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔" ماوی نے ہنس کر ولید کو دیکھا پھر اجیا کے ساتھ باہر نکل گئی۔

"یہ تو شاعری میں بالکل ہی کوری ہے، میرا خیال ہے میری دال یہاں نہیں گلنے والی۔"

حسب عادت اس نے لاپروائی سے با آواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اطمینان سے ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔

☆☆☆

جے ڈی پچھلے دو گھنٹے سے ہاسٹل آیا ہوا تھا، اور یہ دو گھنٹے اس نے سعدی کی منتیں کرنے میں صرف کیے تھے۔ مگر سعدی کا مزاج ایک ہی زاویے پر اٹکا ہوا تھا۔

"سعدی!...... میرے پیارے دوست! میں نے معافی مانگ لی، اگلی بار ایسا نہیں ہوگا، اس بات کی یقین دہانی بھی کروا رہا ہوں مگر تمہارا ناراضی سے پھولا ہوا منہ اپنی اصلی حالت میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اب بتاؤ تمہیں منانے کے لیے میں اور کیا کروں؟"

"وہ سامنے بالکونی دیکھ رہے ہو، اس کی گرل سے الٹے لٹک جاؤ، جیسے ہی تمہیں وہاں لٹکتے تیس منٹ گزر جائیں گے، میں تمہیں معاف کروں گا۔" سعدی نے ادائے بے نیازی سے کہا۔ جے ڈی نے بدک کر بالکونی کی طرف دیکھا، سعدی کا کمرہ بلڈنگ کی تیسری منزل پر تھا۔

"سعدی ناراضی اپنی جگہ درست، سہی لیکن بدلہ لینے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" ارسل نے سعدی کو یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔

"کس نے کہا میں بدلہ لے رہا ہوں؟" سعدی جلدی سے بولا۔

"میں الٹا لٹکنے کا اس لیے کہہ رہا ہوں، کیونکہ لمبے قد کی وجہ سے جو عقل اس کے ٹخنوں میں چلی گئی ہے ممکن ہے الٹا لٹکنے سے وہ واپس دماغ میں آ جائے اور اسے یہ بات سمجھ میں آ جائے، مجھ سے معافی اسے نہیں بلکہ شبیہ کو مانگنی چاہیے۔"

"او میرے بھائی! شبیہ العباس نے آج تک اپنے ابا سے کسی غلطی کی معافی نہیں مانگی۔ کیسے ممکن ہے وہ تم سے معافی مانگنے پر راضی ہو۔" جے ڈی نے تحمل سے اسے سمجھانا چاہا۔

"نہ مانگی ہو اپنے ابا سے معافی...... مجھ سے مانگنی پڑے گی۔" سعدی نے اکڑ کر کہا۔" اس نے میری بے عزتی کی ہے اور مجھ سے معافی مانگنے کے لیے اپنے اس گھامڑ کزن کو تم راضی کرو گے۔ ورنہ یاد رکھنا میں تم سے بھی ساری زندگی کے لیے ناراض ہو جاؤں گا۔" سعدی نے سابقہ انداز میں دھمکایا۔

"سعدی.....!" بے ڈی سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پلنگ پر پیچھے کی طرف گر گیا۔ اس جیسے دوست نواز شخص کے لیے یہ بڑی مشکل صورت حال تھی۔

"دیکھو سعدی! شبیہ میرا کزن ہے لیکن میرا دوست بھی ہے۔ تم میرے دوست ہو لیکن مجھے شبیہ کی طرح ہی عزیز ہو۔ میں تم سے معافی مانگ تو رہا ہوں تم سمجھو یہ شبیہ کے الفاظ ہی ہیں۔ وہ اور طرح کے مزاج کا ہے یار! میں نے تمھیں پہلے ہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ دور بین نہ لگاؤ۔ اس کے سمجھانے کا انداز ذرا جارحانہ ہے۔ جو بات میں نے زبان سے سمجھائی اس نے ہاتھ سے سمجھا دی۔ میں مانتا ہوں اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن میں اسے تم سے ایکسکیوز کرنے پر راضی نہیں کر سکتا۔ تم پلیز ایسے ہی ناراضی ختم کر دو۔"

"او یار! یہ ناراض ہے تو اسے ناراض ہی رہنے دو۔ مجھ پر ابھی ابھی آمد ہوئی ہے ذرا میرا تازہ کلام سن لو۔"

ارسل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا" عرض کیا ہے۔ ایک بچے نے اپنی ماں سے پوچھا۔"

ماں! میں پیدا کیسے ہوا تھا۔ ماں، بچے کا سوال سن کر گڑبڑا گئی۔ اس نے سوچا اب بچے کو کیا بتاؤں، تبھی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اس نے بچے سے کہا۔ "بیٹا! میں نے ایک روز ایک گھڑے میں مٹی ڈال کر اس کا منہ بند کیا اور اس گھڑے کو زمین میں دبا دیا۔ اگلے روز صبح کو جب گھڑا نکالا تو اس گھڑے میں مجھے تم مل گئے۔"

بچے نے ماں کی باتیں بغور سنیں اور اسی رات گھڑے میں مٹی ڈال کر اسے زمین میں دبا دیا۔ اگلی صبح جب گھڑا نکالا تو اس میں سے ایک مینڈک نکلا۔ بچے نے مینڈک کو دیکھ کر کہا۔

"دل تو چاہتا ہے تجھے جان سے مار دوں لیکن کیا کروں تو میری اولاد ہے۔" ارسل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا لیکن جوں ہی سب پر نظر پڑی قہقہہ سمٹ گیا کیونکہ وہ سب خاموشی سے عجیب تاثر والی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا اچھا نہیں لگا؟" بڑی مایوسی سے پوچھا گیا۔

"میں تھرڈ یا فورتھ اسٹینڈرڈ میں تھا، جب یہ لطیفہ پہلی بار سنا تھا، اب یہ اتنا پرانا اور گھسا پٹا ہو چکا ہے کہ سن کر ہنسی تو کیا ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہیں آتی اور تم اسے اپنا تازہ کلام کہہ رہے ہو۔" جنید نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا، ارسل ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آ جاتے ہیں یقیناً تب بھی یہ لطیفہ میں نے ہی تمھیں سنایا ہو گا تمھیں پتا ہے اس معاملے میں بچپن سے ہی میرا ذہن بڑا زرخیز ہے۔"

"اچھا میرا اپنا لطیفہ سن لو۔" ارسل نے پھر کہا، سعدی پر سے سب کی توجہ ہٹ چکی تھی، جل کر بولا۔

"کوئی ضرورت نہیں کچھ بھی سنانے کی۔ ہمیں ہنسنا ہوگا تو تمہاری شکل دیکھ لیں گے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سراپا لطیفہ ہو۔" اس رائے پر ایک زبردست جنگ چھڑ سکتی تھی تبھی سعدی نے جلدی سے اپنا رخ جے ڈی کی طرف موڑ لیا۔

"شبیہ معافی نہیں مانگتا نہ سہی۔ میں اسے ناسمجھ، نالائق، ناہنجار سمجھ کر معاف کرنے کے لیے تیار ہوں، وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ وہ تمہارا کزن ہے اور تم اس کی سفارش لے کر آئے ہو، یاد رکھنا میں اسے صرف اور صرف تمہاری خاطر معاف کر رہا ہوں۔" اس نے یاد کروایا، جے ڈی کے سر سے جیسے کوئی بوجھ کھسک گیا۔

"خوب" مسکرا کر بولا۔

"سو نائس آف یو سعدی! مجھے پتا تھا تم میرے بہترین دوست ہو، میری بات سمجھو گے، مجھے شبیہ کے رویے کا افسوس ہے لیکن میں تمہارا بھی احسان مند ہوں کہ تم نے میری بات سمجھ کر اپنی ناراضی ختم کر لی۔" ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سعدی نے ٹوک دیا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے بیٹھے ہی میں ناراضی ختم کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میری کچھ شرائط ہیں اگر تمہیں وہ شرائط منظور ہیں تو سمجھو میری ناراضی بھی ختم شد۔"

"ٹھیک ہے تم اپنی شرائط بتاؤ۔"

"ایک منٹ......" جنید نے جلدی سے کہا۔ "اگر پہلی شرط ڈنر یا لنچ کروانے کی ہے تو یاد رہے میں اور ارسل اس تصفیہ کے چشم دید گواہ ہیں اور رضا کارانہ طور پر بھی اس کھانے میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"صرف تم دونوں ہی نہیں وحید اور حاذق بھی ساتھ جائیں گے۔" سعدی نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے جے ڈی کی طرف دیکھا اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں...... میں تم لوگوں کو ڈنر پر لے جاؤں گا۔" روٹھا دوست منانے کے لیے یہ اتنا مہنگا سودا نہیں تھا۔

"شرط نمبر دو...... ڈنر کے بعد تم مجھے لبرٹی سے دو شرٹس دلواؤ گے؟"

"منظور...... آگے بولو۔"

"شرط نمبر تین...... پرسوں میں حبہ کو لنچ پر لے جا رہا ہوں، اس کے لیے مجھے تمہاری گاڑی چاہیے ہوگی۔"

"گاڑی؟" جے ڈی سوچ میں پڑ گیا، کیونکہ یہ تھوڑا سا مہنگا سودا تھا۔ سعدی کی ڈرائیونگ پر اسے کچھ خاص بھروسہ نہیں تھا لیکن......

"چلو ٹھیک ہے۔ گاڑی لے جانا کوئی اور شرط ہے تو وہ بھی بتا دو؟"

"جیو میرے دوست......! مجھے تم سے یہی امید تھی، یقین کرو آج تم نے دوست کی باتیں مان کر دوستی کی نئی تاریخ رقم کر دی ہے، مجھے فخر ہے تم پر...... ہاں بس ایک آخری بات بھی اگر مان جاؤ تو پھر ہماری ناراضی ایک سال کے لیے ختم ہو جائے گی۔ لیکن یاد رہے سال بعد یہ کانٹریکٹ ری نیو کروانا پڑے گا تمہیں۔"

''فضول کی ہانکنا بند کرو شرط بتاؤ۔'' ارسل اور جنید کو بھی اچھا خاصا تجسس ہو گیا تھا۔ جے ڈی بھی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ خدا جانے اب کیا منوانے لگا تھا۔

''آخری شرط یہ ہے کہ...'' سعدی نے عیاری سے آنکھیں مٹکا کر جے ڈی کو دیکھا۔ ''ہفتے میں دو بار تمہارے فلیٹ میں آ کر میں ڈور بین سیٹ کیا کروں گا اور تم اعتراض بھی نہیں کرو گے۔''

''لیکن سعدی! وہ شبیہ؟'' اس نے کہنا چاہا۔

''ہاں یا ناں؟'' سعدی نے پٹڑا اکڑ کر پوچھا۔

''اچھا ٹھیک ہے، مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔'' ناچار جے ڈی نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یاد آیا توقیر! تم نے تو کسی سرپرائز کا ذکر کیا تھا۔''

ڈنر کے بعد ثمینہ نے توقیر صاحب سے پوچھا۔ اس سوال پر توقیر نے بے ساختہ منیزہ کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے بات بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔

''سرپرائز کو تو آپ رہنے دیں ثمینہ آپا! آپ کے بنائے ہوئے کھانوں کا تو میں ہمیشہ سے معترف رہا ہوں لیکن آج کا ڈنر تو بہترین تھا اسپیشلی چکن کڑاہی...... لاجواب۔''

ثمینہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تعریف وصول کی لیکن اس سے قبل کہ کوئی اگلی بات کرتیں، ماوی سبز قہوہ لے آئی۔

''کیا بات ہے بھئی تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟'' توقیر صاحب نے جلدی سے پوچھ لیا، مبادا ثمینہ پھر سے وہی قصہ چھیڑ دیں۔

''آپ سلطانہ آنٹی کو لے کر کیوں نہیں آئے؟ اب میرے تھیسز کا کیا ہوگا؟'' وہ سخت پریشان تھی اور اسی پریشانی میں ان کی کزن کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ توقیر صاحب، فیاض ماموں کے دوست اور فیضان ماما کے بزنس پارٹنر تھے، کئی سال وہ لوگ دبئی میں اکٹھے رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ماوی توقیر صاحب کے ساتھ ویسے ہی بے تکلف تھی، جیسے اپنے ماموؤں کے ساتھ۔

''سلطانہ آپا کے کالج میں کوئی فنکشن یا سیمینار ہو رہا ہے۔ انہیں اس سلسلے میں رکنا پڑا ورنہ لاہور آنے کا ارادہ تو ان کا پکا تھا اور تم پریشان نہ ہو۔ میں سلطانہ آپا سے فون پر تمہاری بات کروا دیتا ہوں۔ تمہارے جو بھی کنفیوژن ہیں، ان سے ڈسکس کر لینا۔'' توقیر صاحب نے قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''پھر آپ ماوی آپی کی بات ابھی کروا دیں، کچھ تو ان کی پریشانی کم ہوگی۔'' توقیر صاحب کی بڑی بیٹی پری نور نے کہا۔

''ہاں میں بات کروا دیتا ہوں۔'' توقیر صاحب جیب سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔ ماوی نے پری نور کی طرف دیکھا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو پری! میں سچ مچ پریشان ہو گئی ہوں، ڈبلن میں ہوتی تو اب تک آدھا نہ سہی لیکن ایک چوتھائی کام تو ضرور ہو چکا ہوتا۔ وہاں سپروائزر سے مدد

بھی مل سکتی تھی۔ بھئی اب اتنی لائق فائق تو ہوں نہیں کہ کسی کی مدد کے بغیر تھیسز مکمل کرلوں۔" توقیر صاحب نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

"لو بات کرو۔"

"ہادی نے موبائل لے کر کان سے لگالیا۔رسمی علیک سلیک کے بعد انہیں اپنی پریشانی کے متعلق تفصیل سے بتایا تو وہ تسلی آمیز لہجے میں بولیں۔

"اس میں اتنا پریشان ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔میں تمہاری خاصی مدد کرسکتی ہوں کیونکہ اپنے ایم فل کے لیے میں نے اسی ٹاپک پر مقالہ لکھا تھا، وہ تمہاری کافی ہیلپ کرے گا اور کچھ نہ کچھ ریفرنس وائز میٹریل تم نے بھی تو اکٹھا کیا ہوگا؟" ہادی انہیں اپنے میٹریل کی تفصیلات بتانے لگی۔

"اچھا بات کچھ ایسی ہے ہادی بیٹے! کہ تمہاری مدد کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں لیکن اگلے دو ہفتوں تک میرا لاہور آنے کا کوئی پلان نہیں، پھر اپنی کتابوں اور دیگر میٹریل کے معاملے میں میں سخت کنجوس ہوں، اپنے اسٹوڈنٹس کے ہاتھ میں بھی اتنے آرام سے چیزیں نہیں دیتی، تمہاری مدد کے لیے بھی اگر توقیر نے نہ کہا ہوتا تو میں کبھی اپنا مقالہ دینے پر راضی نہ ہوتی۔اب تم ایک کام کرو، کل ہی ساہیوال آجاؤ اور میری لائبریری سے اپنی ضرورت کی کتابیں اور نوٹس لے کر ان کی فوٹو اسٹیٹ نکلوالو۔میں تمہارے لیے یہ کام خود بھی کرسکتی تھی مگر ایک تو سیمینار کی وجہ سے میرے پاس ٹائم نہیں ہے دوسرے ممکن ہے میرے ریسرچ ورک میں سے تمہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو تمہارے لیے بہت کارآمد ہو۔"

ہادی نے فون بند کیا اور سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئی۔

"میں نے یہاں آکر غلطی کی، خوامخواہ ایک معمولی سی چیز کو اتنا complicated بنالیا۔ڈبلن میں ہوتی تو فرینڈز اور سپروائزر مدد کرتے۔تھوڑی سی محنت کے بعد بی گریڈ تو مل ہی جاتا۔

Distinction کے خواب میں پاکستان آئی تھی لیکن اب تو لگ رہا ہے بی گریڈ بھی نہیں ملے گا۔" وہ رونے والی ہورہی تھی۔آواز اتنی دھیمی تھی کہ ثمینہ تک نہ پہنچی تاثرات پہنچ گئے۔

"کیا ہوا ہے ہادی!" وہ بوکھلا ہی گئیں۔

"ممی! میری سلطانہ آنٹی سے بات ہوئی ہے۔وہ کہہ رہی ہیں اگر تھیسز کے سلسلے میں مجھے کوئی مدد چاہیے تو ان کے شہر ساہیوال آنا پڑے گا۔"

"بس پھر بھول جاؤ اس سارے سلسلے کو..... کیونکہ اب کسی تیسرے شہر تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

ثمینہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"ممی پلیز!"

"اس میں مضائقہ بھی کیا ہے ثمینہ! میں خود لے جاؤں گا ہادی کو۔آپ اور منیزہ بھی چلیے گا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"رہنے بھی دو توقیر! ایک تھیسز کے لیے کہاں کہاں پھرنا پڑے گا، اور لوگ بھی تو پڑھتے ہیں کون یوں ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں پھرتا ہے؟" ثمینہ تو جیسے اس سارے سلسلے سے عاجز ہی آچکی تھیں۔

"سارے لائق اور محنتی اسٹوڈنٹس کوشش تو کرتے ہیں۔"

ماوی نے کہنا چاہا لیکن ثمینہ کی ایک تیز نظر اسے خاموش کروا گئی تھی۔وہ غالباً مہمانوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ماوی دل مسوس کر خاموش ہو رہی لیکن اس موضوع کو اس نے مہمانوں کی واپسی تک کے لیے ٹال دیا تھا۔

☆☆☆

''ممی! ایک بات کہوں؟ لیکن وعدہ کریں آپ غصہ نہیں کریں گی۔'' ماوی نے کن انکھیوں سے ثمینہ کا موڈ بھانپتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس وقت کچن میں تھیں،ماوی برتن دھو رہی تھی ثمینہ ان برتنوں کو خشک کر کے ریک میں لگا رہی تھیں۔

''سا ہیوال جانے کی بات نہ کرنا،غصہ نہیں کروں گی۔'' ثمینہ نے سنجیدگی سے کہا،وہ بھی جیسے ماوی کا ذہن پڑھ رہی تھیں۔

''پلیز ممی!'' ماوی نے لجاجت سے کہا۔

''میں یہاں کیا کرنے آئی ہوں......اپنے تھیسز پر کام کرنے نا،اگر آپ مجھے گھر میں قید کر کے رکھیں گی تو میرا کام کیسے مکمل ہوگا۔''

''میں نے تمہیں قید کر کے رکھا ہے۔'' ثمینہ نے غصے سے اسے گھورا۔

''اگر تم اپنے تھیسز پر کام کرنے آئی ہو تو میں بھی صرف تمہارے لیے یہاں آئی ہوں ورنہ تمہیں پتا ہے میری مرضی قطعاً نہیں تھی۔اب ایک ضد ماننے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں تمہاری ساری ضدیں مانتی جاؤں۔اسی شہر میں رہ کر تمہیں جو کرنا ہے وہ کرو منع نہیں کروں گی میں لیکن ساہیوال نہیں جانا،تو بس نہیں جانا۔''

ثمینہ نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''آپ کو اعتراض کس بات پر ہے؟'' ماوی جھنجلا کر بولی۔

''اگر آپ نہیں جانا چاہتیں تو مت جائیں۔توقیر انکل کہہ تو رہے تھے وہ سارا انتظام کر دیں گے۔میں ان کے ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''چلو جی۔'' ثمینہ نے بے ساختہ سر پیٹ لیا۔

''تم ہمیشہ نرالی بات ہی کیا کرو ماوی! مانتی ہوں زمانہ بہت بدل گیا......لیکن ابھی اتنا نہیں بدلا کہ ایک مشرقی ماں ساری نزاکتوں سے لاپروا ہو کر بیٹی کو ایک غیر بندے کے ساتھ سفر پر بھیج دے۔

اب میرا دماغ کھانا بند کرو پہلے ہی میرے سر میں درد ہے۔صبح سے دل بھی گھبرا رہا ہے۔خدا خیر کرے بس۔''

ثمینہ نے خفگی بھرے انداز میں خود کلامی کی تھی۔

ماوی نے خفگی سے انہیں دیکھا،ہاتھ میں پکڑا گلاس شیلف پر پٹخا،ایپرن اتار کر ڈائننگ ٹیبل پر پھینکا اور دھپ دھپ کرتی کچن سے نکل گئی۔

ثمینہ نے اس کے انداز کو بری طرح محسوس کیا،ڈپٹنے کا ارادہ کرتے ہوئے لب کھولے پھر جھنجلا کر رہ گئیں۔

''میں کیا کروں اس لڑکی کا،دن بہ دن ضدی ہوتی جا رہی ہے،میری تو کوئی بات سمجھتی ہی نہیں،کیسے اجازت دے دوں اسے وہاں جانے

کی میرا دل بھی اتنا گھبرا رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چھٹی حس کوئی اشارہ دے رہی ہے۔ جیسے، جیسے کچھ ہونے والا ہو کچھ برا، کچھ ناپسندیدہ اور ناقابل قبول لیکن ماوی......ماوی سمجھتی ہی نہیں۔''

وہ پریشان بھی تھیں جھنجلاہٹ زدہ بھی۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تھیں، تبھی ماوی کمرے سے ممی، ممی پکارتی نکلی۔ ثمینہ حسب عادت جلدی گھبرا گئیں۔

''کیا ہو گیا ماوی!''

''ممی! فیضی ماما......'' اس نے تیزی سے کہا اس سے بھی تیزی سے ثمینہ نے اپنا دل تھاما۔

''کک......کیا ہو گیا میرے فیضان کو؟''

''ایں......'' ماوی نے سر اٹھا کر ثمینہ کو دیکھا۔ زرد رنگت، اندیشوں سے خائف چہرہ......وہ جیسے ہوش میں آئی۔'' اوہو فیضی ماما کو ہوا کچھ نہیں ہے، وہ پاکستان آئے ہیں اور باہر کھڑے ہیں انہوں نے ابھی فون پر مجھے بتایا ہے۔'' وہ مین ڈور اور باہر والے گیٹ کی چابیاں لے کر باہر کی طرف لپکی۔ ثمینہ کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا پھر جلدی سے ماوی کے پیچھے گئیں۔ دروازہ کھلتے ہی انہیں گیٹ کے قریب کھڑے فیضان کی شکل دکھائی دی تو دل بھر آیا۔

ایسا لگا صدیوں بعد اپنے لاڈلے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہی ہوں۔ آنکھوں کو پونچھتے ہوئے وہ فیضان سے گلے ملیں۔ یہ ایک بے حد جذباتی منظر تھا جس پر ماوی اور فیضان دلچسپ جملے چست کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

''تو یہ تھا وہ سرپرائز......جس کا ذکر توقیر نے کیا تھا۔''

ثمینہ نے کشن گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔ سارا دن دل کو لاحق رہنے والی بے چینی اور سمجھ میں نہ آنے والی گھبراہٹ کا خاتمہ ہو چکا تھا بلکہ بھائی کی موجودگی میں وہ بڑا اچھا محسوس کر رہی تھیں۔

''جی ہاں......یہی تھا وہ سرپرائز جس کا ذکر توقیر بھائی کر رہے تھے۔ کہنے لگے تم کو اچانک آپا کے سامنے لے جا کر مزہ آئے گا، اس لیے پہلے سے ذکر مت کرنا۔ لیکن برا ہو پی آئی اے کا......ایک نہ دو......پورے چار گھنٹے فلائیٹ لیٹ ہوئی ورنہ میں بہت پہلے ہی پہنچ چکا ہوتا۔'' فیضان نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''اچھے ہیں آپ کو سب ہی بہت مس کر رہے ہیں۔ شمزا نے تو پیغام بھی بھیجا ہے کہ پھپھو جلدی گھر آ جائیں، ورنہ میں پاکستان آ جاؤں گی۔'' فیضان نے بالکل شمزا کے لہجے میں کہا۔ ثمینہ تو نہال ہی ہو گئیں، اسے تو ایک طرح سے پالا ہی ثمینہ نے تھا۔ اس لیے شہروز سے زیادہ گہری وابستگی ان کی شمزا سے تھی۔

''تو تم اسے بھی لے آتے نا، میں تو خود واقعی اداس ہو چکی ہوں، پتا نہیں کب یہ ریسرچ ورک مکمل ہو گا اور ہم واپس جائیں گے۔''

ثمینہ نے ایک خفگی بھری نظر ماوی پر ڈالتے ہوئے کہا، وہ کچن میں برنر کے قریب کھڑی کافی پھینٹ رہی تھی۔ جواب میں اس نے بھی خفگی سے ثمینہ کو دیکھا تھا۔

"مجھے تو خود آج بڑی مشکل سے سیٹ ملی ہے۔ وہ بھی چانس پر تھی۔ اگر چند روز پہلے آنے کا پلان بنتا تو ضرور شزا کے لیے سوچتا۔" ان کا اسپورٹس گڈز کے امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا، اسی سلسلے میں پاکستان آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

"ماوی! تمہارا ریسرچ ورک کہاں تک پہنچا؟"

"پہنچنا کہاں ہے وہیں رکھا کھڑا ہے بے چارہ۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی اور مکھن ٹرے میں رکھ کر باہر آ گئی۔

"کوئی مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دے رہا۔ ریسرچ ورک کیا خاک مکمل ہوگا۔" اس نے ناراضی سے ثمینہ کو دیکھا اور حسب توقع ثمینہ اور بھی خفا ہو گئیں۔

"اب پھر سے وہی بحث شروع مت کر دینا ماوی!"

"ممی پلیز...... ٹرائے ٹو انڈر..."

"بس ختم کرو اس بات کو کیا باقی دنیا نہیں پڑھتی، کتنے لوگ ہیں جنہیں ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں گھوم پھر کر فیکٹ اینڈ فگرز اکٹھے کرنے کا موقع ملتا ہوگا۔"

"آپ سمجھ نہیں رہیں۔ اپنی پوری کلاس میں سے واحد میں ہوں، جو تھیسز کے سلسلے میں کسی دوسرے ملک گئی ہے۔ دین اور جیت تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں کہ ماوی بہترین تھیسز تیار کر کے لائے گی۔ آپ خود سوچیں میرا ریسرچ ورک آرڈنری (معمولی) ہوا تو انسلٹ کتنی ہو گی میری۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"آپا! ماوی ٹھیک کہہ رہی ہے آپ اسے ساہیوال جانے دیں۔" فیضان نے کہا، ثمینہ نے گھور کر ماوی کو دیکھا۔

"تم اسے ساری بات بتا چکی ہو؟" ماوی نے مسکراہٹ بھینچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ کو راضی کرنے کے لیے مجھے کسی نہ کسی کو تو اپنا وکیل بنانا تھا نا...... جی فیضان ماما! بڑے درست وقت پر آتے ہیں آپ۔" اس نے شریر سے انداز میں کہا۔

"میں تمہارا کیا کروں ماوی! اس بے چارے کو آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے جو تم اپنا قصہ سنانے بیٹھ گئیں۔" فیضان نے گہری نظروں سے ثمینہ کو دیکھا پھر ماوی سے بولا۔

"ماوی! جاؤ میرے ہینڈ کیری سے میرا لیپ ٹاپ اور موبائل فون نکال کر لاؤ۔" فیضان نے چالاکی سے ماوی کو کمرے میں بھیج دیا پھر دھیمی آواز میں ثمینہ سے مخاطب ہوا۔

"اب بتائیں مجھے کیا پریشانی ہے آپ کو؟ کیوں نہیں جانے دینا چاہتیں ساہیوال۔"

''تمہیں پتا تو ہے فیضی!'' ثمینہ نے گہری سانس بھر کر دکھی لہجے میں کہا۔ ''اس شہر سے اتنی بری یادیں جڑی ہوئی ہیں کہ میں نام بھی سننا نہیں چاہتی۔ بلکہ صرف ساہیوال ہی کیوں۔ میں تو اسی لیے پاکستان بھی نہیں آنا چاہتی تھی...... پھر دل کو عجیب سا دھڑکا لگا ہوا ہے، جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ تم مانو یا نہ مانو فیضی! میری چھٹی حس کوئی اشارہ کر رہی ہے، جسے میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' ثمینہ نے بے چارگی سے کہا۔

''آپ بھول کیوں نہیں جاتیں وہ سب۔'' فیضان نے کہا۔

''بہت مشکل ہے۔'' ثمینہ نے سابقہ انداز میں کہا۔

''میں نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی چیز کو کھو دیا تھا، اب ماوی کو نہیں کھونا چاہتی۔''

فیضان نے دیکھا ثمینہ کا چہرہ شدتِ جذبات سے لال ہو رہا تھا، وہ کھسک کر ان کے قریب ہوا اور بازو ان کے شانے پر پھیلا لیا۔

''اچھا بھول جائیں سب کچھ، جو گزر گیا سو گزر گیا۔ پرانی تلخیاں نئے دور میں بھی تلخ ہی رہتی ہیں، اس لیے انہیں یاد رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

ثمینہ نے سر جھٹک کر گویا ان تلخ یادوں اور اندیشوں سے چھٹکارا حاصل کیا پھر بولیں۔

''تم سمجھاؤ ماوی کو...... ساہیوال جانے کی ضد چھوڑ دے۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ میں خود چلا جاتا ہوں ماوی کے ساتھ تب تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہونا چاہیے...... ویسے بھی مجھے اندازہ ہے کلاس فیلوز کے درمیان انسلٹ کا خیال ہی کتنا ہولناک ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا پھر کمرے سے نکلتی ماوی کو دیکھ کر بولا۔ اس نے ثمینہ کی خاموشی کو رضا مندی سمجھ لیا تھا۔

''ماوی! تم کل کی تیاری رکھو، میں توقیر بھائی کے ڈرائیور کو بلوا لیتا ہوں۔ ان شاء اللہ کل ساہیوال جانے کا پلان پکا ہے۔''

''اس کا مطلب ممی مان گئیں۔'' ماوی چہکی۔

''محترمہ! آپ نے اتنا قابل وکیل ہائیر کیا تھا، مانتی کیسے نہیں۔'' فیضان سوا سیر تھا۔

''واؤ ماما...... !یو آر گریٹ تھینک یو ممی!'' وہ لیپ ٹاپ جلدی سے کشن پر رکھ کر ثمینہ سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

''تم بھی کمال ہو تنوی! ایک نہ دو...... اکٹھی چار چھٹیاں...... شکر کیا کرو میرے جیسی پُرخلوص اور بے غرض لڑکی تمہاری سہیلی ہے، ورنہ تمہارا نام تو اب تک stuck off ہو چکا تھا۔''

فون پر تنوی کی آواز سنائی دیتے ہی بیہر حسب عادت شروع ہو گئی تھی۔

''اچھا وہ کیسے؟'' تنوی بالکل بھی متاثر نہ ہوئی۔

''بھئی سیدھی سی بات ہے، میں ہی تو ہوں وہ عظیم لڑکی...... جس نے حق دوستی ادا کرنے کے لیے رضا کارانہ طور پر تمہاری Proxy لگوانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہوئی ہے۔ احسان مانو میرا۔''

"واقعی تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" اس نے بالکل عجیر کے انداز میں غیر سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہی ہوں عجیر اتنے بڑے احسان کا بدلہ کیسے چکاؤں گی۔"

"فکر مند نہ ہو نا تنوی! میں ہوں نا تمہاری پیاری دوست جلد یا بدیر اس احسان کو اتارنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ تمہیں ضرور بتا دوں گی۔" عجیر نے نہایت ہمدردی سے کہا، پھر وہ دونوں ہنس دیں۔

"اچھا۔۔۔ اپنی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملانا بند کرو اور یہ بتاؤ کالج کی کیا خبریں ہیں۔" تنوی نے ریسیور ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال کالج کو چھوڑ دو اور مجھے یہ بتاؤ اتنے دن سے کالج کیوں نہیں آ رہیں، گھر میں تو سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں خیریت ہے۔" تنوی نے سادگی سے کہا۔ اس کا دل چاہا عجیر کو اپنی پریشانی کے متعلق بتائے۔ اس روز اُم ثمامہ نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر جو کچھ بھی کہا، وہ ایسا نہیں تھا کہ اسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔

"مجھے بخار تھا دراصل اسی لیے نہیں آ سکی۔" اس نے بہانہ بنایا تو عجیر اس کی خیریت معلوم کرنے لگی پھر بولی۔

"کل تو کالج آؤ گی ناں؟"

"وعدہ نہیں کرتی عجیر! طبیعت ٹھیک ہوئی تو آ جاؤں گی۔" اس نے بے زاری سے کہا کہ کل بھی چھٹی کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔

"یار! کل تو ضرور آ جاؤ، پتا ہے کالج میں بڑے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مس رابعہ نے نوٹس لگایا تھا کہ اب اردو ڈرامہ کے بجائے شیکسپیئر کا کوئی ڈرامہ اسٹیج کیا جائے گا۔ میڈم نے سوچا ہوگا اس طرح آڈیشن دینے والی لڑکیوں کی بھیڑ کچھ کم ہو جائے گی، لیکن یہاں تو ذوق و شوق اور بڑھ گیا ہے۔ کالج کے ہر کونے میں فرسٹ ایئر فول اپنا انگلش تلفظ درست کرتی نظر آ رہی ہے اور تو اور اپنی نمرہ بی بی بھی اسی بھیڑ میں شامل ہیں، جنہیں لگتا ہے جان سے بہتر شیکسپیئر کی ہیروئن کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے نمرہ کو اس غلط فہمی میں عرش نے مبتلا کیا ہوگا، یاد نہیں پچھلی بار کیدو کے کردار کے سلسلے میں بھی اس نے نمرہ کا دماغ کتنا خراب کیا تھا۔"

"ہاں اور نمرہ بی بی اس کردار میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لیے پورے تین ہفتے لنگڑا لنگڑا چلتی رہی تھی لیکن کیدو کا کردار اسے پھر بھی نہیں ملا تھا۔"

وہ دونوں نمرہ کی حالت یاد کرتے ہنس ہنس کر بے حال ہو گئیں پھر عجیرہ بولی "نمرہ سے یاد آیا محترمہ کا نیا کارنامہ بھی سن لو۔"

"اب کیا کر دیا اس نے؟"

"com sat's میں سیمینار ہو رہا ہے اور موضوع ہے۔"

Human Psychology end it's Different Aspects"

(انسانی نفسیات اور اس کے مختلف پہلو) فاؤنڈیشن ہاؤس سے ڈاکٹر عبداللہ ہارون بھی آرہے ہیں اور ان کے علاوہ سنا ہے، پورے ملک سے سائیکالوجسٹ اور اسکالرز شرکت کریں گے۔ ہمارے کالج کو بھی انویٹیشن ملا ہے تو میڈم فرحت نے کہا جو لڑکیاں شرکت کرنا چاہ رہی ہوں، وہ اپنا نام ان کے پاس لکھوا دیں، نمرہ بی بی کا تو مضمون ہے۔ سائیکالوجی...... محترمہ نے کمال یہ کیا کہ سیمینار میں شرکت کرنے کے شوق میں اپنے ساتھ ساتھ ہم دونوں کے نام بھی لکھوا دیے۔"

"لیکن کیوں؟ مجھے تو کوئی شوق نہیں ہے، سیمینار اٹینڈ کرنے کا، نمرہ سے کہنا تھا شوق اس کا، مضمون اس کا، خود ہی جائے۔"

"میں نے کہا تھا مگر وہ زیادہ ہی جذباتی ہو کر بولی" تم لوگ اپنی فرینڈ کے لیے اتنا نہیں کر سکتے تو کیا فائدہ ہے ایسی دوستی کا۔" وہ تو جذباتی ہوئی سو ہوئی، میں نے اس سے زیادہ جذباتی ہو کر جانے کی ہامی بھرلی" عبیر نے بے چارگی سے بتایا تو تنوی جلدی سے بولی۔

"ٹھیک ہے نا تم دونوں چلی جانا میں نہیں جاؤں گی۔"

"تنوی! تم اپنی اس پیاری سہیلی کو بورنگ سیمینار اٹینڈ کرنے کے لیے اکیلی چھوڑ دینا چاہتی ہو؟" عبیر نے مسکین سی آواز نکالی پھر خود ہی ہنس کر بولی۔

"تم کل کالج آ جاؤ، ہم مل کر نمرہ کو کنونس کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہمارا اس سیمینار میں کیا کام۔ وہ راضی نہ ہوئی تو ہم اس کی بات مان لیں گے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" تنوی نے کہا پھر کچھ خیال آنے پر تیزی سے بولی۔

"عبیر! کیا ثمامہ ان چار دنوں میں کالج آتی رہی ہے۔"

اس نے حتی المقدور اپنے لہجے کو نارمل رکھنا چاہا تھا لیکن ثمامہ کا نام سنتے ہی عبیر کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"ہاں...... وہ تو آتی رہی ہے۔ کیوں؟ تمہیں کوئی کام تھا اس سے؟" عبیر نے بن کر پوچھا تو تنوی پرسوچ انداز میں بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے عبیر! اس روز میرا ہاتھ دیکھ کر جو کچھ بھی ثمامہ نے کہا وہ درست ہوگا؟"

"سو فیصد" عبیر نے جلدی سے کہا۔"میں ثمامہ کو بڑی اچھی طرح سے جانتی ہوں، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی اور پھر سوال یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولے گی بھی کیوں؟"

"ہاں...... وہ واقعی کیوں جھوٹ بولے گی؟" تنوی نے خود کلامی کے انداز میں کہا...... عبیر نے چند ادھر اُدھر کی باتیں کیں، جنہیں تنوی نے غائب دماغی سے سنا اور فون بند کر دیا۔ تنوی ٹیلی فون ریک کے پاس کھڑی رہی پھر باہر آ گئی۔

"کیا سچ مچ میری زندگی میں کوئی خوف ناک قسم کی پریشانی آنے والی ہے؟" وہ سوچ رہی تھی۔ باغ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی، خدا جانے آج لائٹیں کیوں نہیں جلائی گئیں۔

کچھ فاصلے پر شبیہ کھڑا تھا ایک ہاتھ میں بیگ دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی پر نظریں جمائے تنوی نے وہاں سے ہٹنا چاہا تبھی شبیہ نے سر اٹھا کر اس کی

طرف دیکھا اور اشارے سے اسے قریب آنے کے لیے کہا۔ اس کی سخت طبیعت کے پیش نظر وہ محتاط انداز سے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئی۔

شبیہ نے اسے ہاتھ بڑھانے کے لیے کہا اور اپنی مٹھی میں قید ننھے سے جگنو کو احتیاط سے اس کی مٹھی میں منتقل کر دیا۔

تنوی کو بچپن کا کوئی بھولا بسرا لمحہ یاد آیا تھا۔

شبیہ پلٹا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ تنوی نے اسے جاتے دیکھا پھر چند لمحے اپنی مٹھی کو گھورتی ہتھیلی پر اس جگنو کے لمس کو محسوس کرتی رہی پھر اس نے بازو بڑھایا اور مٹھی کھول دی۔

''بچپن تو کب کا گزر چکا شبیہ بھائی! پتا نہیں آپ مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا کب چھوڑیں گے۔''

جگنو نے پر کھولے اور ایک ننھی سی چنگاری تاریکی کے پردے میں تحلیل ہو گئی۔



''میں اسپورٹس گراؤنڈ میں تمہارا انتظار کروں گی، پہلی کلاس ختم ہونے کے بعد آ جانا، مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔''

عروش چند لمحوں کے لیے اس کے قریب ٹھہری، پھر تیز تیز قدم اٹھاتی کوریڈور سے باہر نکل گئی۔ تنوی سر جھٹک کر کلاس میں داخل ہوئی تو عبیر سے ٹکرا گئی۔

''اف......'' وہ بمشکل سنبھلی، عبیر اور ثمرہ بیگ اٹھائے باہر نکل رہی تھیں۔ ثمرہ چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

''تنوی! گندی بچی...... کتنے دنوں بعد آئی ہو۔ تمہیں شرم نہیں آئی بغیر بتائے چھٹی کر لیتی ہو۔'' اس کے شکوے شروع ہو گئے۔

''پہلے یہ بتاؤ تم دونوں بیگز اٹھائے کہاں جا رہی ہو؟ کلاس اٹینڈ نہیں کرنی؟'' تنوی نے اپنا بیگ اور فائل قریبی کرسی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کلاس بنک کرتے ہیں یار! باہر اتنی اچھی دھوپ نکلی ہے، چلو چل کر وٹامن ڈی کے مزے لوٹتے ہیں...... کینٹین میں سموسے بھی آ گئے ہوں گے۔'' عبیر نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واپس جا کر بیٹھو، آج سے کوئی کلاس بنک نہیں ہو گی، ایگزام سر پر ہیں۔''

''او تنوی! کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک روز کلاس اٹینڈ کر کے ہمیں کون سا سقراط، بقراط بن جانا ہے۔ ذرا تصور کرو گرما گرم سموسے اور گرما گرم دھوپ۔'' ثمرہ نے اس کے تصور میں ایک منظر روشن کرنا چاہا تھا مگر تنوی راضی ہو کر نہ دی۔

''ارے یار! میڈم فوزیہ آج نہیں آئیں، ہم اسی لیے باہر جا رہے ہیں۔'' تنگ آ کر عبیر نے بتایا، تنوی کو مایوسی ہوئی۔

''میڈیم؟ نہیں آ رہیں تو پھر بھی ہم یہیں بیٹھیں گے۔ اگلا لیکچر بھی تو اسی کلاس روم میں ہے۔'' وہ زبردستی ان دونوں کو پچھلی نشستوں کی طرف لے آئی۔

''تمہیں باہر جانے میں کیا مصیبت ہے تنوی! جب ٹیچر کوئی نہیں آنا تو چالیس منٹ ان احمق لڑکیوں کے درمیان بیٹھ کر کیا کریں۔ اوپر سے یہ فاطمہ بدتمیز، مجھے آدھا وائٹ بورڈ بھی نہیں دے رہی کہ میں پانچ، چھ پھڑکتے ہوئے اشعار لکھ کر دل بہلا لوں...... چڑیل مسلسل اپنی شکل

والے کارٹونز بنائی جا رہی ہے۔"

جبیر نے دانت کچکچاتے ہوئے بہت حسرت سے وائٹ بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جواباً تنوی نے انہیں عروش کے بارے میں بتا دیا۔

"یار! میرا دل نہیں چاہ رہا اس کی بے وقوفانہ باتیں سننے کو۔ اب اگر کلاس روم سے باہر نظر آ گئی تو سر پر سوار ہو جائے گی۔ اس لیے یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔" "عروش بے وقوفانہ باتیں نہیں کرتی۔ اچھی باتیں کرتی ہے۔" نمرہ نے کمزور سے لہجے میں عروش کا دفاع کرنا چاہا۔ جواباً جبیر نے اسے بری طرح گھورا اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"ہاں اتنی اچھی باتیں کرتی ہے کہ اس کی باتوں کو اقوالِ زریں کی طرح چھپوا دینا چاہیے۔"

"دیکھو تنوی! اپنی چار دن کی چھٹیوں کا نتیجہ...... میں اکیلی ان محترمہ کو کب تک سنبھال کر رکھتی، اب یہ اٹھتے بیٹھتے ہمیں عروش کے اقوال سنایا کرے گی۔"

"بکو مت جبیر!" نمرہ فوراً چڑ گئی، پھر بات پلٹنے کی غرض سے بولی۔

"تم نے اتنی چھٹیاں کیوں کیں؟ اور چھٹیاں کرنا ہی تھیں تو پہلے سے بتا نہیں سکتی تھیں۔" وہ تنوی پر چڑھ دوڑی۔

"میں اتنا پریشان تھی کہ اقدام کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔" تنوی بے چارگی سے بولی۔

"پریشان؟" وہ دونوں اس کے دائیں بیٹھ گئیں۔

"کیسی پریشانی؟"

"تم دونوں اتنی جلدی امِ ثمامہ کی باتیں کیسے بھول گئیں۔ میرے تو دماغ سے چپک گئی ہیں۔ پتا نہیں کیا مصیبت آنے والی ہے میری زندگی میں۔ جس کی طرف ثمامہ اشارہ کر رہی تھی۔ میں جتنے روز گھر پر رہی ہر وقت اسی بارے میں سوچتی رہی ہوں جبیر! نمرہ! مجھے لگتا ہے میرا دماغ ہی پھٹ جائے گا۔" تنوی نے جتنی بے چارگی سے کہا، اتنا ہی بے ساختہ ان دونوں کے قہقہے ابھرے تھے۔

تنوی حیرانی سے ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا جبیر! تنوی کو بے وقوف بنانا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔" نمرہ نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔ تنوی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"اس کا مطلب...... تب...... تم دونوں...... نے مجھے بے وقوف بنایا؟" اس کی آنکھیں حیرانی و بے یقینی سے تقریباً پھٹنے والی ہو رہی تھیں۔

"ہمیں کیا ضرورت تھی اتنی محنت کرنے کی۔ تم تو بنی بنائی ہو یار!" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔

"اب اگر تم دونوں نے داستان بند کر کے مجھے پوری بات نہیں بتائی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گی۔" تنوی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا بابا! غصہ کیوں کرتی ہو، بتاتی ہوں۔" جبیر کچھ سنجیدہ ہوئی مگر محظوظ کن مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں پر تھی۔

"دیکھو تنوی! اس میں غصہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہم نے تمہارے ساتھ ایک چھوٹا سا مذاق ہی کیا تھا اور اسی مقصد کے لیے ہم

نے ثمامہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس روز تمہارا ہاتھ دیکھ کر ثمامہ نے جو کچھ بتایا وہ میرا اور نمرہ کا لکھا ہوا اسکرپٹ تھا۔ دراصل دو روز پہلے میرے اور نمرہ کے درمیان بحث ہو رہی تھی کہ تم دوسروں کی باتوں پر کتنی جلدی یقین کر لیتی ہو۔ کوئی آ کر تمہیں کچھ بھی کہہ دے تم اپنی عقل استعمال کیے بنا اس پر اعتماد کر لیتی ہو۔ نمرہ نے کہا، نہیں تنوی بڑی میچور مائنڈڈ لڑکی ہے۔ وہ بنا تحقیق کسی کی بات نہیں مانتی۔ بس اسی بات پر ہماری بحث ہو گئی، تب ہم نے تمہیں آزمانے کا سوچا اور ثمامہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ تمہارے مستقبل سے متعلق اس نے جو بھی باتیں بتائیں وہ سب جھوٹ پر مبنی تھیں۔ اب تم اپنی عقل ملاحظہ کرو۔ سب سے پہلے تو یہ غلطی کی کہ ہماری بات فوراً مان لی کہ ثمامہ پامسٹری جانتی ہے اور کالج میں اس حوالے سے اس کی بڑی شہرت ہے۔ جتنا عرصہ تمہیں یہ کالج جوائن کیے ہوا ہے اتنا ہی ہمیں ہوا ہے۔ تمہیں پہلے یہ تو دیکھ لینا چاہیے تھا کہ ثمامہ واقعی اس حوالے سے جانی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ دوسری غلطی تم نے یہ کی کہ یہ تو بڑی کامن سی بات ہے کہ ہاتھوں کی لکیروں میں کوئی تقدیر و قدر نہیں ہوتی۔ یہ تو کچھ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں۔ جن میں تم جیسے کچھ ناسمجھ لوگ آ جاتے ہیں اور سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرتے ہیں۔''

تنوی چند ثانیے بے یقینی سے دونوں کے چہرے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

''میں نے کل تمہیں بتایا تھا، میں ثمامہ کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ آج بھی یہی کہا۔۔۔ تم لوگ میری پریشانی دور کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہو نا؟''

''تم نے اس روز جو سنا وہ جھوٹ تھا۔ آج جو کہہ رہے ہیں سچ ہے۔'' نمرہ نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ہماری تنوی کا ہاتھ عقل کی طرف سے تنگ ہے۔ جس نے ایک بار جو کہا، اس نے آنکھیں، کان بند کر کے یقین کر لیتا ہے اور سوچ سوچ کر اپنا خون خشک کرتے رہنا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا معاملہ تھا کوئی کچھ بھی کہتا تمہیں اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کئی احادیث ایسی مل جاتی ہیں، جن میں کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں پر اعتبار نہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ قرآن پاک کے سورۃ الصٰفٰت میں بھی اس کا ذکر ہے۔''

''عبیر! تمہیں وہ آیات یاد ہیں یا کوئی حدیث تو اسے سنا دو۔ ورنہ اس بار اسے ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ نمرہ نے کن انکھیوں سے تنوی کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے یک دم احساس ہوا تھا۔ وہ تنوی کو بری طرح ہرٹ کر چکی ہیں اور اس کی خفگی جائز بھی تھی۔ اگر انہیں تنوی کو پرکھنا بھی تھا، تب بھی ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''آیات تو یاد نہیں آ رہیں، البتہ اتنا یاد ہے سورۃ الصٰفٰت کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے۔ ہاں ایک حدیث ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' (یعنی نجومی اور کاہن) کچھ نہیں ہیں اور ان کی باتوں کا اعتبار نہیں۔''

لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بعض دفعہ وہ ہمیں کسی چیز کی بابت بتاتے ہیں اور وہ بات سچ نکلتی ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ سچی بات اسے جن، فرشتوں سے اچک لیتے ہیں اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتے ہیں، پھر وہ دوست اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتا ہے۔'' ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' فرشتے اللہ کے احکام لے کر بادلوں میں اترتے ہیں اور

اس بات کا ذکر کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمان میں کیا گیا ہوتا ہے۔ شیطان چوری چھپے اسے سنتا ہے اور کاہنوں کو پہنچا دیتا ہے تو وہ کاہن یا نجومی اس کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔"

عبیر خاموش ہوگئی۔ تنوی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ عبیر کے خاموش ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی، جھپٹ کر اس نے اپنا بیگ اور فائل اٹھائی اور دوسری نظر ان پر ڈالے بغیر کلاس روم سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ان دونوں کے لیے تنوی کا ردعمل بالکل غیر متوقع تھا۔ اس کے کلاس روم سے نکل جانے کے چند منٹ بعد جیسے انہیں ہوش آیا تو حواس باختہ ہو کر اس کے پیچھے دوڑیں۔

"تنوی۔ ۔ تنوی" کوریڈور کے کونے پر انہوں نے اسے جالیا۔

"ہٹو میرے راستے سے...... مجھے تم دونوں سے بات نہیں کرنی۔" تنوی نے سختی سے کہا۔

"ارے واہ...... کیوں بات نہیں کرنی۔" عبیر نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے ایک خالی کلاس روم میں لے آئی۔

"یہ تم مجھ سے نہیں خود سے پوچھو۔" تنوی نے جھنجلاتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ اس کا چہرہ غم و غصے سے لال ہو رہا تھا۔ تنفس تیز تھا اور جملہ پورا ہونے تک آنکھوں سے آنسو بھی نکل آئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"ہم نے تو مذاق کیا تھا تنوی!" نمرہ نے شرمندگی سے کہا۔

"مذاق ایسے ہوتے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔ "پورا ایک ہفتہ میں سکون سے سو نہیں سکی۔ سونے کے لیے لیٹتی تھی تو پہلا خیال ذہن میں یہ ہی آتا تھا کچھ برا ہونے والا ہے۔ رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلی یہ ہی خیال آسیب کی طرح مجھے ڈرانے آجاتا تھا اور تم لوگوں کے نزدیک یہ مذاق تھا۔ یہ ہی بات اگر ثامرہ مجھ سے کہتی تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔ میں نے اس کی باتوں پر یقین کیا، کیونکہ تم لوگوں پر مجھے اعتبار تھا۔ میں نے سوچا میری بیسٹ فرینڈز مجھ سے کیوں جھوٹ بولیں گی، وہ کیوں مجھے ڈرائیں گی۔"

"ایم سوری تنوی! ہمیں نہیں پتا تھا تم اتنا ہرٹ ہوگی!" عبیر نے اس کے قریب بیٹھ کر پیار سے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

"سوری تو ہے...... لیکن ہم تو صرف یہ ہی دیکھنا چاہتے تھے تم کسی کی بات کا اعتبار کرنے سے پہلے اپنی عقل بھی استعمال کرتی ہو یا نہیں...... تبھی تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے ہم نے وہ طریقہ استعمال کیا، جو بہت کامن تھا، پھر ہاتھ کی لکیروں میں مستقبل کے اشارے تلاش کرنے سے متعلق مذہبی پوائنٹ آف ویو اتنا واضح ہے کہ کسی اور شبے کی گنجائش ہی نہیں، ہم نے سوچا جیسے ہماری ماؤں نے بچپن میں ہی ہمیں اس کا مطلب سمجھایا ہوا ہے، ویسے ہی تمہاری امی نے بھی تمہیں بریف کیا ہوگا۔" نمرہ سادگی سے بولتی چلی گئی۔

"میں صرف چار سال کی تھی جب میری امی کا انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی معاملے میں بریف نہیں کیا۔" اس نے آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہا۔ "نہ ہی میرے کسی بزرگ نے مجھے بتایا کہ اگر کوئی قریبی دوست کوئی بات کہے تو اس پر یقین نہ کروں۔ میں سوچ بھی نہیں

سکتی تھی میری بیسٹ فرینڈ..... جن پر میں بے حد اعتبار کرتی ہوں وہ مجھے اس طرح بے وقوف بنائیں گی۔ ہم جن پر خود سے زیادہ اعتماد کرتے ہوں ان سے دھوکے کی توقع بھی نہیں کر سکتے۔"

"او کے آئی ایم سوری..... ہم تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر سنجیدگی سے ان تمام باتوں پر اعتبار کر لو گی۔" عبیر نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گال پونچھتے ہوئے پیار سے کہا۔

"اب جلدی سے مسکرا کر دکھاؤ، تم روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" ثمرہ نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی، پھر تینوں ہنس دیں۔

"اور ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا، کوئی آپ کا کتنا بھی قریبی عزیز دوست، رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ اس کی بات پر تب تک اعتبار کر کے کوئی عمل نہ کرو، جب تک اپنی عقل سے اسے پرکھ نہ لو..... بعض حالات ہمارے، بہت اپنوں کو بھی ہمارا اپنا نہیں رہنے دیتے۔"

ثمرہ نے تنوی کے کندھوں پر بازو پھیلاتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

"ہم خوامخواہ مرعوش سے متاثر ہو رہے تھے، میرا تو خیال ہے ثمرہ! تمہارے اقوال زریں کی کتاب بھی مارکیٹ میں آ جانا چاہیے۔"

عبیر نے اتنی سنجیدگی سے کہا تھا، ثمرہ کو سمجھنے میں چند لمحے لگے، پھر وہ تینوں ہی زور سے ہنس دیں۔ بڑی ہی کھڑکی سے اندر آتی صبح کی چمکیلی تر و تازہ دھوپ بھی انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

اس روز ایلیا کا ارادہ دیر تک سونے کا تھا، لیکن ہر روز کی طرح آج بھی اس کی آنکھ مخصوص وقت پر کھل گئی۔ چہرے کو تکیے سے ڈھانپ کر اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر نیند مہربان ہو ہی نہیں رہی تھی۔ تب وہ تکیہ ایک طرف پھینکتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گرم شال کو اپنے گرد لپیٹا اور کھڑکی کے پردے ہٹا دیے۔

پردے ہٹتے ہی تیز روشنی ایک جھماکے سے اندر داخل ہو کر سارے کمرے میں بکھر گئی۔

رات کے کہرے نے شیشے پر نم آلود دھواں سا پھیلا رکھا تھا، ایلیا نے انگلیوں کی پوروں سے نمی ہٹا دی، یہاں تک کہ سطح پر ایک دھندلا سا دائرہ دکھائی دینے لگا اور وہ شیشے سے ناک چپکا کر باہر دیکھنے لگی۔ دن اپنی پوری تابناکی کے ساتھ کائنات کے کینوس پر دکھائی دیتا تھا اور صبح کے آسمان پر سرمئی بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سفید بگلوں کی ایک قطار آسمان پر اڑی جاتی تھی، جبکہ ٹھنڈی یخ ہوا ست روی سے چلتی نیچے لان میں اس کے پیڑ پودوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ ایلیا نے پیار سے اپنے پودوں کو دیکھا، پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

کل اس کا آخری پیپر تھا، ممی، ڈیڈی کی اینی ورسری والے روز کسی وجہ سے ملتوی ہونے والا ڈنر بھی ان لوگوں نے کل رات ہی کیا تھا۔ ولید، ولی اور خود اس نے بہت انجوائے کیا تھا اور ممی، ڈیڈی کے خوش و خرم چہرے دیکھ کر اسے بے حد اطمینان محسوس ہوا تھا۔ پہلی بار ہی وہ ولید کی سمجھ داری سے متاثر ہوئی تھی۔ اس کے چھوٹے سے پلان نے بڑی آسانی سے ممی، ڈیڈی کے درمیان حائل ہوتی اس غیر واضح دیوار کو گرا دیا تھا۔

وہ خوش تھی اور بے حد مطمئن، آپ کو اچھا لگتا ہے جب آپ کے قریب لوگ مل جل کر خوش باش زندگی گزاریں۔ تبھی اس کی نگاہ لان کی

طرف جھکی اور وہ چونک سی گئی۔

برآمدے سے کچھ فاصلے پر کوئی سورج مکھی کے پودے سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مصروف تھا۔اس کا چہرہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے اینیا اسے پہچان نہیں سکی، لیکن اپنے قد کاٹھ اور ڈیل ڈول سے وہ اجنبی دکھائی دیتا تھا۔

اینیا نے ذرا سا آگے جھک کر اور آنکھیں سکوڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی، مگر یک دم اس کے تاثرات غصے میں ڈھل گئے۔اجنبی جس رخ پر کھڑا تھا، یہاں سے اس کے ہاتھوں کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی قینچی تھی، جس کے ساتھ وہ تیزی سے پتے کاٹنے میں مصروف تھا۔یہ دیکھ کر اسے بے حد غصہ آنے لگا۔یہ لان اس کی راج دھانی کی طرح تھا، جس کی وہ بلا شرکت غیرے حکمران تھی۔اس کی مرضی کے بغیر یہاں سے ایک پتہ بھی نہیں ہلایا جاتا تھا، حتیٰ کہ مالی بابا بھی اس کی اجازت کے پابند تھے۔ایسے میں یہ کون اجنبی تھا جس نے اس کی ریاست میں آ کر اس کے پودوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت کی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دھاڑ سے دروازہ کھلا اور شازیہ کی حواس باختہ صورت دکھائی دی۔

"انو باجی ...... انو باجی!" وہ گرتی پڑتی اندر داخل ہوئی۔اینیا غصے کے زیر اثر تھی، یوں بلا اجازت اور بد تہذیبی سے آنے پر اور جھنجلا گئی۔

"تمہیں تمیز نہیں سکھائی شازیہ! چاہے کوئی کتنا بھی دماغ کیوں نہ لڑائے تمہارے ساتھ، دروازہ کھٹکھٹا کر تمیز سے نہیں آ سکتیں اندر...... ایسے گرتی پڑتی آ رہی ہو، جیسے پیچھے بھوت لگا ہو۔کیا آفت آ گئی ہے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا، لیکن بجائے شرمندہ ہونے کے شازیہ شرمانے لگی۔

"ہائے اللہ باجی! ایسے تو نہ کہیں، آفت آئے ہمارے شریکوں پر...... ہم پر کیوں آئے۔" اس نے دوپٹے کا آنچل ہاتھوں میں دبا کر کہا۔ "دراصل جی ...... وہ آئے ہیں، وہ"......

"وہ؟" اینیا نے گھور کر اسے دیکھا۔ "یہ کس مخلوق کا نام ہے؟"

"نام تو جی بڑا پیارا ہے ان کا...... لیکن میں اپنے منہ سے کیسے لوں، مجھے شرم آتی ہے۔" جھکی لرزتی پلکیں گہری گہری سانسیں۔

"اونہہ ...... شبنم کی جانشین۔" اینیا کا پارہ اور چڑھ گیا۔

"شازیہ! صبح صبح میرا دماغ خراب مت کرو، سیدھی طرح بتاؤ کون آیا ہے؟"

"وہ ہی انو باجی! میرے خوابوں کا شہزادہ۔" شازیہ نے خواب ناک آواز میں کہا۔

"ایڈیٹ ...... اتنی دیر سے اپنی پھپھی کے لڑکے کے لیے پہیلیاں بجھوا رہی تھیں۔وہ بھی مجھ سے۔" اینیا نے جھنجلا کر کہا۔

"ہائے باجی! نعمان اعجاز میری پھپھی کا لڑکا کیوں ہونے لگا؟" شازیہ نے صدمے سے اینیا کو دیکھ کر پوچھا۔

"واقعی ...... نعمان اعجاز تمہاری پھپھی کا لڑکا کیوں ہونے لگا۔میں تو تمہاری پھپھی کے لڑکے کی بات کر رہی ہوں۔وہ ہفتے پہلے تک تو وہی تمہارے خوابوں کا شہزادہ تھا نا؟" اینیا نے تصدیق چاہی، جس پر شازیہ ہاتھ لہرا کر لاپروائی سے بولی۔

"لو وہ تو اتنی پرانی بات ہو گئی، آپ کو اب تک یاد ہے انو باجی! میں تو پچھلے ہفتے ہی بھول گئی تھی۔وہ چوڑا چمار کیوں ہونے لگا میرے

خوابوں کا شہزادہ؟ اونہہ..... نرا فقیر..... کبھی پچاس روپے کا پرانده تو لے کر دیا نہیں۔ میں نے سوچا ایسے شودے بندے سے محبت کرنے سے بہتر ہے، بندہ محبت ہی نہ کرے لیکن پچھلے اتوار کو وہ ڈرامہ لگا تھا نا ٹی وی پر۔ جس میں نعمان اعجاز پگڑی باندھتا تھا تو بس اسی روز میں نے نعمان اعجاز کو اپنے خوابوں کا شہزادہ مان لیا تھا۔"

"تو نعمان اعجاز نے پچاس روپے کا پرانده لے دیا؟"

"ہائے انوباجی! آپ تو بڑی مذاقیہ (مزاحیہ) ہیں۔" شازیہ شرما گئی۔ "میں سوچتی ہوں انوباجی! میرا رب کتنا کارساز ہے۔ اس نے میری لگن دیکھی ہوگی اور کہا ہوگا، چلو نعمان اعجاز نہ سہی تو اس جیسا کوئی بھیج دیتے ہیں۔ آپ چل کر دیکھو باجی! وہ ہو بہو نعمان اعجاز لگتا ہے۔"

"اب تمہاری بات پر کون یقین کرے۔ دو ہفتے پہلے تمہیں اپنی پھپھی کا لڑکا معمر رانا لگ رہا تھا۔ اب نعمان اعجاز..... اچھا سنو۔" اسے یک دم خیال آیا تو اسے قریب بلا کر پوچھنے لگی۔ "کہیں تم اس شخص کی بات تو نہیں کر رہیں؟"

وہ اب یوکلپٹس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہاں جی..... یہی ہے۔" "لیکن یہ ہے کون؟ اور ہمارے گھر میں کیا کر رہا ہے؟"

"یہ تو جی پتا نہیں۔" شازیہ نے لاعلمی ظاہر کی۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اس نے سوچا، وضع قطع سے تو ملازم طبقے کا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"شازیہ!" اینیا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "چلو پھر ذرا تمہارے اس نعمان اعجاز کے احوال پوچھ کر آتے ہیں، میرے پودوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے کی اس نے؟" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

سادی نے باہر آ کر فیضان ماما کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، حسب توقع وہ لان کا جائزہ لینے میں مصروف تھے، سادی لمبے لمبے ڈگ بھرتی ان کے پاس آ گئی۔

"میں انتظار کرتے تھک چکی ہوں ماما! پلیز آپ توقیر انکل کو فون کر کے پوچھیں، ان کا ڈرائیور کتنی دیر میں پہنچے گا؟"

"میری بات ہوئی ہے توقیر بھائی سے۔" فیضان نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ڈرائیور پچیس منٹ میں پہنچ رہا ہے۔"

"پچیس منٹ۔" سادی نے بےزاری سے کہا۔ "میں سمجھ گئی سلطانہ آنٹی سے ملاقات میری قسمت میں ہی نہیں ہے۔ میں نے خوامخواہ ممی سے ضد کر کے انہیں خفا بھی کیا۔ پچیس منٹ میں ڈرائیور صاحب پہنچیں گے۔ پتا نہیں ڈرائیونگ کیسی ہوگی محترم کی۔ کب ہم یہاں سے نکلیں گے، کب ساہیوال پہنچیں گے۔"

"تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" فیضان نے پوچھا۔ "ہم گیارہ بجے تک پہنچ جائیں گے۔ توقیر بھائی کا ڈرائیور اچھی ڈرائیونگ کرتا ہے، دیر سے بھی آیا تو ہمیں صحیح وقت پر پہنچا دے گا۔" انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ماوی کو ان کی باتوں پر اب اعتبار نہیں تھا، بڑی دیر ہوئی وہ اسے ایسی ہی تسلیاں دے رہے تھے۔ بمشکل تحمل کا مظاہرہ کرتی وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ صبح سرمئی سی معلوم ہوتی تھی، جبکہ ہوا میں خنکی تھی۔ ہرے پتوں پر اوس کے قطرے لرز رہے تھے۔

یک بارگی اس نے اینیا کو دیکھا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس طرف آ رہی تھی۔ ماوی اسے دیکھ کر وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول گئی۔

''آپ نے لان دیکھ لیا؟،، اس نے مسکراہٹ اینیا کی طرف اچھالی اور فیضان سے پوچھا۔

''ہاں.....''فیضان نے مختصراً کہا اور اس مختصر سے جواب سے ان کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

''آپ کو کیسا لگا؟'' اینیا سر پر پہنچ چکی تھی، جب ماوی نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

''بے کار۔'' فیضان نے جتنے آرام سے اپنی رائے کا اظہار کیا اتنے ہی آرام و سرعت سے ماوی کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، اور اس نے خفت بھری نظروں سے اینیا کو دیکھا تھا، جو فیضان سے چند قدم پیچھے کھڑی اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ ماوی کا خیال تھا فیضان تعریف کریں گے کہ بہر حال اس کو تو لان پسند ہی آیا تھا۔

''مجھے لگتا ہے ان لوگوں نے کوئی بہت ہی بے کار مالی رکھا ہوا ہے، جسے باغبانی کی الف ب بھی نہیں آتی۔ اور لان کا ڈیزائن''......

''آپ کو یہاں کیا برائی نظر آئی ہے؟'' اب کی بار اینیا سے رہا نہیں گیا تو بول اٹھی۔ فیضان تیزی سے پلٹے اور اس لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ وہ اپنے اور ماوی کے علاوہ یہاں کسی کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

''برائی کوئی نہیں ہے، یہاں کچھ خامیاں ہیں۔،، فیضان نے ماوی کے خفت زدہ چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہوئے اسی صاف گوئی سے کہا، جو ان کی شخصیت کا خاصا تھی۔

ماوی بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے ان دونوں کا تعارف کروانے لگی۔

''یہ میرے ماموں ہیں فیضان مہدی اور یہ اینیا ہے۔ یہ ان ہی کا گھر ہے۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' فیضان تکلف سے مسکرا کر بولے، جواب میں اینیا یک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ اسکے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

ماوی کی شرمندگی میں اضافہ ہو گیا، اسے اندازہ ہو رہا تھا اینیا کو فیضان کے کمنٹس کتنے برے لگے ہوں گے، آپ اپنی کسی چیز کے لیے بہت پوزیسو ہوں اور کوئی دوسرا اس کی برائی کرے تو آپ کو اچھا تو نہیں لگ سکتا نا۔

''اینیا!،، اس نے کہنا چاہا، جواب میں اینیا نے گردن موڑ کر ایک نظر اسے دیکھا، پھر سابقہ انداز میں بولی۔

''یہاں کیا خامیاں ہیں؟،، اس نے فیضان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی ایک نہیں، بہت سی ہیں۔'' فیضان نے کہا۔

''آپ مجھے بتائیں؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا، لیکن اب وہ فیضان کو نہیں دیکھ رہی تھی، اس کی نظریں یوکلپٹس کے اس پودے پر تھیں، جس کے پتوں کو فیضان نے قینچی سے کاٹ دیا تھا۔

"سب سے پہلے تو یہ گھاس۔۔۔اس کی تراش بہت ہی غیر مناسب ہے۔" فیضان نے کہا۔ مادی کا دل چاہا یہاں سے بھاگ جائے۔ اینیا کو وہ خفا کرنا نہیں چاہتی تھی اور فیضان کی صاف گوئی سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔ جب تک لان کی ایک ایک خامی نہ گنوا دیتے انہوں نے خاموش نہیں ہونا تھا۔

ناچار دل ہی دل میں ڈرائیور کے جلدی پہنچنے کی دعا کرتی، وہ ان کے فرمودات سننے لگی۔

"درخت یہاں اچھے ہیں، لیکن یہ جگہ Willow Tree کے لیے مناسب نہیں ہے۔ Willow واٹر گارڈن کا پودا ہے۔ آپ نے اسے یہاں لگایا ہوا ہے۔ شاید آپ نے غور کیا ہو اس پودے کی گروتھ بھی کم ہے، لیکن اگر اسے زیادہ پانی میں رہنے کا موقع ملتا تو یہ اب تک خوب بڑا ہو چکا ہوتا۔ پھر علیک کو مٹی کی تین تہوں میں بویا جاتا ہے، جبکہ یہاں چار تہیں لگی ہیں، اسی لیے علیک بھی متاثر ہوا ہے۔

یوکلپٹس کے زرد ہو جانے والے پتوں کو کاٹ دینا چاہیے۔ زرد پتے مٹی کے ساتھ مل کر اچھی کھاد دیتے ہیں لیکن اگر شاخوں کے ساتھ جڑے رہیں تو مردہ سیل ایک زہریلے مواد میں بدل جاتے ہیں، جن سے باقی پودے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، پھر سب سے حیران کن اور افسوس ناک چیز۔۔۔ یہ Chinese Evergreen بھی یہاں ان ڈور پلانٹ ہے، آپ لوگوں نے باہر رکھ کر اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا، اس بے چارے پودے کو اس حال میں دیکھ کر کتنا دکھ ہوا ہے مجھے۔" فیضان نے خاصے ملامتی انداز میں کہا تھا۔ اسی وقت ڈرائیور گاڑی لے کر پہنچ گیا تو مادی نے شکر ادا کیا۔

"او کے لٹل لیڈی! آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔"

فیضان نے اینیا سے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ مادی نے چاہا اینیا سے معذرت کرے لیکن پھر خیال آیا، اگر اسے فیضان کی باتیں بری لگ چکی ہیں تب وہ کتنی بھی کوشش کر لے اینیا کا دل بدگمانی کی دھند سے نہیں چھٹے گا۔ اس نے نظر بھر کر اینیا کو دیکھا، جو جھک کر یوکلپٹس کے زرد پتے اٹھا رہی تھی اور بنا کچھ کہے فیضان کے پیچھے چل دی۔

اینیا مجروح نظروں سے ان پتوں کو دیکھتی رہی، جو بے جان ہو کر اس کے ہاتھوں میں دبے تھے۔

☆☆☆

"ابھی تو صرف ساڑھے آٹھ ہوئے ہیں۔ تم بارہ کا وقت کیوں بتا رہی ہو؟"

مادی شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی، جب اس نے فیضان ماما کو کہتے سنا۔ اس نے سرعت سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

"میں نے کب بتایا؟ میں تو خاموش بیٹھی ہوں۔" اس نے تعجب سے پوچھا تھا۔

"تم نے نہیں بتایا، تمہارا چہرہ بتا رہا ہے، اس پر بارہ بجے ہیں۔" فیضان نے بنا مسکراہٹ کہا، ان کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں، مادی کے چہرے پر ناراضی کے تاثرات پھیل گئے۔

"آپ کو اینیا کے سامنے اس طرح کے کمنٹ نہیں دینا چاہیے تھے۔"

''کیسے کمنٹ؟'' فیضان نے پوچھا۔

''جیسے آپ نے دیے۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''تم نے مجھ سے پوچھا تھا مجھے لان کیسا لگا۔ میں نے بتا دیا۔''

''یہ تو نہیں کہا تھا آپ پوری تفصیلات بتائیں؟'' ہاں اینا...... اینا نے تفصیلات پوچھی تھیں۔''

''آپ نے کیوں کہا تھا لان میں کچھ خامیاں ہیں۔ بات ٹال دینا چاہیے تھی۔''

''تمہیں پتا ہے میں جھوٹ نہیں بولتا۔'' فیضان نے مسکراہٹ چھپا کر کہا۔

''ارے اتنی معمولی سی بات جھوٹ کے زمرے میں نہیں آتی۔''

''جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے۔'' فیضان کو اس کی تلملاہٹ مزہ دے رہی تھی۔ انہوں نے زور دے کر کہا، ماوی خفگی کے اظہار کے طور پر رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ اس کی اور فیضان کی عمر میں بہت کم فرق تھا، وہ اس سے محض تیرہ برس بڑے تھے۔ عمروں کے اتنے کم فرق کی بنا پر ہی ان کی شہروز، شمزا اور ماوی سے خوب دوستی تھی۔ خصوصاً ماوی کی شخصیت اور خیالات پر تو فیضان کی شخصیت کا گہرا اثر تھا وہ ان ہی کی طرح بولڈ، پُر اعتماد اور صاف گو تھی اور دلچسپ بات یہ کہ ان کی اسی صاف گوئی پر اسے اعتراض ہو رہا تھا۔

''کوئی آپ کے گارڈن پر تنقید کرے تو آپ کو کیسا لگے گا؟ اس بے چاری نے اپنے لان پر اتنی محنت کی ہوئی ہے آپ منٹوں میں اس کی محنت پر پانی پھیر کر آ گئے ہیں۔ کتنا ہرٹ ہوئی ہو گی وہ۔ تھوڑی سی تعریف نہیں کر سکتے تھے آپ؟'' اس نے روٹھے پن سے کہا۔

''کہا تو تھا، درخت اچھے ہیں۔'' فیضان نے جلدی سے کہا تھا لیکن ماوی کا دکھ کم ہی نہ ہوا۔

''میں نے اتنی تعریفیں کی ہوئی تھیں آپ کی، اور آپ پہلا امپریشن ہی خراب کر کے آ گئے ہیں۔ اینا میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی۔''

فیضان کو بڑے زور سے ہنسی آ گئی۔

''او خدا کی بندی! تعریفیں تم نے میری کی تھیں، امپریشن میں خراب ڈال کر آیا ہوں اور فکر تمہیں اپنی پڑی ہوئی ہے؟ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''ظاہر ہے آپ میرے ماموں ہیں۔ تعریفیں میں نے ہی کی تھیں، لیکن آپ اتنا برا تاثر چھوڑ کر آئے ہیں، اینا سمجھ رہی ہو گی میں اس سے جھوٹ بولتی رہی ہوں۔''

''شاباش...... اپنے جھوٹ کی کتنی فکر ہے اور جو مجھے جھوٹ بولنے پر اکسا رہی ہو؟'' فیضان نے ملامتی انداز میں کہا۔

''میں نے کب اکسایا؟''

''ابھی تو تم نے کہا، اگر لان اچھا نہیں لگا تو ٹال دینا چاہیے تھا۔''

''ماما......!'' وہ چڑ گئی۔ فیضان ہنس دیے اور اس کے سر پر چپت لگا کر بولے۔

"بے فکر رہو میں جا کر تمہاری خاطر ان محترمہ سے ایکسکیوز کر لوں گا اور ان کی کارکردگی کو ایسے شاندار الفاظ میں سراہوں گا کہ خوشی سے اس کا خون دو، چار لیٹر تو ضرور بڑھ جائے گا۔"

"صرف دو چار لیٹر؟" ماوی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"اس سے زیادہ جھوٹ میں نہیں بول سکتا۔" فیضان نے فوراً ہاتھ اٹھا دیے، ماوی ہنس دی۔

☆☆☆

"تمہارا ابھی جواب نہیں توقیر!"

جس وقت ثروت کمرے میں داخل ہوئیں، دانیال حسن ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے فون پر بات کر رہے تھے۔ جبکہ ان کے دوسرے ہاتھ میں ٹائی تھی۔

"کم سے کم مجھے ایک بار انفارم تو کرتے کہ فیضان مہدی صاحب پاکستان آ رہے ہیں۔" "کیا مطلب؟ کیا کرتا؟ یار! ریڈ کارپٹ پروٹوکول نہ سہی، لیکن میں انہیں ریسیو کرنے تو جا ہی سکتا تھا وہاں بزنس بھلے ہی نہ کیا ہو لیکن ہاراتیں تو بہر حال دیکھی ہیں ہم نے۔" (قہقہہ)۔

ثروت کی اپنی چیک بک نہیں مل رہی تھی وہ پورا دراز الٹ کر بیٹھ گئیں۔

"خیر حیرانی کی بات تو یہ بھی ہے کہ جس کے ساتھ پارٹنرشپ کی بنیاد پر میں کاروبار کر رہا ہوں اس سے ایک بار بھی نہیں ملا۔ ہاہاہا...... ہاں یہی سمجھ لو...... ایک سے رسکی معاملات ہیں...... ہر طرح سے تسلی کر لینے کے باوجود سو طرح کے خدشات لاحق رہتے ہیں...... میں نے تو پھر صرف تمہاری باتوں پر یقین کرتے ہوئے کسی تیسرے بندے پر اتنا بھروسا کیا ہے کہ اپنی ساری جمع پونجی لگا دی...... ہوں...... آمین...... چلو ٹھیک رہے گا۔ ہاں تم میری طرف سے انوائیٹ کر لو...... ہاں تمہاری بات بھی درست ہے...... تم ایسا کرو، مجھے فیضان صاحب کا کسانٹیکٹ نمبر send کر دو، میں خود ہی بات کر لیتا ہوں۔ اچھا سنو تم بھی وقت پر پہنچ جانا۔ نہیں کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ بھابھی اور بچوں کو بھی ضرور لے کر آنا۔"

انہوں نے تاکید کر کے فون بند کر دیا، ساتھ ہی شیشے میں دکھائی دیتے ثروت کے عکس کو دیکھا۔ وہ بیڈ پر دراز الٹائے بیٹھی تھیں۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟"

"میری چیک بک نہیں مل رہی...... پتا نہیں کہاں رکھ دی میں نے۔" ثروت نے جواب دیا۔

"سیف میں چیک کیا؟ مجھے لگتا ہے میں نے وہاں پڑی دیکھی تھی۔"

"ارے ہاں...... سیف میں تو دیکھا ہی نہیں۔" وہ سیف کی طرف بڑھیں۔

"اچھا ثروت! آج ڈنر پر اہتمام کر لینا۔ توقیر کی پوری فیملی کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی ہوں گے۔" دانیال حسن نے ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے کہا۔

"کون آ رہا ہے؟" ثروت رک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"میں نے تمہیں بتایا نہیں۔ دراصل میں نے ایک جگہ انوسٹمنٹ کی ہے۔ بلکہ انوسٹمنٹ بھی کیا۔ یوں سمجھو برابر کی پارٹنر شپ کی بنیاد پر کاروبار شروع کیا ہے۔ دبئی میں ایک آئرن فیکٹری پر پیسہ لگایا ہے۔ اب اس کاروبار میں میرے اور توقیر کے علاوہ ایک تیسرا حصہ دار بھی ہے جو توقیر کا دوست ہے۔ یہ خواتین جو ہماری انیکسی میں ٹھہری ہیں، اسی بندے کی بہن اور بھانجی ہیں۔ اب پارٹنر شپ کی ہے تو اچھے مراسم بھی تو بنانا پڑیں گے۔"

دانیال حسن انہیں بتاتے چلے گئے۔ ثروت خاموشی سے سنتی رہیں، ان دونوں کے درمیان ہمیشہ جو ایک سرد مہری کی فضا قائم رہتی تھی، اس نے کبھی بھی کوئی بات تفصیل سے کرنے ہی نہ دی تھی۔ حتیٰ کہ انیکسی میں آئے لوگوں کے لیے بھی بس اتنی تاکید کی گئی تھی کہ "ان کا خیال رکھنا، انہیں کوئی دقت نہ ہو۔"

"دبئی میں آئرن فیکٹری......" ثروت نے کچھ تعجب، کچھ بے یقینی سے دہرایا۔

"اس کے لیے تو بہت سرمایہ چاہیے ہوگا دانیال!" ثروت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں نے دیپال پور والی زمینیں بیچ دیں۔" دانیال حسن نے بالوں میں برش چلاتے ہوئے بے حد سرسری انداز میں بتایا، مگر ثروت کو دھچکا لگا تھا۔

"کیوں بیچ دیں زمینیں؟ ان سے تو آپ کو اتنا لگاؤ تھا، پھر پائی پائی جوڑ کر خریدی تھی وہ اراضی۔"

"میں نے بزنس لون کے لیے اپلائی کیا تھا، مگر کچھ وجوہات کی بنا پر لون ریجیکٹ ہو گیا۔ میں نے سوچا یہ زمین کون سا فائدہ پہنچا رہی ہے، بیکار ہی پڑی ہوئی تھی۔ پھر قیمت بھی اچھی لگ رہی تھی، موٹر وے کے قریب ہونے کی وجہ سے، تو بس بیچ دی۔"

"پھر بھی توقیر! آپ کو کسی انجان شخص پر اتنا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ زمین بے کار بھی پڑی رہتی تو وقت گزرنے کے ساتھ اس کی قیمت میں اضافہ ہی ہونا تھا۔ سیانے کہتے ہیں سونا اور زمین......"

"بیگم صاحبہ! مجھے سیانوں کی ساری باتیں یاد ہیں۔" دانیال حسن نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"لیکن اگر ترقی کرنا ہے تو رسک لینا ہی پڑتا ہے، دوسری بات یہ کہ اس شخص کی گارنٹی توقیر دے رہا ہے، کیا اس کے بعد بھی کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ بس اب دعا کرو یہ جو نیا کام شروع کیا ہے خدا اس میں ترقی دے۔"

"آمین......" پھر دانیال حسن رات کے ڈنر سے متعلق کچھ ہدایات دے کر چلے گئے۔ ثروت چیک بک بھول کر نئے تفکرات میں گھر گئیں۔ انہوں نے تو سوچا تھا دو تین مہینے کے قیام کے بعد بالآخر ثمینہ واپس چلی جائیں گی اور جو خدشات بار بار ان کے دل میں سر ابھار رہے ہیں، اپنی موت آپ مر جائیں گے، لیکن اگر واقعی دانیال حسن، ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنر شپ کر چکے ہیں اور اس خاندان کے ساتھ لانگ ٹرم ریلیشن شپ قائم کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا مطلب، خدشات کی ننگی تلوار کے نیچے ہمہ وقت کھڑے رہنا جس کے متعلق آپ کو پتا ہو، کسی بھی وقت آپ پر گر سکتی ہے۔

اچھا مالک، تو جو کرے گا بہتر کرے گا۔" جب وہ سوچ سوچ کر تھک گئیں تو سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے خود پرسکون ہو گئیں۔

☆☆☆

سیمینار ہال کے اسپیکرز سے آواز ایک توازن سے سماعت تک پہنچ رہی تھی۔

''دنیائے فکر ونظر میں...... چونکہ جبر کا تصور کوئی نیا نہیں ہے، اس لیے اس کا مطالعہ کسی بھی صورت میں کیا جاسکتا ہے، مثلاً ہندوؤں کے کرم کی صورت میں، آگستائن کے پیدائشی گناہ کے تصور میں، ایرانیوں کے زروان میں، یونانیوں کی موئرا، رواقیین کے مقدر اور شوپن ہار کے اندھے ارادے کی صورت میں بھی...... انسانی فطرت ناقابل تغیر ہے۔ یہ خیال فرائیڈ نے پیش کیا تھا اور وہ قوت ارادی کی فعالیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں وہ کہتا ہے کہ ایک شخص کسی دوراہے پر کھڑا ہو کر یہ کہے کہ میں ان دو راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اس کا رخ کر سکتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے، کیونکہ ان میں سے جو بھی راستہ وہ منتخب کرے گا، وہ لازماً کسی نہ کسی لاشعوری تقاضے کے ماتحت کرے گا، جس کا ممکن ہے اسے علم بھی نہ ہو، اس قسم کے موقع پر انسان سمجھتا ہے کہ میں قوت ارادی سے کام لے رہا ہوں، فرائیڈ کے خیال میں یہ اس کی بھول ہے، اس کی قوت ارادی لاشعور کے احکام کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔ ''میک ڈوگل'' کے خیال میں انسانی فطرت چند جبلتوں کا مجموعہ ہے، اس لحاظ سے انسان اور حیوان میں کچھ فرق نہیں ہے۔ وہ اور فرائیڈ انسان میں عقل وشعور کا وجود تسلیم کرتے ہیں، لیکن...''

پچھلی نشستوں میں سے ایک پر بیٹھی ماوی نے چوتھی مرتبہ منہ کھول کر جمائی لینے کی خواہش کو بمشکل دل میں دبایا اور فلمی مناظر جیسے سنجیدہ ماحول میں اپنی نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو زبردستی پورا کھول کر پورے دھیان سے اس شخص کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی، جسے اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور فرائیڈ، ایڈلر، کامیو، گوئٹے، شوپنہاور کے نام دہراتے بلامبالغہ پینتیس منٹ گزر چکے تھے اور خدا گواہ ہے کہ ایک بھی لفظ اس کی سمجھ میں آیا ہو، ایک تو اس قدر بورنگ گفتگو، پھر نفسیات کی ایسی ایسی اصطلاحات اور پھر اردو میں ان کا بیان...... نیند کا غلبہ طاری ہونے سے پہلے بھی وہ منہ اور آنکھیں کھول کر بے وقوفوں کی طرح ان افراد کے چہرے دیکھتی رہی، جن کے منہ سے یہ سب باتیں نکل رہی تھیں۔ گو کہ اس کے پاس وہ پرنٹڈ صفحات بھی موجود تھے، جن پر سیمینار کے موضوع کو ترتیب وار بیان کیا گیا تھا، مگر...... دراصل غلطی اس کی نہیں تھی، کسی کی بھی نہیں تھی۔ نفسیات اس کا مضمون تھا، نہ اسے انسانی نفسیات جانچنے پرکھنے کا شوق...... وہ تو دیر سے پہنچنے پر سلطانہ آنٹی اسے داخلے کا پاس اور یہ پرنٹڈ میٹریل تھما کر اسے یہاں بٹھا گئی تھیں اور جاتے جاتے بعجلت ''ملتے ہیں بریک کے بعد۔''

جیسا جملہ بھی بول گئی تھیں۔ وہ بے چاری ایڈمنسٹریشن کا حصہ تھیں، مہمان داری سے زیادہ ضروری اسٹیج کے بالکل سامنے والی کرسیوں پر ان کی موجودگی تھی، سو وہ چلی گئیں اور یہ یہاں بیٹھی ان خشک خیالات کو سننے کی کوشش کر رہی تھی، جن سے اسے رتی بھر بھی دلچسپی نہ تھی۔ فیضان ماما اسے چھوڑ کر ڈرائیور کے ساتھ اپنی منزل کو چلے گئے۔ اب انہوں نے اس کی ایک کال پر اسے لینے آنا تھا۔

معاً منہ نیچا کر کے اس نے ایک چھوٹی سی جمائی لے ہی لی، پھر ذرا چوکنی ہو کر بیٹھ گئی۔

''کامیو نے اپنی کتاب میں ایک یونانی شخص ''سی فس'' کا ذکر کیا ہے جو...''

ماوی نے کرسی پر ذرا سا اوپر اٹھ کر سلطانہ آنٹی کو تلاش کرنا چاہا۔ اگلی نشست پر ان کا گول جوڑے والا سر واضح طور پر پہچانا جا رہا تھا، جبکہ داہنی دیوار میں نصب کھڑکی سے سرمئی بادلوں کے ٹکڑے بھی جھانک رہے تھے۔

"اوئے تنوی! دیکھو بادل...... مانو نہ مانو آج بارش ہو گی۔" معاً مادی نے پچھلی نشست سے ایک دبی ہوئی لیکن پُرجوش آواز سنی۔

"اور اگر نہ ہوئی تو۔" ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"تو...... تو ہم نمرہ کا نام بدل کر جھوٹی حسینہ رکھ دیں گے۔"

"نمرہ کا نام کیوں بدلیں؟ تمہارا کیوں نہیں؟"

"کیونکہ عظیم لوگوں کے نام نہیں بدلے جاتے۔" شاہانہ انداز میں جواب دیا گیا، مادی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے ان آوازوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، اس نے کرسی سے ٹیک لگائی اور ان کی آوازوں کی طرف سماعت لگا کر بیٹھ گئی۔

"لیکن تم نے عظیم کام کیا، کیا ہے؟"

"نمرہ جیسی سہیلی کی باتیں مان کر حق دوستی نبھانے کے لیے پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بیٹھی اسکالرز کی بدمزہ باتیں سن رہی ہوں۔ اس سے عظیم کام کیا ہوگا؟"

"اچھا عبیرا میں نے سنا ہے اس فورم پر گفتگو کرنے کے لیے پورے ملک سے بڑے بڑے اسکالرز کو انوائیٹ کیا گیا ہے؟"

"ہاں تو بڑے تو لگ بھی رہے ہیں، تم خود بتاؤ ان میں سے کوئی ایک بھی تمہیں ساٹھ سے کم کا لگ رہا ہے؟" وہ دونوں کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔

"ویسے یہ نمرہ بی بی! ہمیں پھنسا کر خود کہاں غائب ہوئی ہیں؟"

"اسے عروش نے بلوایا تھا اسی کے حضور حاضری دینے گئی ہے۔"

"مجھے عروش اچھی نہیں لگتی عبیرا میں نہیں چاہتی کہ نمرہ اس سے دوستی رکھے۔ کچھ ایسا نہیں ہو سکتا کیا کہ نمرہ اس سے دوستی چھوڑ دے؟"

"عروش تمہیں پسند نہیں نمرہ کو تو ہے...... میرے یا تمہارے کہنے پر وہ دوستی کیوں چھوڑے گی؟"

"ہاں...... کہتی تو تم ٹھیک ہو؟"

"ویسے بھی تنوی! عروش تمہیں کیا کہتی ہے جو تمہیں بری لگتی ہے۔ دوستی کرنا چاہتی ہے نا تم سے تو کر لو۔"

"کہتی تو کچھ نہیں، بس مجھے اس کی آنکھیں بہت بری لگتی ہیں۔"

"لو اور سنو۔ پورا کالج اس کی آنکھوں کی تعریفیں کرتا ہے۔"

"غلط...... بالکل غلط...... پورا کالج اس کی آنکھوں کی تعریفیں نہیں کرتا۔ جو لڑکیاں عروش کی نام بوائے لک سے متاثر رہتی ہیں، صرف وہ اس کی آنکھوں کی تعریف کرتی ہیں۔"

"اچھا...... شاید میں نے غور نہ کیا ہو۔" اس عبیرہ نامی لڑکی نے کہا۔ مادی کی گود میں رکھے صفحات پھسل کر نیچے جا گرے۔ اس نے جھک کر اٹھائے اور سیدھی ہو بیٹھی۔ اسٹیج پر اب کسی اگلے محترم کو بلانے کو تیاری کی جا رہی تھی۔

"میری تعریف کرنا بند کرو عبیرا مجھے پتا ہے میں کتنی خوب صورت ہوں اور مجھے یہ بھی پتا ہے تم کتنی بڑی جھوٹی ہو۔" یہ تنوی کی آواز تھی۔



"میں جھوٹ کیوں بولوں گی؟"

"پچھلی بار جھوٹ کیوں بولا تھا؟"

"ہی ہی ہی ۔۔۔ تم بھولی نہیں اب تک؟"

"کبھی نہیں بھولوں گی میری جھوٹ فرینڈز نے اتنے بہترین طریقے سے مجھے بے وقوف بنایا ہے کہ میں بھول ہی نہیں سکتی۔"

"یار! وہ محض اتفاق تھا وہ۔۔۔۔ اب تم بھول بھی چکو اور کم سے کم میں اب جھوٹ نہیں بول رہی تم سچ مچ بہت پیاری ہو، کوئی بھی میری بات کی تائید کرے گا، یہ ہمارے سامنے والی ٹیبل پر لڑکی بیٹھی ہے، کہو تو اس سے تائید کروا دوں۔"

ہادی بے اختیار مڑ گئی۔ ان کے عین سامنے والی کرسی پر وہی براجمان تھی۔

"پاگل مت بناؤ میرا!" تنوی نے غصے سے کہا۔ "مجھے پتا ہے میں کتنی پیاری ہوں۔" اس کا لہجہ اترایا ہوا تھا۔ "دراصل تمہیں پتا نہیں ہے اصل خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔ کبھی میری نانو جان کو دیکھو تو پتا چلے، وہ اتنی بیوٹی فل اور گریس فل ہیں کہ بس۔"

"ارے۔۔۔۔ یہ کس دور کی لڑکی ہے، جو اپنی تعریف کے جواب میں اپنی نانو کی خوب صورتی کو ترجیح دے رہی ہے۔" ہادی کا دل چاہا پلٹ کر اس لڑکی کو دیکھے۔

"تنوی ٹھیک کہہ رہی ہے اس کی نانو تو سچ مچ بہت بیوٹی فل ہیں۔" ایک اور مدھم لیکن شوخ سی آواز سنائی دی۔

"تم تنوی کی نانو سے ملی ہو؟" یہ عبیر نے پوچھا تھا۔

"نہیں ملی تو نہیں ہوں، لیکن ایک مرتبہ مارکیٹ میں انہیں تنوی کے ساتھ دیکھا تھا۔ یار! وہ تو ایک دم اسٹار پلس کے ڈراموں والی نانی لگتی تھیں بالکل۔"

"ثمرہ! تم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟"

"یہاں سے نکلو۔۔۔۔ باہر جا کر بتاتی ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"سمیعہ! بڑے مزے کی بات ہے تم دونوں سنتے ہی پھڑک اٹھو گی۔"

"اچھا۔۔۔۔ چلو، لیکن ابھی فارغ ہو نہیں ہوئے، اللہ یہ تم نے جو گھنٹی پہ بیٹھے جیسے وقت پہ چلو۔"

"ہم دس منٹ میں واپس آ جائیں گے۔ بس اب اٹھو بھی۔" چند سیکنڈ بعد ہادی نے گردن موڑ کر دیکھا، وہ تینوں ہال کے پچھلے دروازے سے باہر نکل رہی تھیں۔ ہادی کو ازحد بوریت کا احساس ہونے لگا اس نے گہری سانس بھر کر نظریں سامنے ٹکا دیں۔

☆☆☆



''موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے نا؟'' باہر آ کر ثمرہ نے آسمان پر تیزی سے پھیلتے بادلوں کو دیکھ کر کہا۔ ٹھنڈی ہوا درختوں سے جھول رہی تھی اور موسم سرمئی سا معلوم ہوتا تھا۔ فضا میں خنکی تھی۔

''ہائے کس قدر رومانٹک لڑکی ہو۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے، سنبل کے اس درخت پر جھولا ڈال لوں اور جھولا جھولتے ہوئے وہ گانا گاؤں...... آسمان کو لگانے ہاتھ میں...... لو چلی، چلی ہوا کے ساتھ میں۔'' باقاعدہ ترنم سے گا کر خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔

''او دار شیخ کی جانشین! تم کیا موسم پر تبصرہ کرنے کے لیے ہمیں اٹھا کر لائی ہو؟'' تنوی نے پوچھا۔

''نہیں...... میں تم دونوں کو بوریت سے بچانے کے لیے اٹھا کر لائی ہوں۔'' ثمرہ نے فخریہ انداز میں ان دونوں کو دیکھا۔

''ماں صدقے...... تمہیں کتنا خیال ہے ہماری بوریت کا، پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ہم اندر بیٹھے کس قدر بوریت محسوس کر رہے ہیں، اس کا کتنی جلدی احساس ہو گیا تمہیں...... ادھر آؤ ثمرہ ذرا بلائیں تو لے لوں تمہاری۔''

''تم تو پہلے ہی بلا ہو...... میری بلائیں لے کر تو اور خونخوار ہو جاؤ گی، اس لیے رہنے دو۔'' (قہقہہ)۔

''اچھا بکو مت۔'' عبیر نے بے نیازی سے کہا۔

''نہیں بکتی۔''

''واللہ...... کس قدر تابع دار ہو ثمرہ! میرا خیال ہے میں سچ مچ تمہاری بلائیں لے لوں۔'' عبیر والہانہ آگے بڑھی۔

''خبردار...... دور...... دور۔'' ثمرہ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹی، تیزی میں اس کی نوٹ بک سے فیروزی رنگ کا لفافہ پھسل کر نیچے گر گیا۔ سوئے اتفاق سب سے پہلی نظر تنوی کی پڑی۔

''یہ کیا ہے ثمرہ؟'' اس نے بڑھ کر لفافہ اٹھایا، الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر چونک سی گئی۔ ''اس پر تو میرا نام لکھا ہے۔''

عبیر متجسس سی قریب آ گئی اور تنوی کے ہاتھ میں پکڑا لفافہ دیکھنے لگی۔

''ارے یہ تو۔'' اس نے بغور ان سنہری حروف کو دیکھا جو تنوی کا نام ظاہر کر رہے تھے۔ ''یہ تو عروش مرزا کی رائٹنگ ہے نا؟'' استعجابیہ انداز میں اس نے ثمرہ کی طرف دیکھا، ثمرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ مجھے عروش نے دیا ہے، تا کہ میں تمہیں دے دوں۔'' ثمرہ نے تنوی سے کہا۔

''مجھے۔'' تنوی حیران ہوئی، پھر لفافے کو سورج کے رخ پر کر کے بنا چاک کیے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن اس میں ہے کیا؟''

''اس میں تمہارے لیے لیٹر ہے، میرا مطلب لو لیٹر۔'' ثمرہ نے کہا۔

''کیا۔'' تنوی تو تنوی، عبیر بھی اتنے زور سے چلائی کہ روش پر یہاں وہاں چونچیں مارتے کوئے بھی ڈر کر اڑ گئے اور منظر پر ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ باقی رہ گئی۔

☆☆☆

اور بڑی تگ و دو کے بعد جب لیکچر میں تھوڑی سی دلچسپی محسوس ہونے لگی تو شولڈر بیگ میں رکھا موبائل فون وائبریٹ ہونے لگا۔ ہادی نے بیگ کی زپ کھول کر نمبر چیک کیا، ایک مدھم سی مسکراہٹ آن کی آن اس کے چہرے پر روشن ہو گئی۔ سر اٹھا کر اس نے صورت حال کا جائزہ لیا، پھر بیگ ہاتھ میں دبوچ کر چپکے سے باہر آ گئی۔ پورا اسٹیج آخری کونے تک ویران پڑا تھا، صرف ہال کے اسپیکرز سے نکلتی آواز تھی جو روشن دانوں سے ایک سرگوشی کی مانند باہر آ کر اس ویرانی کی پراسراریت کے حلقے کو توڑ رہی تھی۔

ہادی جلدی جلدی گراؤنڈ کی طرف چلی۔ اس کی ہیل کی ٹک ٹک سے پورا اسٹیج گونج اٹھا۔ جب تک وہ دروازے تک پہنچی موبائل کی وائبریشن بند ہو گئی، ساتھ ہی ہادی کے قدم بھی سست پڑ گئے۔ اس نے مایوس ہو کر موبائل کی ایل سی ڈی کو دیکھا جو تاریک ہو چکی تھی۔ وہ بڑے سے لکڑی کے دروازے سے کندھا ٹکا کر باہر گراؤنڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ ہوا پتے اڑائے پھر رہی تھی، جبکہ آسمان پر سرمئی، کالے اور سفید بادل آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھے۔

دروازے کے بالکل سامنے، لیکن کافی فاصلے پر اسے وہ تین لڑکیاں دکھائی دیں، جو کچھ دیر قبل اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سفید یونیفارم پر رنگین دوپٹے اوڑھ رکھے تھے۔ اتنی دور سے ان کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں، لیکن تاثرات سے پتا چلتا تھا کوئی گرما گرم بحث ہو رہی ہے۔

"یہ یقیناً عبیر ہے...... یہ نمرہ اور یہ جو سب سے کیوٹ ہے، ضرور یہ ہی تنوی ہو گی۔" اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا، کیونکہ یہ تیسری لڑکی اسے بہت خوب صورت لگی تھی۔ بالکل باربی ڈول فیس تھا اس کا۔ ویسی ہی بڑی بڑی بے حد چمکدار آنکھیں، متناسب پیشانی، چھوٹی سی ناک اور ترشے ہوئے دلکش بناوٹ والے لب۔ بہت کم چہرے اتنے مکمل محسوس ہوتے ہیں، بلاشبہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ ہادی کے موبائل میں زندگی کی رمق جاگی تو اس نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

"ہاں! آخر تمہیں میری یاد آ ہی گئی۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"تمہاری یاد کب نہیں آتی؟" شہروز کے کھنکتے لہجے میں اس کا جملہ پکڑ کر فوراً جتایا۔ "چوبیس گھنٹے میں سے تیئس گھنٹے میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔"

"یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ جل کر بولی، شہروز زور سے ہنس دیا۔

"کبھی آپ ہمیں طعنے دینے کے علاوہ یاد بھی کیا کیجیے۔"

"کس نے کہا میں تمہیں یاد نہیں کرتی؟" ہادی نے پوچھا۔ "میں ابھی ابھی تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"واقعی؟" وہ چہکا۔ "کیا سوچ رہی تھیں؟"

"میں نے ابھی ایک بہت پیاری لڑکی دیکھی ہے۔ میں سوچ رہی تھی اگر تم میرے بھائی ہوتے تو میں اس لڑکی کو تمہارے لیے پسند کرتی۔" ہادی نے نیم سنجیدگی سے کہا، جواباً وہ ترنت بولا۔

"میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا ہادی! وہ لڑکی اتنی اچھی لگی ہے تو ابھی بھی میرے رشتے کی بات کر لو، صرف تمہاری خاطر میں اس سے دوسری شادی کر لوں گا۔"

"دوسری شادی کا نام بھی مت لو، زندگی عذاب بنادوں گی میں تمہاری۔" ماوی نے دھمکایا، جواب میں شہروز ہنس دیا۔

"وہ تو خیر تم سے پہلی شادی کر کے ہی میری زندگی عذاب بن جائے گی دوسری کی گنجائش پھر کہاں رہے گی۔" پھر پوچھنے لگا۔

"پھپھو کیسی ہیں؟" وہ ثمینہ کے بارے میں بتا کر بڑے ماموں، ممانی اور شزا کے بارے میں پوچھنے لگی، جواب میں شہروز اسے اپنے ایڈمیشن کے متعلق بتانے لگا، اسے اسکالر شپ ملا تھا اور وہ اسپیشلائزیشن کے لیے امریکہ جارہا تھا۔ چند روز بعد اس کی فلائٹ تھی۔

"اس کا مطلب جب میں واپس آؤں گی تم ڈبلن میں نہیں ہو گے؟" ماوی نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

"میرا خیال ہے میں تمہیں مس کروں گی۔" بڑا احسان جتانے والا انداز تھا۔

"اوہ......آئی ایم آنرڈ مائی لیڈی!" شہروز نے تیزی سے کہا، پھر وہ دونوں ہنس دیے۔

"ویسے اماں کا خیال ہے امریکہ جانے سے پہلے ہماری شادی ہو جانا چاہیے۔"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" ماوی نے سرسری لہجے میں لیکن دلچسپی سے پوچھا۔

"میں نے کہا میری سیٹ کنفرم ہے اور اتنے شارٹ نوٹس پر ماوی کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ اماں کہنے لگیں تم شادی کا نام تو لو ہم جیسے بھی ممکن ہوا ماوی کو بلوالیں گے۔ میں نے کہا اماں! آپ کو جو کرنا ہے کریں میں تو شادی کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ اگر لیا تو آپ کی کیرئرا اورینٹڈ بہو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"بہت ہی خراب آدمی ہو تم شہروز! ممانی کو یہ بھی تو بتانا تھا کہ تم خود اسٹیبلش ہونے سے پہلے شادی کے کتنے خلاف ہو۔ ساری بات مجھ پر ڈال دی۔"

"تو کیا میں نے غلط کہا؟" شہروز نے سرعت سے پوچھا۔ "یاد ہے نا تمہیں، انگیجمنٹ کے وقت ہم نے فیصلہ کیا تھا، جب تک ہم دونوں اسٹیبلش نہیں ہو جاتے۔ کریئر نہیں بنالیتے دونوں میں سے کوئی شادی کی بات نہیں کرے گا۔"

"مجھے یاد مت کرواؤ شہروز! میں بھولی نہیں ہوں، لیکن تمہیں ممانی کو بتانا چاہیے تھا، ابھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ ہم دونوں کا ہے، وہ پہلے ہی مجھ سے اس بات پر خفا رہتی ہیں کہ میں شادی کے ایشو پر کیوں بولتی ہوں۔ شزا کی طرح خاموش کیوں نہیں رہتی۔ اب وہ اور خفا ہو جائیں گی۔" اس نے فکرمندی سے کہا تھا۔

"ماوی! تمہاری سینس آف ہیومر، دن بہ دن خراب ہوتی جارہی ہے۔" شہروز نے یک دم خفگی و بے زاری سے کہا تھا۔

"میں نے چھوٹا سا مذاق کیا تھا تم سے......اور تم......تمہیں لگتا ہے میں نے اماں سے تمہارا نام لے کر کچھ کہا ہو گا؟" وہ ناراض ہونے لگا، ماوی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"اچھا سوری نا......! مجھے کیا پتا تم مذاق کر رہے ہو۔"

''ایک بات اور...... اماں نے شادی کی بات نہیں کی تھی۔ یہ میرا آئیڈیا تھا کہ جانے سے پہلے نکاح کر لیا جائے۔ میں نے فیضان ماما سے بھی کہا تھا۔ وہ اس بارے میں پھپھو سے بات کریں۔ اگر تم راضی ہو تو میں اپنی فلائٹ Extend کروا سکتا ہوں۔''

''شہروز!'' ہادی نے بے چارگی سے کہا۔ ''اب منع کروں گی تو تم خفا ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تمہیں تو انگیجمنٹ والا فیصلہ یاد ہے۔''

''نہیں خفا نہیں ہوں گا۔'' شہروز نے نارمل لہجے میں کہا۔

''بس مجھے یونہی خیال آیا، کیونکہ اسپیشلائزیشن کے لیے مجھے کم سے کم بھی تین سال کا عرصہ چاہیے ہوگا، ان تین سالوں میں ڈبلن بھی کتنی مرتبہ آ پاتا ہوں، کچھ کہہ نہیں سکتا، میں نے سوچا...... یار! منگنی بہت بے اعتبار سا رشتہ ہوتا ہے۔''

''شہروز!'' ہادی بُری طرح متعجب ہوئی۔ ''اتنے بے اعتبار کیوں ہو رہے ہو؟ تمہیں خود پر بھروسہ نہیں یا مجھ پر؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''تم پر تو خیر خود سے زیادہ بھروسہ ہے، البتہ اپنی میں گارنٹی نہیں دے سکتا۔ امریکہ میں کسی سنہری زلفوں اور نیلی آنکھوں والی نے مجھے پھانس لیا تو شکوہ مت کرنا۔'' شہروز نے شرارت سے کہا، جواباً وہ اطمینان سے بولی۔

''اور تم فکر ہی نہ کرو، شکوہ نہیں کروں گی میں، بس تمہاری اس سنہری زلفوں اور نیلی آنکھوں والی کا چہرہ تیزاب ڈال کر جھلسا دوں گی اور تمہاری بوٹیاں کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گی۔''

''توبہ...... کس قدر وحشی خیالات ہیں تمہارے۔'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا، پھر ان دونوں نے چند اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔

''تمہیں خود پر بھروسہ نہ ہو شہروز! مجھے ضرور ہے۔ جب آرش بیوٹی تمہاری توجہ نہ کھینچ سکی تو وہ امریکن چھپکلیاں کیا کر لیں گی۔'' اس نے موبائل فون کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا، پھر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بات کرتے ہوئے وہ سیمینار ہال سے بہت دور آ گئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واپس چل دی۔

☆☆☆

''ممی......!'' ولی نے لاڈ سے پکارا۔

''بولو میرے چاند!'' ثروت نے اسی کے انداز میں کہا۔ ولید کے کان فوراً کھڑے ہو گئے، وہ قریبی صوفے پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''اتنا انٹرسٹنگ میچ چل رہا ہے، آپ چاہتی ہیں، میں میچ دیکھنا چھوڑ کر آپ سے باتیں کروں۔'' بظاہر مصروفیت بھرے انداز میں کہا۔

''میں نے کب کہا؟'' ثروت نے تعجب سے پوچھا۔

''ابھی تو آپ نے کہا، بولو میرے چاند!'' کمال کی معصومیت تھی۔

''ممی نے مجھے چاند کہا ہے۔'' ولی نے زور دے کر کہا، جواباً ولید نے سرعت سے گردن موڑ کر اسے سر سے پیر تک گھورا اور بولا۔

''آلو کی شکل والا، چاند پہلی بار دیکھا ہے۔''

ثروت نے غصے سے ولید کو گھورا، ولی روہانسا ہو کر کہہ رہا تھا۔

''ممی! یہ مجھے ہمیشہ آلو، آلو کہہ کر چڑاتا رہتا ہے۔''

''ولید! تم باز نہیں آؤ گے۔''

''آپ مجھے آلو سے بہتر کوئی نام بتا دیں، میں اسے آلو کہنے سے باز آ جاؤں گا۔'' اس نے پھر معصومیت سے کندھے اچکا دیے۔

''میں تمہارا کوئی الٹا نام لوں۔'' ولی نے آنکھیں دکھائیں، اس سے پہلے کہ ولید کوئی اگلا جملہ کہتا ثروت نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو روک دیا۔

''بس کرو۔۔۔۔اب کوئی جھگڑا نہیں کرے گا۔'' پھر انہوں نے موضوع بدل دیا۔ ''اب تم تینوں موجود ہو۔ رات کے ڈنر کے لیے اب اچھا سا مینیو سوچ کر بتاؤ۔''

''اچھا مینیو؟'' ولید نے دُہرایا، پھر پُر جوش انداز میں پوچھنے لگا۔

''آپ ہمیں ٹریٹ دے رہی ہیں؟''

''میں کس خوشی میں ٹریٹ دوں گی؟'' ثروت نے حیرانی سے پوچھا۔

''اپنی اچھی دوسری کی خوشی میں۔''

''تمہارے ڈیڈی نے ڈنر کروایا تو تھا؟''

''ایک ٹریٹ تو آپ کی طرف بھی بنتی ہے۔'' ولید نے آنکھیں مٹکائیں۔ ثروت نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ اینیا بھی شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''بھئی، سیدھی سی بات ہے، اتنے عرصے کے بعد آپ کے سرتاج کا موڈ خوش گوار ہوا ہے۔ وہ بات بے بات غصہ کرنے کے بجائے مسلسل مسکرا رہے ہیں۔ آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟ بس اسی خوشی میں آپ کو ہمیں ٹریٹ دینا چاہیے۔''

''واقعی ممی! ڈیڈی کا موڈ تو آج کل بہت خوش گوار رہنے لگا ہے۔'' اینیا نے بھی ولید کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''خدا اس موڈ کو خوش گوار ہی رکھے۔'' ثروت نے دل ہی دل میں کہا، پھر بولی۔ ''اس بارے میں ہم پھر بات کریں گے، فی الحال مینیو ڈیسائیڈ کرو۔ ڈنر پر کچھ مہمان آ رہے ہیں۔''

''کون آ رہا ہے ممی!'' اینیا نے پوچھا۔

''توقیر بھائی کی فیملی آ رہی ہے اور ماوی، مسز احسان اور ان کے بھائی آ رہے ہیں۔'' اینیا نے چونک کر ثروت کو دیکھا۔

''ایں۔۔۔۔میں نے تو سنا تھا ہماری انیکسی میں ماوی اور مسز احسان رہ رہی ہیں، اب ان کے بھائی بھی آ گئے۔'' ولید نے کہا۔

''مسز احسان کے بھائی کے ساتھ مل کر تمہاری ڈیڈی نے کوئی بزنس شروع کیا ہے۔ یہ ڈنر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔'' ثروت نے بتایا تو تینوں بچے ایک دم بہت پُر جوش نظر آنے لگے۔

''واؤ۔۔۔۔ڈیڈی نے بزنس شروع کیا ہے، لیکن ہمیں کیوں نہیں بتایا؟''

"ڈیڈی سرپرائز دینا چاہ رہے ہوں گے۔"

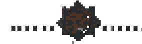
"اچھی بات ہے نا! ایک اور ٹریٹ کا بندوبست ہو گیا۔"

"آج تو مسٹر آلو کی بہن کو بھی صرف کھانے کے خواب آرہے ہیں۔" ولید نے پھر دلی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا اور حسب توقع وہ بھڑک بھی گیا۔

"ولید! اب تم مجھ سے مار کھاؤ گے۔" ثروت نے اسے ڈپٹا، دلی بولا۔ "آپ ہمیشہ کہتی ہیں مارنے کا..... کبھی مارتی نہیں ہیں۔ ایک بار اس کی پٹائی کریں، دوبارہ ایک لفظ نہیں نکالے گا۔ آلو، آلو کہہ کر زندگی Spoil کر دی ہے اس نے۔ اس کی وجہ سے اب تو میرے سارے کلاس فیلو بھی مجھے مسٹر آلو کہہ کر چڑاتے رہتے ہیں.....

اُوگاڈ..... امی میں کیا کروں..... یہ ولید کا بچہ ہمیشہ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے۔ مجھے پتا ہے فیوچر میں بھی یہ ہی کرے گا۔ یہ تو مجھے لو میرج بھی نہیں کرنے دے گا، سارے زمانے میں تو اس نے مجھے آلو مشہور کر دیا ہے، کوئی لڑکی آلو سے محبت کیوں کرے گی۔"

اس کی پریشانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور ففتھ اسٹینڈرڈ کے بچے کے منہ سے لو میرج کی بات سن کر وہ تینوں ہی ہکا بکا رہ گئے تھے۔ پھر سب سے پہلے ولید کی ہی ہنسی چھوٹ گئی، پھر کوشش کے باوجود ثروت اور اینا بھی اپنی ہنسی چھپا نہیں سکیں۔ ان تینوں کو بے تحاشا ہنستا دیکھ کر دلی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اب ولید کو دلی کی کھنچائی کرنے کے لیے ایک اور موضوع مل چکا تھا۔ وہ چاروں ہنس رہے تھے اور پورے کمرے میں ایک خوش باش گھرانے کی تصویر روشن ہو رہی تھی۔



عروش مرزا..... ایک الجھا ہوا کردار..... مردانہ حلیہ بنا کر اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے رہنے کی شوقین، اخلاقی اعتبار سے تنزلی کا شکار۔ اس کے بارے میں کئی افواہیں اڑتی پھرتی تھیں جو کالج میں ایڈمیشن لیتے کے ساتھ ہی ان تینوں کے کانوں تک بھی پہنچیں، لیکن عموماً ایسی باتوں کی تصدیق یا تردید نہیں ہوتی، یہ صرف افواہیں ہوتی ہیں۔ عروش جیسی لڑکیوں کے متعلق عموماً تین لابیز ہی ہوتی ہیں، ایک تہائی لڑکیاں انہیں ناپسند کرتی ہیں، ایک تہائی ان کی مدح سرا دکھائی دیتی ہیں جبکہ باقی ماندہ کو عروش جیسے لوگوں سے فرق نہیں پڑتا۔ سوئے اتفاق ان کے گروپ میں بھی عروش کے متعلق تینوں آرا موجود تھیں۔ نمرہ عروش کو بے حد پسند کرتی تھی تنوی کو وہ سخت بری لگتی تھی، جبکہ عبیر بالکل غیر جانبدار تھی وہ بہت کم اس بارے میں بات کرتی لیکن آج جو ہوا اس نے تنوی کے ساتھ ساتھ عبیر کو بھی دم بخود کر دیا تھا اور ان دونوں کے منہ سے "خط" کا نام سن کر چیخ نکل گئی تھی۔ نمرہ نے بے ساختہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"اُف..... میرے کانوں کے پردے کیوں پھاڑ رہی ہو..... مجھے کیا پتا بند لفافے میں کیا ہے، مجھے تو عروش نے کہا تھا تم تک پہنچا دوں سو پہنچا دیا۔" ایک آن میں تیزی سے لفافہ چاک کیا، اندر خوشبو سے مہکتا لیٹر پیڈ تھا، عبیر نے اس کے ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کیا، لیکن جوں جوں تنوی کی نظریں خط کی سطروں پر دوڑ رہی تھیں توں توں اس کا فشار خون بلند ہو رہا تھا اور یہ خون جیسے آنکھوں سے چھلکنے کو بے چین تھا۔

"مجھے آپ کا سب سے اچھا دوست بننا ہے اور مجھے یہ بھی پتا ہے، مجھ سے دوستی کر کے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ پلیز میرے خط کا جواب ضرور دیں۔"

صرف اور صرف آپ کا......سروش۔

تنوی کی بے تحاشا ناراضی و غصے پر حیرانی کا دھواں سا پھیل گیا۔

"ثمرہ! تم تو کہہ رہی تھیں یہ عروش نے بھجوایا ہے، جبکہ اس پر تو کسی سروش کا نام لکھا ہے۔"

"غور سے دیکھو جلدی میں "ع" "س" بن گیا ہوگا" اس نے خود آگے ہو کر دیکھا اور حیران ہو کر بولی۔ "اس پر تو واقعی سروش لکھا ہے لیکن تنوی! میں سچ کہہ رہی ہوں، یہ مجھے عروش نے دیا ہے۔"

"ممکن ہے عروش نے سوچا ہو، کہیں تم غصے میں آ کر پرنسپل سے شکایت نہ کر دو، اس صورت میں تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہونا چاہیے، تب ہی اس نے اپنا نام غلط لکھوا دیا۔" عبیر نے خیال ظاہر کر دیا۔

تو اس کا خیال ہے وہ اپنا نام غلط لکھے گی تو میں شکایت نہیں لگاؤں گی۔" تنوی نے کاغذ مٹھی میں ایسے بھینچا جیسے وہ کاغذ نہیں عروش کی گردن ہو۔"

"شکایت تو میں ضرور لگاؤں گی، عروش نے مجھے سمجھا کیا ہے جو ایسا واہیات خط لکھا۔" وہ غصے سے کھول رہی تھی۔

"ایک منٹ......ایک منٹ......اگر ایسی بات ہوتی تب بھی عروش کو کم سے کم خط میں مؤنث کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے تھا" عبیر کا انداز پُرسوچ تھا۔ "مجھے لگتا ہے میں نے سروش کا نام سن رکھا ہے......ثمرہ یہ عروش کا وہی کزن نہیں ہے جو پچھلے ہفتے صبح سے شام تک کالج کے باہر آ کر کھڑا ہوتا رہا ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" ثمرہ چڑ گئی، پھر یک دم لجاجت سے بولی۔

"تنوی! تمہیں پتا تو ہے عروش تمہیں پسند کرتی ہے اور تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے، کل بھی یہی کہنے کے لیے تمہیں بلوایا تھا۔ لیکن تم نہیں گئیں تو اس نے خط لکھ دیا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے یار! کہ تم شکایت لگانے چلی جاؤ کالج اسکول میں اکثر لڑکیاں ایک دوسرے کو خط لکھتی ہی ہیں۔"

"لکھتی ہوں گی مگر مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔" تنوی نے سنجیدگی و تختی سے کہا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، میں دوستی نہیں کرنا چاہتی، پھر یہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس بار ثمرہ خاموش رہی لیکن اس کے تاثرات دیکھ کر صاف پتا چلتا تھا وہ متفق نہیں ہے۔

"ویسے میرا بھی یہی خیال ہے، ایک بار پرنسپل تک بات پہنچا دینا چاہیے۔" عبیر کا دماغ بڑی دور کی اڑان بھر رہا تھا۔

"عروش! جس مزاج کی لڑکی ہے اگر پہلی بار میں اسے ٹوکا نہ گیا تو وہ بار بار یہ حرکت کرے گی۔"

عبیر نے بھی سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے جتنا تم لوگ اسے بڑھا رہے ہو۔"

"یہ بڑی بات ہی ہے۔" عبیر نے زور دے کر کہا۔ "عروش کے بارے میں جو باتیں کالج میں پھیلی ہوئی ہیں کیا تم نے کبھی نہیں سنیں؟ وہ کس ریپوٹیشن کی لڑکی ہے، کیا ہم سب کو نہیں پتا؟ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ تنوی اگر اس سے دوستی کرتی ہے تب بھی بدنام ہوگی اور اگر نہیں کرتی تو بھی عروش اسے تنگ کرتی رہے گی۔ اس صورت حال سے نمٹنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ پرنسپل تک معاملہ پہنچا دیا جائے۔"

ثمرہ نے تحمل سے عبیر کی بات سنی۔ اگلے پل تنوی کے ہاتھ سے خط چھینا اور سرعت سے اس کو پرزوں میں تبدیل کر کے مٹھی بھر کاغذوں کو دور اچھال دیا۔ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو ہوا نے آن کی آن میں دسترس سے دور کر دیا تھا۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ عبیر اور تنوی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا، وہ دونوں حق دق سفیدے کے درختوں کے درمیان ہوا سے اڑتے پرزوں کو دیکھ رہی تھیں۔

ثمرہ نے ہاتھ جھاڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔

"اب تم دونوں کو جو کرنا ہے کرو، ثبوت کے بغیر پرنسپل تم لوگوں کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گی۔ مجھے گواہی کے لیے بلایا تو میں مکر جاؤں گی کہ عروش نے مجھے کوئی خط دیا تھا۔ تم دونوں بلاشبہ عروش سے زیادہ اچھی فرینڈ ہو میری۔ لیکن کسی ایک کے لیے میں اپنی دوسری فرینڈ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتی۔" ثمرہ پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی بلڈنگ کے کونے پر غائب ہوگئی۔ وہ دونوں چند منٹ پریشان اسے جاتا دیکھتی رہیں پھر عبیر نے کہا۔

"ثمرہ کا دماغ بالکل خراب ہو چکا ہے۔ عروش کی صحبت میں رہتی ہے تو زبان بھی اسی کی بولنے لگی ہے، اسے یہ تک احساس نہیں کہ اس کے اور عروش کے بارے میں لڑکیاں کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔" عبیر نے پریشانی سے کہا۔ تنوی کی طرح وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی نہیں تھی، وہ بہت فعال تھی ہر معاملے میں اپنی رائے کا اظہار بے شک نہ کرتی ہو مگر معلومات ہمیشہ سو فیصد رکھتی تھی۔

"کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟" تنوی نے چونک کر پوچھا۔

"یار! اگر بزرگ کہتے ہیں انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے تو ٹھیک ہی کہتے ہیں، ثمرہ آج کل عروش کے ساتھ اتنا وقت گزار رہی ہے، اکثر لڑکیوں کا خیال ہے یہ بھی عروش کی طرح بیمار ذہنیت کی مالک بن چکی ہے۔"

عبیر نے ناپسندیدگی کے انداز میں اور بے حد مدھم آواز میں بتایا۔ "اور تم پریشان مت ہو عروش کا خط دیکھ کر جو تمہارا ردعمل تھا وہ یقیناً ثمرہ اسے بتائے گی، مجھے امید ہے وہ دوبارہ تمہیں خط نہیں لکھے گی، لیکن اگر دوبارہ ایسا کیا تو ہم ثمرہ کی ناراضی کی پروا کیے بغیر پرنسپل کے پاس چلے جائیں گے۔"

"کیسے پریشان نہ ہوں۔" تنوی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"مجھے لگ رہا ہے ثمامہ نے میرا ہاتھ دیکھ کر جو بھی بتایا تھا، وہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔ لو ہو گیا شروع میری زندگی کا برا دور۔" اس نے فکرمندی سے سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا، جبکہ عبیر نے سر پیٹ لیا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سیمینار ہال کی لابی سے آتی ٹیچر سلطانہ کو دیکھ لیا، وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلا رہی تھیں۔

☆☆☆

"سنیے کیا آپ مادی ہیں؟"

دونوں لڑکیوں کے قدم اس کی طرف ٹھٹک کر رکے تھے، مادی نے چونک کر انہیں دیکھا، وہ تنوی اور عبیر تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہمیں میڈم سلطانہ نے بھیجا ہے، وہ کہہ رہی ہیں ہم آپ کو ان کے کیوبیکل تک پہنچا دیں۔" مادی ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا کر ان کے ساتھ ہولی، کئی کلاس رومز کی سامنے سے گزرنے کی بعد ایک وسیع و عریض گراؤنڈ عبور کرنا پڑا، جس کے دوسرے کنارے پر ہاسٹل کی عمارت تھی۔

مادی کو لگا جیسے رونق تو بس سیمینار ہال کے قریب ہی تھی، باقی تو پورا کیمپس سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پتا چلا سیمینار کی وجہ سے دیگر طالبات کو چھٹی دی گئی ہے۔ سلطانہ آنٹی باہر ہی کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تنوی اور عبیرا سے میڈم سلطانہ کے سپرد کر کے واپس چلی گئیں۔

"بھئی۔ میں شرمندہ ہوں۔ تمہیں بہت انتظار کرنا پڑا۔" وہ اسے اپنے ساتھ اندر لے آئیں۔

"انتظار کا تو کوئی مسئلہ نہیں، بس ارتقائیت، نوافلاطونیت، مادیت پسندی جیسے الفاظ سن سن کر دماغ پک گیا میرا۔" مادی نے حسب عادت صاف گوئی سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

"لگتا ہے، سائیکالوجی سے بالکل دلچسپی نہیں ہے تمہیں؟"

"ایک فیصد بھی نہیں۔" مادی نے سرعت سے کہا تھا۔

سلطانہ آنٹی کے کیوبکل میں پہلے سے کچھ لڑکیاں موجود تھیں۔

"ارے..... تم لوگ یہاں بیٹھی ہوئی ہو، مجھے پتا ہوتا تم لوگ ادھر ہو تو اس بچی کو پہلے ہی یہاں چھوڑ جاتی۔ خوامخواہ بے چاری کا اتنا وقت ضائع ہوا۔ میں نے سوچا انجان جگہ پر کیا اکیلی چھوڑ کر جاؤں۔" سلطانہ آنٹی نے کہا، پھر ان سب کو مادی سے متعارف کروانے لگیں۔ وہ تینوں سلطانہ آنٹی کی کولیگز تھیں، لیکن ان کے ڈپارٹمنٹ مختلف تھے۔ عائشہ میتھس پڑھاتی تھیں، زرتاشیہ اسلامیات کی لیکچرار تھیں، جبکہ عمارہ اردو ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ اور سلطانہ آنٹی کی روم میٹ بھی تھیں۔

"آپ بڑے صحیح وقت پر آئی ہیں میڈم! ایک زبردست بحث چھڑی ہوئی ہے۔ آپ بھی اپنا حصہ ڈال لیجیے۔ آپ کی رائے سے ہماری معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہو جائے گا۔" عائشہ نے کہا۔

"بحث کا موضوع کیا ہے؟" سلطانہ آنٹی نے مادی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرائیڈ کا نظریہ..... یہ کہ انسان فطرت ناقابل تغیر ہے۔" عمارہ نے کہا۔

"ارے یہ تو بڑا آفاقی موضوع چھیڑ کر بیٹھی ہوئی ہو تم لوگ، اس بحث میں تو بڑے بڑے اسکالر، مفکر کسی منطقی رائے تک نہ پہنچ سکے ہم لوگ کیا پہنچیں گے۔"

"میڈم! ہم میں سے کوئی اسکالر ہے نہ مفکر..... ہم تو بس یونہی اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں، سوچا آپ سے بھی رائے لے لیں۔" زرتاشیہ نے کہا تھا۔

''اچھا میں ذرا ماوی کو بکس اور نوٹس دکھا دوں پھر بات کرتے ہیں، عمارہ بچے...... ذرا اچھی چائے تو پلاؤ'' وہ ماوی کو ساتھ والے کمرے میں لے آئیں، یہاں ایک دیوار گیر الماری اوپر سے نیچے تک کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔

''لو بھئی...... دائیں طرف ساری کتابیں تمہارے ریسرچ ورک سے متعلق ہیں۔ جو تمہیں پسند ہوں وہ نکال لو...... یہ کچھ نوٹس اور یہ میرا تھیسس۔'' وہ اسے سب کچھ دکھا کر اور فری ہینڈ دے کر دوسری الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگیں پھر واش روم میں گھس گئیں۔ ماوی کے ہاتھ تو جیسے خزانہ آ لگا تھا، ایک سے ایک بہترین کتاب موجود تھی یہاں۔ سلطانہ آنٹی واش روم سے باہر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اس کا ریسرچ ورک ڈسکس کرتی رہیں، پھر عمارہ انہیں چائے کے لیے بلانے آ گئیں۔

''آ جاؤ ماوی! پہلے چائے پی لیتے ہیں، پھر تم باقی چیزیں دیکھ لینا۔'' سلطانہ آنٹی کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ اسی کمرے میں آ گئی، جہاں باقی خواتین موجود تھیں۔ چائے کے ساتھ گرما گرم چکن پیٹیز اور چاکلیٹ پیسٹریز کا اہتمام تھا۔ ماوی کو بھوک تو پہلے ہی محسوس ہو رہی تھی، بلا تکلف بیٹھ کر ان چیزوں سے انصاف کرنے لگی۔ عائشہ نے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا، جس پر سلطانہ ان کی رائے چاہ رہی تھیں۔

''آپ نے پروفیسر تقی کی باتیں سنیں؟''

''پروفیسر تقی کو تو تم رہنے ہی دو، وہ فرائیڈ کے اتنے بڑے معتقد ہیں کہ اس کی کہی سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے، جن دنوں میں یونیورسٹی میں تھی، میری اور میرے گروپ کی پروفیسر تقی سے اسی موضوع پر لمبی لمبی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ تقی صاحب کہتے تھے جو جناب فرائیڈ فرما گئے، وہی حرف آخر ہے اور ہمیں ان کی بات ماننے میں تامل ہوتا تھا۔'' سلطانہ آنٹی نے کہا۔

''اچھا آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' درِ ثمینہ نے پوچھا۔

''کیا واقعی انسانی فطرت ناقابل تغیر ہے؟''

''بھئی یہ پرانی بحث ہے۔ یعنی جتنی پرانی یہ بات ہے کہ فطرت انسانی ناقابل تغیر ہے، کم و بیش اتنے ہی پرانے وہ دلائل ہیں، جو اس نظریے کی مخالفت میں دیے جا رہے ہیں۔ لیکن اگر تم صرف میری رائے پوچھ رہی ہو تو میں اس بات کو نہیں مانتی۔ انسانی فطرت کیوں تبدیل نہیں ہو سکتی؟''...... بالکل ہو سکتی ہے اگر انسانی فطرت تبدیل نہ ہو سکتی تو آج بھی انسان پتھر کے زمانے میں جی رہا ہوتا۔ غاروں میں رہتا، دانتوں سے کاٹ کاٹ کے کچا گوشت کھاتا۔ جہاں تک میری معلومات ہیں، تمدنی زندگی کے آغاز کو صرف آٹھ یا دس ہزار برس ہوئے ہیں۔ ان دس ہزار برس کے آغاز کا انسان کیسی زندگی گزار رہا تھا، کیا تم لوگ اندازہ لگا سکتی ہو؟ وہ انسان وحشی تھا اور اس وحشت کو اپنی فطرت کا حصہ سمجھتا تھا، وہ فطرت جو بدلی نہیں جا سکتی لیکن ہم گواہ ہیں اس بات کے...... کہ فطرت بدلی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں، کس طرح انسان کے آباؤ اجداد کے شعور نے نشو و نما پائی اور اسی کے ذریعے وہ حیوانات کی صف سے الگ ہوا...... دراصل تبدیلی کا عمل اتنی سست روی سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ ہم محسوس بھی نہیں کر پاتے۔ احساس اس وقت ہوتا ہے، جب بہرحال تبدیلی ایک واضح شکل میں ہمیں دکھائی دینے لگتی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ کئی ہزار برس آگے کا انسان آج کے دور کو پتھر کا زمانہ کہہ رہا ہوگا اور ایسا کیوں ہوگا، صرف اس لیے کیونکہ ہر لمحہ تبدیلی آ رہی ہے اور فطرت نئے سانچوں میں ڈھل رہی ہے۔''

"واقعی۔" زرتاشیہ نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

اگر ہم اس بات کو درست مان لیں، تب تو تبدیلی بہتری اور ترقی کا عمل ہی رک جائے گا۔ آخر کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے نا کہ ہم تعلیم حاصل کرتے اپنے بچوں کو اسکول، کالج بھجاتے ہیں۔ ماں، باپ، بچوں کی تربیت کی فکر کرنا ہی چھوڑ دیں۔ اگر اس نظریے کو درست مان لیں، بھی انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے خدا نے، ورنہ جانور ہیں، پیڑ، پودے ہیں، پہاڑ ہیں، خدا نے ان سب کو اشرف المخلوقات کا درجہ کیوں نہیں دیا؟ کوئی وجہ تو تھی جو خدا نے انسان کو اس درجہ پر فائز کیا اور یہ وجہ انسان کا عقل و شعور ہے جو کسی اور مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اب اگر انسان اپنی فطرت پر ہی قابو نہیں پا سکتا تو کیا فائدہ ہے اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا؟"

"واقعی زری! تم نے بڑی اچھی بات کی ہے۔" عمارہ نے فوراً سراہا۔

"فرائیڈ چاہے کچھ بھی کہتا رہے، ہمیں، بحیثیت مسلمان یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ صرف تقدیر ہے جو بدلی نہیں جا سکتی۔ فطرت کی کیا حیثیت ہے تقدیر کے مقابلے میں؟"

"اور جہاں تقدیر کی بات آ جائے وہاں تو ہر بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

سلطانہ آنٹی نے کہا۔ "لیکن اگر کچھ دیر کے لیے تقدیر کی بحث کو ایک طرف رکھ دیں تو میں کہوں گی تعلیم و تربیت والا پوائنٹ بھی بہت خوب اٹھایا ہے تم لوگوں نے" روسی ماہر عضویات تھا پاف لوف...... اس نے conditioned refler کے نام سے ایک تھیوری دی تھی اور تھیوری کچھ یوں تھی کہ اگر کتے کو خوراک کھلاتے وقت گھنٹی بجائی جائے تو کتا گھنٹی کی آواز سے ایسا conditoin ہو جاتا ہے کہ جب بھی گھنٹی بجائی جائے اور خوراک نہ بھی دی جائے تو بھی اس کے منہ سے رال ٹپکنے لگے گی۔ اس نظریے کی روشنی میں ایک اور مفکر نے نام اب مجھے یاد نہیں آ رہا...... شاید ڈاکٹر واٹسن نے کہا تھا کہ اس تھیوری کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے اصولوں کو مرتب کرنا چاہیے، جب حیوانات میں عادات راسخ کی جا سکتی ہیں تو انسان میں کیوں نہیں، جبکہ انسان عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔"

"اچھا میڈم! ایک بات بتایئے" عائشہ نے کہا۔ سلطانہ آنٹی چونکہ سب میں سینئر تھیں، اس لیے سب ہی کو اپنے دلوں میں مچلتے سوالوں کے جواب ان ہی سے چاہیے تھے۔

"کیا انسان خود اپنی فطرت تبدیل کر سکتا ہے؟"

"میں عمارہ کی بات دہراؤں گی، صرف تقدیر نہیں بدلی جا سکتی، باقی سب کچھ بدلا جا سکتا ہے۔" سلطانہ آنٹی نے زور دے کر کہا۔

"یہ پوائنٹ میرے ذہن میں اٹک رہا ہے۔ پلیز ذرا وضاحت کر دیجئے۔" عائشہ نے اصرار بھرے انداز میں کہا تھا۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی کہ انسان خود کو کیسے تبدیل کر سکتا ہے؟"

"دیکھو بھئی...... بڑی سیدھی سی بات ہے۔" سلطانہ آنٹی نے بولنا شروع کیا۔ "مشرقی معاشرے کی ایک بہت بڑی خصوصیت اس کا خاندانی نظام تھا جو بدقسمتی سے اب تہس نہس ہو چکا ہے۔ لیکن جب سب مل جل کر رہتے تھے تو گھر کے بچے کی تربیت کی ذمہ داری تمام بزرگوں کے سر

تھی۔ ماں، باپ سے کوتاہی ہو بھی جاتی تو تربیت کی ڈیوٹی دادا، دادی ٹائپ بزرگ سنبھال لیتے تھے۔ وہ اسلامی احکامات بچے کو سکھاتے۔ وہ تمام اچھی باتیں بھی سکھاتے، جو بچے کو معاشرے کا بہترین فرد بنا سکیں۔ جوں ہی بچے کی عادات میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے، بچے کو سمجھا بجھا کر بہ احسن طریقے سے اس کی نفسیات میں کوئی گرہ پڑنے سے پہلے ہی اسے کھول لیا جاتا تھا۔ یوں بڑائی بڑھنے سے بھی رکتی تھی، لیکن جوں ہی خاندانی نظام درہم برہم ہوا سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔"

"بات تو پھر وہی رہ گئی نا، کہ انسان خود کو تبدیل نہیں کر سکتا۔" خاندانی نظام کی جن خصوصیات کا آپ ذکر کیا ہے وہ بیرونی عناصر ہو گئے۔ جو انسانی سوچ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عائشہ نے پھر سوال اٹھایا۔

"تم عقل و شعور والی بات پھر فراموش کر رہی ہو۔" سلطانہ آنٹی نے کہا۔ "بات مختصر لفظوں میں کچھ یوں ہے عائشہ کہ عقل تو انسان کو پیدا ہوتے ہی خدا کی طرف سے مل جاتی ہے۔ یعنی جیسے ناک، کان، آنکھیں، ہاتھ وغیرہ ملتے ہیں، عقل بھی ویسے ہی مل جاتی ہے، لیکن شعور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملتا ہے، عقل کی ریفائینڈ فارم کو ہم شعور کہہ سکتے ہیں، یوں سمجھو کہ عقل سونا ہے اور زندگی وہ بھٹی...... جس میں پک کر عقل کا سونا، شعور کے کندن میں ڈھلتا ہے۔ اسی دوران یعنی عقل کے شعور میں ڈھلنے کے دوران ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب خدا ہماری نفسیات کی ڈوریں ہمارے اپنے ہاتھ میں دے دیتا ہے، کوئی میری بات سے اتفاق کرے یا نہ کرے، میرا اس بات پر پورا اعتقاد ہے کہ بیرونی عوامل کے ساتھ ساتھ بلکہ پچھتر فیصد انسان خود اپنی نفسیات کو ہینڈل کر رہا ہوتا ہے تو جب آدھے سے زیادہ کنٹرول ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے تو ہم اپنا آپ کیسے تبدیل نہیں کر سکتے......؟ ہم چاہیں تو خود کو سیدھے راستے پر ڈال لیں۔ چاہیں تو غلط راستے کا انتخاب کر لیں۔"

"اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ صحیح راستہ کون سا ہے اور غلط کون سا ہے؟" زرتاشیہ نے سوال اٹھایا۔ "یہ فیصلہ بھی انسان خود ہی کرتا ہے، عقل و شعور کے ساتھ ساتھ دل کی مشاورت سے...... پھر کچھ راستے تو بڑے واضح ہوتے ہیں کہ جن کے چناؤ کے لیے کسی مشورے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، مثلاً...... میں جانتی ہوں آگ مجھے جھلسا سکتی ہے تو میں ڈر کے اس کے قریب بھی نہیں جاتی، لیکن کسی اور کو اس آگ کے قریب جانے سے بھی نہیں روکتی، بلکہ جان بوجھ کر دھکیل دیتی ہوں تو یہ میرا نفسیاتی الجھاؤ ہے جو مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا، لیکن کسی دوسرے کو تباہ کر سکتا ہے، جب میں کالج میں پڑھتی تھی تو ہماری ایک ٹیچر کہا کرتی تھیں، نفسیاتی مریض کبھی اکیلا نہیں ہوتا، وہ اپنے اردگرد رہنے والے ہر فرد کو ایک مختلف نفسیاتی الجھاؤ منتقل کر رہا ہوتا ہے یعنی ایک سے دس افراد متاثر ہوئے تو سمجھو معاشرے کے دس خاندان برباد ہوئے۔ اگر انسان کو احساس ہو جائے کہ اس کی معمولی عادات اتنی جاہی لا سکتی ہیں تو اس عادت کو کبھی کیوں نہ بدل لیا جائے۔ اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کم سے کم مہینے میں ایک بار اپنی شخصیت کا جائزہ ضرور لیں۔ بالکل غیر جانبداری سے پھر اپنی غلطیاں سدھارنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش سے ہی دراصل فطرت کی تبدیلی کا عمل شروع ہوگا۔" سلطانہ آنٹی پوری گفتگو کو بالآخر ایک منطقی انجام تک لے ہی آئی تھیں۔

"زری! ہم بھی یہ طریقہ آزما کر دیکھتے ہیں، پھر ایک مہینے کے بعد ہی دیکھیں گے ہماری شخصیت میں کیا تبدیلی آئی ہے۔" عائشہ نے کہا۔

"بالکل میں راضی ہوں، ویسے بھی شوپنہار کہتا ہے ارادہ زندگی کا بنیادی اصول ہے۔ ارادہ آقا ہے اور عقل لونڈی ہے۔"

"یہ وہی شوپنہار ہے نا جو کہتا تھا عقل اپنی فطرت میں عورت کی طرح ہے۔ یہ اسی وقت کچھ دیتی ہے جب یہ کچھ لے لیتی ہے۔ اپنی ذات میں یہ شخص کھوکھلے چھلکے کی مانند ہے۔" عمارہ نے پوچھا۔ ماوی جو بڑی دیر سے چائے کا خالی مگ ہاتھ میں پکڑے ٹکر ٹکر سب کو دیکھ رہی تھی یکدم بولی۔

"کتنا بدتمیز ہے یہ شوپنہار...... کسی نے اسے عورت کے بارے میں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی؟" اس کی بات پر ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟" ماوی نے شرمندہ ہو کر پوچھا۔

"نہیں غلط بات تو نہیں کہی۔ شوپنہار کو واقعی کسی نے تمیز نہیں سکھائی تھی۔ تمہیں جو کتابیں چاہیے تھیں مل گئیں؟" عائشہ نے پوچھا۔

"نہیں...... میں ابھی دیکھ رہی تھی۔" وہ مگ رکھ کر واپس اسی کمرے میں آ گئی۔

"میڈم! آپ نے تھرڈ ایئر کے عروش مرزا کا قصہ سنا؟" زرتاشیہ نے کوئی اگلا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

☆☆☆

اور یہ جنت کی زندگی کا آٹھواں سال تھا۔

اپنے ارادے کے مطابق زہرہ اس کی تربیت پر خاص توجہ دے رہی تھی۔ مذہبی احکامات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اسے وہ تمام اصول بھی سکھانے کی کوشش کرتی جو معاشرے میں ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے ضروری اور مددگار ہو سکتے ہیں۔ اتنی توجہ اور محبت کے مثبت اثرات دکھائی دینے لگے تھے۔ اتنی سی عمر میں بھی جنت کا سلیقہ، تمیز و تہذیب نے لوگوں کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے حد سلجھے ہوئے مزاج کی بچی کی طرح پروان چڑھ رہی تھی۔ وہ زہرہ اور دادی کی ہر بات مانتی تھی۔ اچھے مزاج کے ساتھ ساتھ وہ بہت خوبصورت بھی ہو گئی تھی۔ خالص ماحول، تر و تازہ خوراک اور بہترین تربیت نے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔ اچھے قد کاٹھ کی بنا پر وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بڑی دکھائی دیتی تھی اور اس چیز نے اس کے انداز میں کچھ جھجک پیدا کر دی تھی۔ وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے کودنے سے شرماتی اور زیادہ تر ماں کے آنچل میں چھپی رہتی۔ جب باقی بچے کھیل رہے ہوتے اور جنت اس کے پہلو سے چپکی رہتی، تب زہرہ خوشی سے پھولے نہ سماتی۔ زہرہ کو جنت کے معاملے میں صرف اس وقت دقت کا سامنا کرنا پڑتا، جب دین محمد گھر میں موجود ہوتا تھا کیونکہ دین محمد کی موجودگی میں جنت اس کی باتوں پر کان دھرنا بند کر دیتی تھی نہ صرف یہ بلکہ اس کے سکھائے پڑھائے سارے اسباق بھول جاتی تھی۔

"باپ کی شہ پا کر وہ ماں اور دادی سے زبان درازی کرتی۔ ضد کر کے اپنی منواتی اور جب زہرہ اس سے سختی سے پیش آنے کی کوشش کرتی تو دین محمد کہتا۔

"جنت کو ٹالا نہ کر زہرہ! تجھے نہیں پتا مہاراینوں کی باتیں ٹالی نہیں جاتیں۔" اتنی سی بات سن کر جنت اور شیر ہو جاتی اور زہرہ کڑھتے بیٹھ جاتی۔ جنت ابھی بچی تھی۔ اسے اچھائی برائی کی اونچ نیچ سمجھائی جا سکتی تھی مگر وہ دین محمد کا کیا کرتی، جسے اولاد کی تربیت کے سنہری اصولوں سے کوئی غرض نہیں تھی بلکہ وہ سمجھتا تھا اولاد کی تربیت کا یہی بہترین طریقہ ہے جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔

کم گو زہرہ کبھی کبھار دین محمد کی اس روش پر کڑھتی تھی لیکن پہلے کی طرح اس نے فکر مند رہنا چھوڑ دیا تھی۔ ان کے مالی حالات پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئے تھے۔ زمین، جائیداد میں اضافہ ہو چکا تھا اور مسلسل ہو رہا تھا۔ دین محمد ہنوز اسے جنت کی برکت قرار دیتا۔ گھر میں ملازمین کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی۔ زہرہ جنت کو ملازمین سے بھی اونچی آواز میں بات کرنے سے ٹوکتی لیکن دین محمد کو اس کا ٹوکنا برا لگتا، نوکر کو اس کی اوقات پتا ہونی چاہیے۔ میری بیٹی کو اپنی باتیں نہ سکھایا کر۔ آج ان کمینوں سے رعب کے ساتھ بات کرے گی تو آگے کی زندگی میں حکمرانی کرنا سیکھے گی۔'' جنت کو سامنے بٹھا کر زہرہ سے کہتا۔

''میری جنت حکمرانی کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔''

زہرہ کا دل چاہتا دین محمد کو سمجھائے۔ مگر سخت مزاج شوہر کے سامنے زبان کھولنا بھی آسان نہ تھا۔

یہ ایک ایسا ہی دن تھا۔ وہ دین محمد کی کسی بات پر کڑھ کر گھر سے نکلی تھی۔ اس کے ساتھ جنت اور ملازمائیں تھیں۔ وہ لوگ قریبی شہر کے بازار آئی تھیں۔ تاکہ آنے والے موسم کے لیے کچھ کپڑے خرید سکیں۔ خریداری کرتے ہوئے ایک دم اس کا سامنا زبیدہ باجی سے ہو گیا ان کے ساتھ فاروق تھا۔

جنت کی وجہ سے ہونے والے جھگڑے کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی، چار سال بعد ایک ملاقات۔ اس جھگڑے کے بعد خاندان کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کے لیے کچھ کوششیں بھی کیں، جو دین محمد کی تندی طبع کی نذر ہو گئیں۔

طویل عرصے بعد دونوں عورتوں کا سامنا ہوا تھا۔ زبیدہ کا دل بھائی کی اکلوتی بیٹی کو دیکھ کر گداز ہو گیا۔ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اس کے بھائی نے منہ موڑ لیا تھا۔ اس نے جنت کو خوب پیار کیا اور بھاوج سے خیریت معلوم کرتی رہی۔ فاروق بھی کافی لمبا تڑنگا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی سی داڑھی مونچھ دکھائی دے رہی تھی۔

''دین محمد چاہتا تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا۔ جھگڑے کہاں نہیں ہوتے لیکن یوں بہن بھائیوں سے منہ تو نہیں موڑا جاتا۔ بس تھوڑی سی عقل مندی کی ضرورت تھی جو ہم میں سے کوئی بھی نہیں دکھا سکا۔ ورنہ بچوں کے جھگڑوں کی بھی کوئی اہمیت ہے۔ ان دونوں سے پوچھ کر دیکھو جس بات کو بنیاد بنا کر دین محمد مجھ سے منہ موڑے بیٹھا ہے، وہ ان بچوں کو یاد بھی نہیں ہوگی۔''

زبیدہ باجی نے دکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ زہرہ کو بھی ان کی باتوں سے دکھ پہنچا لیکن گھر آ کر وہ بھول بھال گئی۔ جن باتوں کا کوئی حل ہی نہ نکلتا ہو، انہیں سوچنے کا فائدہ؟ وہ یہی سوچتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ صحن میں کہیں سے ایک موٹا سا چوہا آ گیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیر کے قریب سے گزرا۔ زہرہ اپنی دھن میں تھی گھبرا کر پیچھے ہٹی اسی دوران اس کا پیر مڑ گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود وہ سر کے بل زمین پر گری۔ اس طرح کہ اس کے سر کا پچھلا حصہ پوری قوت سے دروازے کی دہلیز سے ٹکرایا تھا۔ اپنی بیٹی کے لیے بڑے بڑے خواب دیکھنے کے لیے زہرہ اٹھنے کی کوشش کرتی، بشرطیکہ زندگی نے اس کا ساتھ دیا ہوتا۔ محض چند لمحوں میں اس نے زندگی ہار دی تھی۔

☆☆☆

''اوہو بھئی۔ آج تو بہت ہی تھکن ہوگئی۔'' مادی آتے ہی بیڈ پر گر گئی۔ لیکن گرنے سے قبل اپنا دوپٹہ، فائل، پرس، شوز لاپروائی سے ادھر ادھر پھینکنا نہیں بھولی تھی۔

''جس کام کے لیے گئی وہ بھی ہوا کہ نہیں۔'' ثمینہ نے اپنی دختر نیک اختر کو بری طرح گھورا، ساتھ ہی بکھرا وا بھی سمیٹنے لگیں۔

''سینوئی پرسنٹ تو ہو ہی گیا۔'' مادی نے کہا۔ ''لیکن ابھی کچھ کام باقی ہیں۔ سیمینار کا جھنجھٹ نہ ہوتا تو وہ بھی نمٹ جاتے۔''

''سیمینار کیسا؟'' ثمینہ نے پوچھا تو مادی انہیں بے زاری بھرے انداز میں تفصیلات بتانے لگی۔

''موضوع تو بہت دلچسپ تھا۔ یہ بتاؤ میری ذہین و فطین بیٹی! تم نے بھی کچھ سیکھا ہے کہ نہیں؟'' ثمینہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا سر پیار سے سہلانے لگیں کہ وہ شکل سے ہی بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

''آپ کو تو پتا ہے مجھے اس ٹاپک میں بالکل دلچسپی نہیں ہے۔ اوپر سے ساڑھے تین گھنٹے نان سٹاپ ایسی سائیکالوجیکل ٹرمز کے بارے میں سن کر آ رہی ہوں کہ مجھے اپنے دماغ کی چٹنی بنی محسوس ہو رہی ہے۔ اوہ گاڈ! پتا نہیں لوگ اتنی مشکل باتیں کیسے کر لیتے ہیں۔ اوپر سے سلطانہ آنٹی اور ان کی کولیگز کی فلاسفی سن لیں۔ بقول ان کے...... ہم میں سے ہر انسان تھوڑا بہت نفسیاتی مریض ہوتا ہے۔

''کیا......؟'' ثمینہ نے بے یقینی سے کہا۔

''ہمارے روزمرہ کے معمولی رویے جیسے غصہ، حاکمیت پسندی، غم، خوشی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہر انسان کے فطری رویے اور جذبے ہیں جو انسان اپنے رویوں اور جذبوں پر قابو رکھتا ہے وہ تو نارمل ہے لیکن جن کے یہ معمولی رویے اور جذبے آؤٹ آف کنٹرول ہو جائیں، وہ دراصل نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ یہ نفسیاتی امراض بظاہر دکھائی نہیں دیتے لیکن اندر ہی اندر مریض کی پوری شخصیت کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسا مریض تنہا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اردگرد رہنے والے دس افراد کو نفسیاتی طور پر متاثر کر رہا ہوتا ہے۔ یہ دس خاندان بناتے ہیں، یوں ایک ایک نفسیاتی مریض کی بدولت دس خاندانوں کی بنیاد میں وہ نفسیاتی مرض پڑ جاتا ہے۔ ایک معمولی نفسیاتی الجھاؤ کا شکار انسان اپنے اردگرد رہنے والوں میں سے کسی فرد کو بہت شدید نفسیاتی الجھاؤ بھی منتقل کر رہا ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر انسان کو چاہیے اپنا کتھارسس ضرور کرتا رہے کہ کہیں ہمارا کوئی معمولی رویہ کسی دوسرے کی پوری زندگی تباہ کرنے کا سبب تو نہیں بن رہا...... وہ جو کہتے ہیں دیے سے دیا جلنا...... تو ایسا نہ ہو نفسیاتی الجھاؤ کے ایک دیے سے دوسرا دیا جلتے جلتے کسی کی زندگی کا ہرا بھرا جنگل ہی جلا کر رکھ دے۔ پلیز ممی! ڈونٹ لائے ٹو ئی۔ سچ سچ بتایئے کیا آپ کو بھی بات سمجھ میں آئی۔ تقریر کرنے کے انداز میں بولتے بولتے اس نے گردن موڑ کر ثمینہ کی جانب دیکھا، وہ سنجیدگی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔''

''کہیں آپ متاثر تو نہیں ہو گئیں؟'' اس نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

''بات میں وزن تو ہے مادی!'' ثمینہ نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''اوکم آن۔'' اسے اچھا خاصا اختلاف تھا۔ ''انسان کی ول پاور (قوت ارادی) اتنی اسٹرونگ ہوتی تو آج دنیا میں اتنے ری ہیبز اور مینٹل اسائلم نہ ہوتے۔ ہر انسان اپنا علاج خود ہی کر رہا ہوتا۔''

"یہی تو بات ہے بیشتر انسان کوشش ہی نہیں کرتے۔ ورنہ مرض کی تشخیص ابتداء میں ہی ہو جائے تو مرض بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے۔"
ثمینہ نے خیال ظاہر کیا پھر اس کی پٹی تو بھی دیکھ کر بولیں۔
"اچھا خیر۔ اب لیٹنے کی ضرورت نہیں ہے اٹھ کر فریش ہو لو۔ ہمیں اینیا کی طرف ڈنر پر جانا ہے۔ فیضی نے بتایا تھا تمہیں۔" انہیں فیضان فون پر مطلع کر چکے تھے۔
"بتایا تھا۔ لیکن میں بہت تھک گئی ہوں ممی! اور پاؤں کے زخم میں بہت درد بے لگ رہا ہے۔ نس پڑ گئی ہے۔"
"میں نے پہلے ہی کہا تھا زخم گہرا ہے۔ اس کا خیال رکھو مگر تم کسی کی سنتی کہاں ہو۔" ثمینہ نے فکرمندی سے کہا۔
"مجھے تھوڑا سا سو لینے دیں۔ آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔
"کوئی ضرورت نہیں سونے کی، چلو ابھی ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروا آتے ہیں پاؤں کی پھر اینیا کی طرف سے واپس آ کر سو لینا۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔
"تم سے تو فیضان نمٹے گا۔ لیکن وہ خود کہاں رہ گیا ابھی تک اندر کیوں نہیں آیا۔" ثمینہ جانتی تھیں۔ جب تک فیضان سے ڈانٹ نہ سنے گی جانے پر آمادہ نہ ہو گی۔
"شاید ڈرائیور کو فارغ کر رہے ہوں گے۔" ماوی نے کہا۔ ثمینہ سُنی ان سُنی کر کے باہر نکل گئیں۔ ماوی انہیں شہروز کی کال کے متعلق بتانا چاہتی تھیں لیکن انہیں باہر نکلتے دیکھ کر کسی اور وقت پر ٹال کر آنکھیں موند لیں۔ وہ حقیقتاً بہت تھک گئی تھی اور جب تک فیضان نے آ کر کمرے میں جھانکا وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

☆☆☆

کھانا بے حد لذیذ تھا۔ بے حد خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔ لیکن جب تو قیر صاحب ہاتھ دھونے کے لیے اٹھے تو دانیال حسن چپکے سے کھسکتے ان کے پاس آ گئے۔
"تم تو کہہ رہے تھے فیضان مہدی بہت تجربہ کار آدمی ہے۔ دنوں میں ہمارے کاروبار کو کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔" آواز بے حد دھیمی لہجہ متذبذب..... تو قیر صاحب نے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا۔
"تمہیں فیضان پر شک ہے؟"
"مجھے فیضان پر نہیں اس کے تجربے پر شک ہے۔ جب تم فیضان، فیضان کرتے رہتے تھے میں نے سوچا کوئی ہماری عمر کا آدمی ہو گا لیکن یہ تو اتنا ینگ لگ رہا۔ بہت زیادہ بھی اس کی عمر کا اندازہ لگاؤں تو چھتیس یا سینتیس سال کا ہو گا..... اتنی سی عمر میں کتنا تجربہ ہو سکتا ہے اس کے پاس۔"
"فیضان چونتیس سال کا ہے۔ لیکن جتنے تمہارے سر میں بال سفید ہیں کم و بیش اتنا ہی اس کا تجربہ ہے۔ تو قیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا پھر ٹیپ بند کر کے تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولے۔

''فیضان کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبے کا شکار مت ہو۔ میں گارنٹی دے رہا ہوں تو کچھ سوچ سمجھ کر۔ فیضان کو بہت چھوٹی عمر سے جانتا ہوں میں، ماشاء اللہ بہت ذہین اور قابل بچہ ہے۔ بہت کم عمری میں پریکٹیکل فیلڈ میں آ گیا تھا۔ سو تجربہ کار تو ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ قسمت کا بہت دھنی ہے۔ مٹی کو ہاتھ لگا کر سونا بنا دیتا ہے۔ تم دیکھ لینا اس کی مینجمنٹ میں ہمارا کاروبار کتنی ترقی کرے گا۔ اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی اس نے صفر سے شروع کیا تھا۔ اگر کہو تو اب میں اس کے اعداد و شمار گنواؤں؟ تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔'' توقیر صاحب فیضان کے کچھ زیادہ ہی مداح تھے۔

دانیال حسن چند لمحے سوچتے رہے پھر گہری سانس بھر کر بولے۔

''میں نے اپنی جمع پونجی صرف تم پر بھروسہ کر کے اس شخص کو سونپی ہے۔ اگر نقصان ہوا تو یاد رکھنا، میں صدمے سے ہارٹ اٹیک کے ہاتھوں مرنے سے پہلے تمہیں قتل کر دوں گا۔'' توقیر صاحب ان کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

''یہ مت بھولو کہ میرا بھی برابر کا پیسہ لگا ہے۔ خدانخواستہ ڈوبیں گے تو اکٹھے ڈوبیں گے لیکن ایسا ہو گا نہیں مجھے خدا اور فیضان پر بہت بھروسہ ہے۔''

''ہاں۔ انشاء اللہ۔ ویسے میرے خدشات ایک طرف۔ یہ لڑکا باتوں سے تو ذہین لگ رہا ہے۔'' انہوں نے سچائی سے کہا۔

''تو پھر......'' وہ دونوں چلتے ہوئے ہال کی طرف آ گئے۔ یہاں ایک دائرے میں رکھے صوفوں پر منیزہ، ثمینہ، ثروت براجمان تھیں۔ یہیں فیضان ولید سے باتیں کر رہے تھے۔ جبکہ کچھ فاصلے پر کشنز پر بیٹھی اجیتا، پری نور، پری وش کسی زوردار بحث میں مصروف تھیں۔ توقیر اور دانیال حسن آئے تو ولید جا کر لڑکیوں کے ٹولے میں گھس گیا۔ دانیال حسن، فیضان سے خام لوہے کی بڑھتی ہوئی قیمت پر بات کرنے لگے۔ فیضان نے کئی بار لاشعوری طور پر اجیتا کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے معذرت کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے، ورنہ کل پھر انہیں ماموں کی باتیں سننا پڑتیں۔

''آپ کسی روز میرے ساتھ چلیے گا۔ میں نے اور میری کچھ فرینڈز نے مل کر ایک چھوٹی سی سوسائٹی بنا رکھی ہے۔ تھوڑی بہت چیریٹی کر لیتے ہیں جیسے یتیم بچیوں کی شادیاں کروانا۔ باقی تو یہی بات ہے مل بیٹھنے کا بہانہ ہی ہے...... میں آپ کو سب سے ملواؤں گی اسی بہانے آپ کی بوریت بھی دور ہو جائے گی۔'' ثروت، ثمینہ سے کہہ رہی تھیں۔ منیزہ نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''واقعی ثمینہ آپا! آپ ضرور ثروت کے ساتھ جائیے گا اس کی سوسائٹی ممبرز سب بہت اچھی ہیں۔ میں ایک بار مل چکی ہوں۔ دوبارہ اس لیے نہیں مل سکی کہ ایسی کسی ایکٹیویٹی کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا۔ ارے ثروت! تم نے کافی میں چینی نہیں ڈالی؟'' منیزہ نے ایک سپ لے کر پوچھا۔

''اوہ...... مجھے لگتا ہے ہمارے مگ بدل گئے ہیں۔ میں نے اپنے لیے بغیر چینی کے کافی بنائی تھی۔ اصل میں مجھے بغیر چینی کے کافی پسند ہے۔ ایک دانہ بھی ڈل جائے میری کافی میں تو ایسا لگتا ہے۔ پیاز کی بو آ رہی ہے۔'' ثروت کہہ رہی تھیں۔ ثمینہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ نیلی ساڑھی میں ملبوس ناک چڑھا کر بولتی ثروت...... سارا منظر جیسے فلیش بیک میں چلا گیا تھا۔

''ارے تم ثروت ہو...... ملتان والی ثروت۔ مستقیم بھٹی کی بیوی۔''

ثمینہ کے لیے یہ چند لمحے پہچان کا ایسا شدید انکشاف لے کر آئے تھے کہ وہ بے ساختہ کہہ بیٹھیں۔ ثروت کے ہاتھ سے سگ چھوٹ کر نیچے جا گرا، ان کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ منظر پر ایسا سناٹا چھا گیا جو دلوں کی کیفیت سے مشروط تھا۔

وسیع و عریض ہال میں بچیوں کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہو رہی تھیں جو کچھ فاصلے پر بیٹھی اس دائرے میں اچانک آن دھمکنے والے ماضی کے اس حوالے سے قطعی لاعلم تھیں۔

☆☆☆

"مجھے بیس ہزار روپے چاہئیں۔" وحید نے سرہانوں میں گر کر کہا تھا۔ نبیل چائے پی رہا تھا، اسے بری طرح اچھو لگ گیا۔

"کیا کہا؟ ذرا دوبارہ کہنا۔ کھانسی رکتے ہی اس نے سانس بحال کرتے ہوئے پوچھا اور ایسے پوچھا جیسے وحید کی عقل پر شک گزر رہا ہو۔

"مجھے...... بیس...... ہزار...... روپے چاہئیں...... سنا تم نے، بیس ہزار" وحید نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا...... بڑا دلچسپ لطیفہ تھا۔"

"نبیل! میں تیرا سر پھاڑ دوں گا، او یار! میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے واقعی بیس ہزار کی اشد ضرورت ہے۔" وحید نے روہانسا ہو کر کہا۔

"اگر ضرورت ہے بھی تو میرے پاس کیوں آئے ہو؟ میں اے ٹی ایم مشین ہوں"

"نبیل! میں سخت مشکل میں ہوں۔ اس مشکل وقت میں تم میری مدد نہیں کرو گے؟" وحید نے بے حد مسکینی سے پوچھا، یہاں تک کہ نبیل جیسے شخص کا دل بھی پگھل گیا۔

"مسئلہ کیا ہے؟ تم جیسا بندہ تو سو روپے سوچ سوچ کر خرچ کرتا ہے، بیس ہزار کی ضرورت کیسے پڑ گئی۔"

"یار! وہ عشنا ہے نہیں ہے؟"

"کیا مطلب نہیں ہے؟"

"اوہو...... خود سے کوئی بات نہ سمجھنا۔" وحید نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"یار وہ عشنا ہے نا، وہ جان کو آ گئی ہے۔ غلطی میری ہے پہلے اسے پہچان ہی نہیں سکا۔ وہ...... دو نمبر، مجھے نفرت ہے اس سے، لیکن بیس ہزار مانگ رہی ہے، رقم لیے بغیر جان بھی نہیں چھوڑے گی۔

"میں نے پہلے ہی تجھے وارن کیا تھا ایسی لڑکیوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔" نبیل نے اسے بری طرح لتاڑا۔

"اب ہو گئی غلطی، کیا کروں؟ خودکشی؟" وحید پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"کر ہی لو تو اچھا ہے، کیونکہ بیس ہزار کا انتظام تم سے ہو نہیں سکتا اور عشنا بی بی رقم لیے بغیر تمہارا پیچھا چھوڑنے والی ہے نہیں، چند روز بعد بھی تو اس صورت حال سے تنگ آ کر تم نے خودکشی کرنا ہے تو ابھی کیوں نہیں؟" نبیل نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ وحید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"تو میری مدد نہیں کرے گا نبیل؟"

"ادھو.....ایسا تو سوچنا بھی مت، مجھے میرے ابا مہینے کے پانچ ہزار دیتے ہیں، جنہیں اگر میں سونگھ کر استعمال نہ کروں تو پندرہ تاریخ تک ہی ختم ہو جائیں، بیس ہزار کے لیے تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس نے صاف جھنڈی دکھادی۔

"نبیل پلیز یار! تو میرا دوست نہیں ہے" وحید نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"پھر وہی بات، دوست ہوں، اے ٹی ایم مشین نہیں۔"

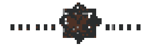
"پھر میں کیا کروں؟ میرے ابا کو اس معاملے کی خبر ہو گئی تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ عشاء نے دھمکی دی ہے"

"میری مان وحیڈی سے مدد مانگ۔" نبیل نے راہ دکھائی۔

"ائیں....."

"ہاں.....صرف جیڈی ہے جو تیری مدد کر سکتا ہے، بیس ہزار تو اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے یار.....بس تھوڑی ٹرک سے کام کرنا پڑے گا"

"جیڈی عقل اور شکل دونوں سے چغد ضرور ہے، لیکن جذبات اس میں ضرورت سے زیادہ ہیں۔" وحید نے جھنجلا کر کہا۔



بھید بھری پراسرار رات دنیا پر جھک آئی تھی۔

سارے میں دوسرے پہر کی تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ چوکیدار کے کیبن سے نکلتی ٹیلی ویژن کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ یا مین روڈ سے کبھی کبھار گزرتی ٹریفک کی آواز اس خاموشی کے تسلسل میں خلل ڈال دیتی تھی۔

بے تحاشا خنکی اور گل چین کی دل فریب مہک۔

انیکسی کے داخلی حصے پر آرائشی فانوس کی بے مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ روشنی برآمدے میں لگے جھولے تک پہنچنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسی نیم تاریک جھولے پر ثمینہ بڑی دیر سے تنہا بیٹھی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انہوں نے گہرے رنگ کی گرم شال اوڑھ رکھی تھی، اس کے باوجود خنکی انہیں اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔

ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد ان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹتا۔ وہ بڑھتی ہوئی خنکی کا احساس کر کے اندر جانے کا ارادہ کرتیں، پھر بیٹھ رہتیں۔ ہر بار شرمندگی وحشت بری طرح ان پر حاوی ہوتی اور وہ جھنجلاہٹ کے مارے وہیں بیٹھی رہ جاتیں۔

تب ہی انیکسی کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ ثمینہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فیضان ہاتھوں میں دو مگ پکڑے کھڑے تھے، پھر پیر سے دروازہ بند کر کے ان کے پاس آ گئے۔

"فیضی! اس وقت کافی پئیں گے تو نیند کیسے آئے گی؟" فیضان نے ایک مگ ان کی طرف بڑھا دیا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جب ثمینہ نے پوچھا۔

"نیند تو آپ کو ویسے بھی نہیں آ رہی۔۔۔۔ پھر کافی پینے میں کیا حرج ہے۔"

"تم کیوں اب تک جاگ رہے ہو؟" ثمینہ نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام کر رہا تھا کمپیوٹر پر، بس اسی مصروفیت میں اتنا ٹائم ہو گیا، اب نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا کافی پی لی جائے پھر آپ یہاں بیٹھی ہوئی نظر آ گئیں۔" فیضان نے آہستہ آواز میں لیکن تفصیل سے بتایا۔

"اب بتائیں۔۔۔۔۔ آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟"

"اس قدر فضول حرکت سرزد ہوئی ہے مجھ سے کہ شرمندگی کے مارے نیند ہی اُڑ گئی۔" ثمینہ نے خفت سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔

"اللہ بخشے، اماں جی کہا کرتی تھیں۔ ثمینہ تجھے بولنے کا سلیقہ کبھی نہیں آ سکتا۔ آج میں نے ان کی بات کو درست ثابت کر دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی مجھے بولنے کا سلیقہ نہیں آ سکا۔ بتاؤ کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی تم وہی ثروت ہو نا۔۔۔۔ مستقیم بھٹی کی بیوی۔ میری جگہ کوئی احمق بھی ہوتا تو سمجھ لیتا۔ وہ اب مستقیم بھٹی کی بیوی نہیں دانیال حسن کی بیوی ہے۔ میری زبان کیوں پھسل گئی۔"

ثمینہ نے دایاں ہاتھ سر پہ مارتے ہوئے خفت و جھنجلاہٹ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا تھا۔

"بھول جائیں بجیا! جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"اتنی دیر سے بھولنے کی کوشش ہی تو کر رہی ہوں لیکن۔۔۔۔۔" وہ اٹک سی گئیں۔ "مجھے کم سے کم دانیال صاحب کے سامنے یہ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مرد کتنا ہی اعلیٰ ظرف کیوں نہ ہو بیوی کے ماضی کے حوالے کو کبھی درگزر نہیں کرتا۔ میں تو اتنے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بول آئی ہوں۔ پتا ہے جس روز سے ثروت سے ملی تھی، یہی سوچ رہی تھی اس کو کہاں دیکھا ہے۔ جن دنوں تمہارے بھائی جان اور میں حویلی میں تھے، ایک روز ثروت سے ملاقات ہوئی تھی، بس وہی ملاقات ذہن میں رہ گئی اور آج یاد آئی تو زبان پھسل گئی۔"

"آپا! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس طرح مستقل سوچ سوچ کر اور پریشان ہو کر آپ اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں کہ اپنے کہے جملوں کا اثر کم کر لیں۔" فیضان نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں مسز دانیال سے معذرت تو کر ہی سکتی ہوں۔"

ثمینہ پُر سوچ انداز میں سر ہلانے لگیں، چند منٹ خاموشی ان دونوں کے درمیان حائل رہی پھر فیضان نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"میں آپ سے شہروز کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔" ثمینہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"شہروز اسپیشلائزیشن کے لیے جا رہا ہے۔ جانے سے پہلے وہ ماوی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہے۔" فیضان نے مختصر لفظوں میں انہیں شہروز کا پیغام پہنچا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن فیاض بھائی نے مجھ سے ذکر نہیں کیا، جبکہ مجھے تو شہروز کے جانے کی بھی کوئی خبر نہیں۔" ثمینہ نے پریشانی سے باہر آتے ہوئے کہا تھا۔

''بس اچانک ہی اس کے جانے کا پلان بنا ہے، جہاں تک نکاح والی بات ہے، شہروز پہلے آپ کا اور ماوی کا ارادہ جاننا چاہ رہا ہے پھر ہی بھائی جان سے بات کرے گا۔ اسی لیے اس نے مجھ سے کہا۔ آپ سے اس بارے میں پوچھوں کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں؟''

''لو......اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ جب منگنی کی ہے تو نکاح بھی تو کرنا ہی ہے بلکہ سچ پوچھو تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے...... ورنہ منگنی کے بعد سے ان دونوں کی یہی رٹ تھی کہ شادی کے لیے تو ابھی سوچیے بھی مت۔''

''پھر میں شہروز سے کہہ دوں، فیاض بھائی جان سے بات کرے؟''

''آں......'' ثمینہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔ ''میں ذرا ماوی سے بھی اس کی رائے معلوم کر لوں۔ ایسا نہ ہو شہروز نے صرف اپنی طرف سے بات کی ہو۔ تمہیں پتا نہیں ہے، میری نازک مزاج بیٹی کا۔ معمولی سی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف کی تو ساری زندگی ہی جتاتی رہے گی۔'' ثمینہ نے کھنکتی ہوئی آواز میں بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ سچ تو واقعی یہی تھا کہ ماوی کی شادی کا خیال ہی ان کے لیے بے حد خوش کن تھا۔

''آپ پوچھ لیں ماوی سے۔ مجھے بھی ابھی کچھ روز مزید یہاں رکنا پڑے گا بزنس کے سلسلے میں، وہ بھی تب اگر وانیال صاحب نے آج والی بات کا ایشو نہ بنایا تو۔ دوسری صورت میں ہم اکٹھے ہی واپس چلیں گے۔'' فیضان نے ہلکے پھلکے انداز میں مطلع کیا۔ ثمینہ چونک سی گئیں۔

''واقعی فیضی! یہ تو مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس بات کا اثر تمہارے کاروبار پر بھی پڑ سکتا ہے۔''

''اگر تقدیر میں کوئی ایسی بات لکھی ہے تو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس لیے آپ پریشان نہ ہوں۔'' فیضان نے زور دیتے ہوئے کہا، اس سے قبل کہ ثمینہ کچھ کہتیں۔ دروازہ کھول کر ماوی باہر نکلی۔ وہ نیند سے اٹھ کر آئی تھی اور ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے پریشان لگ رہی تھی۔

''آپ لوگ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

''بس اندر آ ہی رہے تھے اور ماوی اتنی ٹھنڈ میں تم بغیر کوئی گرم کپڑا اوڑھے باہر آ گئی ہو۔ پاؤں میں سلیپر بھی نہیں ہیں۔ عقل کہاں ہے تمہاری......'' ثمینہ اسے ڈانٹتے ہوئے اندر چل دیں۔ فیضان پیچھے دروازے بند کرنے لگے۔

☆☆☆

''رات بھی آپ کو بار بار کھانسی آتی رہی۔ اگر آپ کہیں تو جوشاندہ بنا لاؤں؟'' ثروت نے کن انکھیوں سے دانیال حسن کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

جب سے کمرے میں آئی تھیں، دیکھ رہی تھیں، انہوں نے مسلسل اٹھا پٹخ لگا رکھی تھی۔ جو چیز رکھتے زوردار آواز کے ساتھ۔ الماری کا پٹ بند کیا وہ اس انداز سے کہ ایک پل کو تو کمرے کی دیواریں بھی کانپ گئی ہوں گی۔ پیشانی پر اتنے بل کہ گنتا مشکل۔ تاثرات میں کرختی و خفگی، بلکہ لاتعلقی۔

ثروت میں زبان کھولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

ایک خدشہ ان کی توقع کے برعکس بے حد جلدی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گیا تھا اور وہ جانتی تھیں، وضاحت پیش کرنے کا کوئی موقع انہیں نہیں دیا جائے گا۔

کسی کی یادداشت کے غلط وقت پر چمک اُٹھنے کا گناہ بھی ان ہی کی فردِ جرم میں لکھا جا رہا تھا۔

بڑی مشکل دانیال حسن کی گویائی پر قفل لگا تھا۔ جس انسان کو عناد دل میں رکھ کر اولاد کی طرح اس کی پرورش کرنے کا شوق ہو۔ وہ اپنی ہی نہیں اپنے اردگرد رہنے والوں کی زندگیاں بھی مشکل بنا دیتا ہے۔

''دانیال ......! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' ثروت نے جھجکتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ اس بار ان کی آواز پہلے سے بلند تھی۔

''جی فرمایئے...... اب کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟''

لفظ کچھ کہیں یا نہ کہیں...... لہجے کتنا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ بتا دیتے ہیں۔ ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا پھر ہمت کر کے بولیں۔

''دانیال! ...... ثمینہ نے جو بھی کہا، اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ جب انہیں یاد آیا تو کیا میں ان کی زبان پکڑ لیتی۔'' ثروت نے منت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''ثروت!'' دانیال حسن نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا۔ ''میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''میں چاہتی ہوں، آپ بات کریں۔'' ثروت نے سرعت سے کہا۔

''ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنرشپ آپ نے کی، اب اگر ان لوگوں کا مستقیم سے کوئی......''

''میں نے کہا نا میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا...... نہیں کا مطلب ہوتا ہے نہیں۔'' یکدم دانیال حسن نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ ثروت دم بخود کسی قدر سہم سی گئیں۔

''ان لوگوں کا تمہارے پہلے شوہر سے کیا تعلق تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں جاننا، میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ مجھ سے کوئی بات مت کرو...... تمہیں اپنے ماضی سے جڑے رہنے کا شوق ہے۔ خصوصاً جس ماضی میں تمہارے سابقہ شوہر کا حوالہ بھی آتا ہو...... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم شوق سے ان لوگوں سے رابطہ رکھ کے مستقیم کی خبر گیری کر سکتی ہو۔'' بظاہر ٹھنڈے لہجے میں بولتے دانیال حسن جیسے غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

''مجھے مستقیم کی خبر گیری کرنا ہوتی تو آپ سے شادی نہیں کرتی۔'' ثروت نے یک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

''یہی تمہارا وہ کھلا پن ہے ثروت......!''

اسی پل دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا اور اپنی دھن میں دوڑتا ہوا ولی اندر داخل ہوا۔

''ممی اولیڈ میرے جوگرز......''

''ولی! تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی؟'' دانیال حسن نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ولی بری طرح سہم کر وہیں رُک گیا اور رنا بھی سے ماں باپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جب تک تمیز نہ سیکھ لو، اس کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' دانیال حسن بری طرح دھاڑے تھے۔ ولی خوفزدہ ہو کر اُلٹے قدموں پلٹ گیا۔

ثروت کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے دلی کو واپس جاتے دیکھا۔

"بدگمانی کی جس آگ میں آپ جل رہے ہیں دانیال ابراہیم مہربانی اس کی تپش کو میرے بچوں تک منتقل نہ کریں۔"

ثروت نے سخت متنفر لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ دانیال حسن نے ہاتھ میں پکڑا قلم میز پر پٹخ دیا تھا۔

☆☆☆

کلاس روم میں لیکچر کے دوران کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

صرف ٹیچر عائشہ کی آواز تھی جو وضاحت سے سنائی دیتی تھی، قد آدم کھڑکیوں سے چمک دار دھوپ کے بڑے بڑے ٹکڑے اندر تک بچھ رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی کونے میں سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ زور پکڑتی جسے ٹیچر کی ایک تنبیہی نظر یا ڈائس پر پین کی ہلکی سی ٹک ٹک ماند کر دیتی۔

نمرہ نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے چپکے سے ساری کلاس پر نظر ڈالی، پھر ترچھی نظروں سے تحوی اور عبیر کو دیکھا جو بالکل اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں اور سنجیدگی سے لیکچر سن رہی تھیں۔ معاً اسے ایک خیال آیا اس نے اپنی نوٹ بک پر لکھا۔

"یہ ناراضی کب تک چلے گی!" اور اسے عبیر کی طرف کھسکا دیا۔

عبیر نے پہلے چونک کر اسے اور پھر نوٹ بک کو دیکھا۔ نمرہ چہرے پر زمانے بھر کی سنجیدگی اور پڑھائی سے عشق کی حد تک لگاؤ کے تاثرات چہرے پر سجائے لیکچر سن رہی تھی۔

عبیر نے کہنی مار کر تحوی کو متوجہ کیا اور آنکھوں سے نوٹ بک کی طرف اشارہ کیا۔

چند سیکنڈ بعد نوٹ بک پھر نمرہ کے سامنے آن رکی۔ لکھا تھا۔

"جب تک فلمسٹار انجمن دوبارہ سے سینما کی اسکرین کو چار چاند نہیں لگاتی۔"

نمرہ نے پل بھر کے لیے سوچا پھر لکھا۔

"انجمن کا ہماری ناراضی سے کیا تعلق؟"

جواب آیا۔ "وہی جو تمہارا انجمن سے ہے۔"

"میرا انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"چل جھوٹی؟......سلطان راہی کس کے خوابوں کا شہزادہ تھا؟"

"شاید تم دونوں میں سے کسی کے خوابوں کا ہو...... بڑی بدتمیز ہو، آج تک مجھے تو بتایا ہی نہیں۔"

"ہم پر ایسا گھٹیا الزام نہ لگاؤ نمرہ! ہم تو تمہارے حوالے سے ان کی بڑی عزت کرتے ہیں اور بھائی صاحب سلطان راہی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"دفع دور......وہ بے چارا تو شاید میری پیدائش سے بھی پہلے انتقال کر چکا تھا۔" نمرہ نے خاصا برا مانا تھا۔

"ہاں اب بن جاؤ ننھی منی۔"

"میں ہوں ننھی منی، اب تم جیسی عمر رسیدہ لڑکیوں کی کلاس فیلو بن گئی ہوں تو یہ میری ذہانت کا کمال ہے۔"

"تمہاری شکل اور صحت انجمن سے ملتی ہے، جبکہ عقل بوبر ال سے۔"

"جبیر! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"اور عزائم پھولن دیوی سے۔" وہ سیر تھی تو جبیر سوا سیر اور اس وقت تو تنزی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بے چاری نمرہ نے جلدی ہی ہار مان لی۔

"صلح کرنی ہے کہ نہیں۔"

"ایک برگر، دو سموسے، ایک کوک اور..... اور وڈنگ ڈونگ کھلاتی ہو تو میں راضی ہوں۔"

"شکل اور صحت میری انجمن سے ملتی ہے اور خوراک تمہاری۔"

نمرہ نے بے ساختہ کہنی اس کی بازو میں ماری اور دانت پیس کر بولی۔ تنزی، جبیر کے دوسری طرف تھی، اس صورت حال پر ہنس دی۔ جبیر نے بمشکل اپنی چیخ روکی اور بازو سہلاتے ہوئے بری طرح نمرہ کو گھورا، جواباً نمرہ نے ہنسی دبا کر کانوں کو ہاتھ لگایا، پھر تینوں کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یوں اس بے سبب ناراضی کا اختتام ہوا جو عروش کی وجہ سے ان کے درمیان آ گئی تھی۔

☆☆☆

دانیال حسن، توقیر صاحب کے آفس میں موجود تھے۔ چند منٹ قبل چپڑاسی چائے رکھ کر کے گیا تھا۔ اور اب دانیال حسن اپنی بند آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے سہلا رہے تھے۔

"میں نے بہت سوچنے کے بعد ہی فیصلہ کیا ہے توقیر! اس ذہنی حالت کے ساتھ میں کچھ نہیں کر پاؤں گا، اس لیے میں نے پارٹنرشپ سے وِدڈرا ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے میرا سرمایہ واپس چاہیے۔" دانیال حسن نے کہا تھا۔

"تمہارے بجائے یہ باتیں کوئی بیس اکیس سال کا لڑکا کر رہا ہوتا تو اس کی جذباتیت سمجھ میں آتی..... تمہارے جیسا سمجھدار آدمی ایسا احمقانہ اور جذباتی فیصلہ کر رہا ہے اس کی تک ہی سمجھ میں نہیں آ رہی۔" توقیر صاحب نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں کسی ایسے شخص کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا جس کا تعلق ثروت کے ماضی سے ہو۔" دانیال حسن نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"دانیال، دانیال!" توقیر صاحب جیسے اکتا ہی گئے۔ "تمہیں پتا ہے تم نے اپنی زندگی خود مشکل بنا رکھی ہے اور صرف اپنی ہی نہیں تم نے بھابھی کی زندگی بھی مشکل بنا رکھی ہے۔ لوگ تو اپنا ماضی بھول جاتے ہیں۔ تم بھابھی کا ماضی سر پر سوار کر کے خود کو اور انہیں اذیت دے رہے ہو۔"

توقیر صاحب ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور انہیں درپیش مسائل سے بھی آگاہ تھے۔

"یار توقیر! میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہے۔ مہربانی فرما کے مجھے لیکچر مت دو۔" دانیال حسن نے یکدم درشتی سے کہا تھا۔

"لیکچر نہیں دے رہا، تمہارے فائدے کی بات ہی کر رہا ہوں۔"

"میرا فائدہ صرف اسی میں ہے کہ میرا سرمایہ مجھے واپس کر دیا جائے۔" دانیال حسن کی ذہنی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ ہر طرح کا نفع

نقصان بھول چکے تھے۔ توقیر صاحب کو بھی غصہ آ گیا۔

"تم حد سے زیادہ خود غرض انسان ہو دانیال! صرف اپنی پڑی ہوئی ہے۔ تمہارے اس فیصلے کا اثر کسی دوسرے پر کیا پڑے گا۔ تمہیں اس کی رتی بھر بھی پروا نہیں۔" بوکھلاہٹ میں وہ بری طرح برس پڑے۔

"تم نے ایک بار بھی سوچا ہے۔ تم اپنا سرمایہ نکال لو گے تو میرا کیا ہوگا؟ میں جو پائی پائی اس کاروبار پر لگا بیٹھا ہوں، ایک اور پارٹنر کہاں سے ڈھونڈوں گا۔ تمہارے لیے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ میرا سرمایہ واپس کر دو، میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

دانیال حسن نے چونک کر توقیر صاحب کو دیکھا۔ واقعی انہوں نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر...... فیضان مہدی کو بیچ میں سے نکال دو۔ مجھے صرف اس کے ساتھ کام کرنے پر اعتراض ہے، جب وہ ہی نکل جائے گا تو میری پریشانی خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

چند منٹ کے غور و خوض کے بعد دانیال حسن نے تجویز دی تھی جس پر توقیر صاحب اور جھنجھلا گئے۔

"دانیال! کم سے کم ایک ٹھنکر کے منہ سے ایسی بے عقلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا تمہیں ساری ٹرمز اینڈ کنڈیشنز نہیں پتا...... فیضان کا سرمایہ بھلے ہی ہم دونوں کے سرمائے سے کم ہو مگر تجربہ اسی کا ہوگا۔ اسے ہی نکال دیا تو ہم دونوں کا سرمایہ بھی برباد ہو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو دانیال! فی الحال فیضان کو ہماری نہیں...... ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ وہ بے چارہ تو اس کام میں ہاتھ بھی نہیں ڈال رہا تھا، میں نے ہی اسے مجبور کیا۔ اب میں ہی اسے الگ ہونے کا کہتا ہوں تو میری کیا عزت رہ جائے گی اس کی نظر میں۔" توقیر صاحب کی اپنی ہی پریشانی تھی۔

دانیال حسن خاموشی سے مگر ناپسندیدگی کے تاثرات چہرے پر سجائے چائے کے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے رہے۔ توقیر صاحب بغور ان کے تاثرات کا جائزہ لیتے رہے پھر بولے۔

"دیکھو دانیال! میں سمجھ سکتا ہوں تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ پوائنٹس ہیں۔ تم ایک بار ان پر غور کر لو، مجھے یقین ہے تمہارے اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ فیضان بہت بہترین اور محنتی انسان ہے۔ تم دیکھ لینا وہ ہمارے کاروبار کو دنوں میں کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔ دوسری بات یہ کہ ثروت بھابی کے ماضی سے ثمینہ آپا کے ماضی کی کڑی جڑتی ہے۔ فیضان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، بلکہ میرا تو خیال ہے ثمینہ آپا کا بھی اس سے کوئی لینا نہیں، وہ تو بس بات برائے بات ذکر آ گیا تھا، جسے تم نے اپنے ذہن پر سوار کر لیا ہے۔"

دانیال حسن ابھی بھی مستقل خاموش تھے۔ وہ دیر تک اس صورت حال پر غور کرتے رہے پھر ناچار انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، مجھے فیضان مہدی کی شراکت منظور ہے لیکن ایسا میں صرف تمہارے لیے کر رہا ہوں، ورنہ اب اس کاروبار میں میری کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"شکریہ...... مہربانی۔ میں احسان یاد رکھوں گا۔" توقیر صاحب سکون سے مسکرائے پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اب خود پر بھی ایک احسان کرو۔ نکل آؤ اس ماضی کے عذاب سے جو تمہارے لیے صرف اور صرف تکلیف و اذیت کا سبب بنتا ہے۔ ثروت

بھابھی نے ساری دنیا سے منہ موڑ کر تم سے شادی نہیں کی تھی کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں یا کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ تم نے اپنے اردگرد اپنے ہی نظریات کی آگ جلا رکھی ہے دانیال! اس آگ کو خود نہیں بجھاؤ گے تو ساری زندگی سلگتے رہو گے۔'' توقیر صاحب مستقل سمجھاتے رہے۔ کچھ باتیں دانیال حسن نے سمجھیں، کچھ نہیں۔ دل و دماغ تو اس تپش اور دھوئیں کی زد میں تھے جو اس آگ کی مرہون منت تھی جس کی نشاندہی توقیر صاحب نے کی تھی۔

☆☆☆

ثمینہ بری طرح کشمکش کا شکار تھیں۔

گو کہ ارادہ کر لیا تھا کہ ثروت سے معذرت کرنی ہے لیکن اس فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ تھی جو مستقل پھانس کی طرح چبھ رہی تھی اور انہیں ان کے فیصلے پر عمل درآمد نہیں کرنے دے رہی تھی۔

ہادی اور فیضان کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک بے مصرف بیٹھی رہیں۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا جسے بالآخر ذہن سے جھٹک کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور انیکسی لاک کر کے باہر آ گئیں۔

شازیہ انہیں باہر ہی مل گئی۔

''شازیہ! ذرا ثروت بی بی کو اطلاع دے دو کہ میں آئی ہوں۔''

''بڑی بی بی تو گھر پر نہیں ہیں جی۔ ولی صاحب کے اسکول گئی ہیں۔''

''اوہ......'' ثمینہ کو مایوسی ہوئی۔ ''اچھا ایسا کرو۔ تم یہ چابیاں رکھو...... میں گروسری کے لیے مارکیٹ جا رہی ہوں۔ ہادی یا فیضان صاحب آ ئیں تو چابیاں انہیں دے دینا اور......'' وہ کہتے کہتے رکیں۔

''اور ثروت بی بی کو بتا دینا کہ میں ان سے ملنے آئی تھی۔''

''ارے ثمینہ آنٹی!'' ایجیا نے انہیں ٹیرس سے دیکھا تھا۔ ثمینہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ ٹیرس کی گرل پر جھکی ہوئی تھی۔

''اندر آئیے ناں...... آپ یہاں سے ہی واپس کیوں جا رہی ہیں؟''

''میں تمہاری ممی سے ملنے آئی تھی۔ اب وہ تو گھر موجود نہیں ہیں، میں پھر کسی وقت چکر لگاؤں گی۔''

ایجیا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ثمینہ گیٹ کی طرف پلٹ گئیں تب ہی ایجیا کو کچھ خیال آیا تو اس نے زور سے آواز دے کر ثمینہ کو مخاطب کر لیا۔

''آنٹی! ہادی ہے گھر پر؟''

ثمینہ نے گردن نفی میں ہلا کر اسے جواب دیا اور باہر آ گئیں۔ انہیں کئی طرح کے خیالات درپیش تھے۔

سرفہرست شہروز اور ہادی کی شادی پھر ثروت سے معذرت اور پھر ماضی کے قصے۔

جیسے کل کی بات ہو۔ وہ واحد ملاقات جو کئی سال پہلے ثروت سے ہوئی تھی۔ وہ حویلی اور ناریل کے درخت۔ کچی مٹی کا کھلا سا احاطہ وہ

طنزونفرت کے زہر میں بجھے تیر۔ جو بارہا انہوں نے اپنے وجود پر سہے۔ بھوک سے مرجانے کا خوف۔ شریک حیات سے دائمی جدائی کا غم۔

انہوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ذہن بہل جائے مگر ذہن تھا کہ بار بار اسی ایک نقطے پر آ کر اُلجھ جاتا۔

"میں ہادی سے بات کرتی ہوں۔ اسی سال اس کی اور شہروز کی شادی ہو جانا چاہیے۔"

ثروت سے شروع ہوئی یادوں کا سلسلہ کہاں جا پہنچا تھا۔ ثمینہ نے تکلیف کی ایک تیز لہر کو دل کی سرحد پر پھیلتے محسوس کیا تو بڑی وقت سے اپنے ذہن و دل کو اس دوسرے موضوع کے ساتھ مصروف کرنا چاہا مگر اس کشمکش میں وہ اردگرد سے کٹ گئیں، یہاں تک کہ سامنے سے آتی بس بھی انہیں دکھائی نہ دے سکی۔ بس ڈرائیور کے بروقت بریک لگانے کے باوجود ثمینہ بری طرح ٹکرا گئیں اور ایک چھوٹی سی گڑیا کی طرح اڑتی ہوئی دور جا گریں۔ تکلیف کے بدترین احساس کے ساتھ ماؤف ہوتے ذہن نے جو آخری منظر دیکھا۔ وہ بازو سے فوارے کی طرح نکلتا ہوا خون اور اردگرد اکٹھا ہوتا مجمع تھا۔

☆☆☆

"کیا ہوا ہے ارسل! گاڑی کیوں روکی ہے؟"

پچھلی سیٹ پر نیم دراز جیڈی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ارسل نے تھوڑا سا اچک کر سڑک کے کنارے جمع بھیڑ میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ جیڈی جھٹکے سے سیدھا ہوا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔

"یہاں تو ہر دوسرے روز یہی سب ہو رہا ہوتا ہے۔" واثق نے کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پیچھے ہی ارسل اور سعد بھی اتر گئے۔

"بے چاری عورت بیس منٹ سے سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" واپس آ کر انہوں نے بتایا۔

"چلو ارسل! ہماری فلم نکل جائے گی۔" جنید نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے ارسل سے کہا۔ وہ پانچوں فلم دیکھنے سینما جا رہے تھے۔

"لیکن وہ عورت......" جیڈی نے کہا۔

"ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔" ارسل نے جیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کم آن......" جنید جھنجلا کر بولا۔ "اب تم لوگ ہمدردی کرنے نہ کھڑے ہو جاؤ، یہاں اتنے لوگ موجود ہیں، کوئی نہ کوئی اسے اسپتال لے جائے گا۔"

"بیس منٹ سے سب کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے ہیں، ہم بھی بے حس بن کر چل دیے، تو بے چاری یہیں پڑی پڑی مر جائے گی۔"

"جیڈی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" واثق نے کہا۔ "فلم تو پھر کبھی بھی دیکھی جا سکتی ہے یار! ایک انسانی جان فلم سے زیادہ اہم ہے۔"

"اب میں کچھ کہوں گا تو تم سب مجھے بے حس ثابت کرنے پر تل جاؤ گے۔ جانتے بھی ہو میں کتنا نرم دل ہوں، ایسی ایموشنل باتیں مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔" جنید نے مسمسی سی شکل بنا کر کہا۔

"تم یہاں کھڑے رہ کر اپنی شان میں قصیدہ پڑھو۔ میں اور ارسل اسے اسپتال لے جا رہے ہیں۔" جیڈی نے اکتا کر کہا تھا۔

"مرضی ہے تمہاری...... میں تو تمہیں ہی پولیس کے چکروں سے بچانے کے لیے کہہ رہا تھا، ایسی سڑک کنارے کی جانے والی ہمدردی گلے پڑ جاتی ہے۔ یہاں کا سارا سسٹم ہی خراب ہے۔" جنید نے ناپسندیدگی سے کہا تھا۔

"واثق! تم لوگ ٹیکسی لے کر آ جاؤ، میں اور ارسل اسپتال جا رہے ہیں۔" جیڈی کو فی الحال صرف اس زخمی عورت کی فکر تھی، تب ہی جنید کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا اور فٹ پاتھ کی طرف پلٹ گیا۔

☆☆☆

جیڈی اور ارسل ان خاتون کو ایک پرائیویٹ اسپتال لے آئے تھے۔ یہاں ڈاکٹر مجتبیٰ انصار، جیڈی کے جاننے والے آدمی تھے۔ نہ بھی ہوتے تو ان کو کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا، کیونکہ جیب نوٹوں سے بھری ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر مجتبیٰ کی وجہ سے کسی قانونی کارروائی میں پڑے بغیر علاج شروع کر دیا گیا تھا۔

"میں علاج شروع کر رہا ہوں، لیکن بہتر ہوتا اگر ان کے گھر والے یہاں موجود ہوتے۔" ڈاکٹر مجتبیٰ نے جیڈی سے کہا تھا۔

"اب گھر والوں کو کہاں سے تلاش کریں؟" ارسل نے خود کلامی کے انداز میں کہا، پھر یک بارگی اسے یاد آ گیا۔

"سڑک پر سے میں نے ان آنٹی کا پرس بھی اٹھایا تھا، ممکن ہے اس میں سے کوئی سراغ مل جائے..... گاڑی میں پڑا ہے، میں لے کر آتا ہوں۔" ارسل جھٹ پٹ آفس سے باہر نکل گیا۔ جیڈی وہیں بیٹھا صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پریشانی بڑی فطری سی بات تھی۔

چند منٹ بعد ارسل واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا پرس تھا اور وہ کسی قدر مایوس لگ رہا تھا۔

"یہ تو بالکل خالی ہے۔"

"ممکن ہے، یہ ان خاتون کا نہ ہو۔" جیڈی نے خیال ظاہر کیا۔

"سڑک پر ان کے قریب پڑا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے جو لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ان ہی میں سے کسی نے روپے اور قیمتی چیزیں نکال لی ہوں گی اور خالی پرس وہیں پھینک دیا۔ ورنہ سیل فون تو آج کل ہر ایک کے پاس ہی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ خاتون بھی اپنے حلیے سے ایسی نہیں لگ رہیں کہ خالی پرس لے کر گھومیں۔"

جیڈی نے پرس لے کر یونہی اسے ٹٹولا، پھر بولا۔

"اس حصے میں چیک کیا؟" وہ پرس کی اندرونی جیب کی بات کر رہا تھا۔ ارسل کا جواب سنے بغیر ہی وہ دیکھنے لگا۔ اس زپ کے اندر چند کاغذ رکھے تھے۔ ایک کسی شاپنگ مال کا بل تھا، جبکہ دوسرا کوئی نسخہ تھا۔ "مسز ثمینہ رجب!" جیڈی نے باآواز بلند پڑھا۔ "میرا خیال ہے اس پر سیکرپشن کے ذریعے سراغ لگایا جا سکتا ہے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"اوہو...... جیمز بانڈ کے جانشین۔" ارسل نے ہنسی اڑائی۔

"جیمز باشد کا جانشین تو بننا ہی پڑے گا، ورنہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ پولیس آ گئی تو نزلہ ہم پر گرے گا۔"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے۔" ارسل نے فوراً کہا۔ "جیڈی! میرے ابو کا فون آیا تھا، انہیں کوئی کام ہے مجھ سے...... اگر تم یہاں مینیج کر لو تو میں گھر کا چکر لگا آؤں۔"

"کیا بات کر رہے ہو...... میں اکیلا کیا کروں گا، اگر کوئی مسئلہ ہوا تو......" جیڈی سٹپٹا کر بولا۔

"کچھ نہیں ہوتا یار! تم ایسے ہی گھبرا رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا۔" ارسل تسلی دے کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر بختیار آ گئے۔

"جھوٹی تسلی نہیں دوں گا، خاتون کی حالت بہت سیریس ہے۔" انہوں نے آتے ہی کہا۔ "بظاہر صرف بازو فریکچر ہوا ہے اور تھوڑی اسکن ڈیمیج ہوئی ہے۔ لیکن اندرونی چوٹیں کس حد تک ہیں، اس کا اندازہ مریض کے ہوش میں آنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ میرا اندازہ ہے ان کے سر پر بھی چوٹ لگی ہے اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ اگر ہوش آ جاتا ہے تو ٹھیک، ورنہ تم سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی...... جی۔" وہ بے چارہ فطرتاً معصوم اور حساس تھا، کسی کی خراب حالت کے خیال سے ہی بوکھلا رہا تھا۔

"کسی نہ کسی طرح تم ان کے گھر والوں کا پتا لگا لو۔ کیونکہ کسی بھی غیر متوقع صورت حال میں ان کی مریض کے پاس موجودگی بہتر ہوگی۔"

جیڈی سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

"ماوی باجی! انیکسی کی چابیاں لے لیں۔"

ماوی تھکے تھکے انداز میں انیکسی کی طرف بڑھ رہی تھی، جب اس نے شازیہ کی آواز سنی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، شازیہ بھاگی چلی آ رہی تھی۔

"یہ لیں۔" اس نے چابیاں ماوی کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

"ثمینہ بی بی مارکیٹ جاتے ہوئے چابیاں دے گئی تھیں کہ آپ کو دے دوں۔" اس نے پھولی ہوئی سانس بحال کرتے ہوئے بتایا۔

"مارکیٹ گئی ہیں ممی!" ماوی نے دوہراتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم چیک کیا۔ شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ اسے یاد آیا صبح ممی نے مارکیٹ جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے شازیہ سے کہا اور شولڈر بیگ سے سیل فون نکال کر ممی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تب ہی شازیہ نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

"انو باجی کہہ رہی ہیں، آپ فریش ہو کر آ جائیں، وہ چائے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"ہوں......" ممی کا نمبر مل نہیں رہا تھا۔ سیل فون آف تھا۔ ماوی کو تشویش سی محسوس ہونے لگی، اس نے بے دھیانی میں شازیہ کی بات سنی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''اینیا سے کہو، میں پندرہ منٹ میں آ رہی ہوں۔ شازیہ! سنو، ممی کب سے مارکیٹ گئی ہوئی ہیں؟'' اس نے مستقل ثمینہ کا نمبر ٹرائی کرتے ہوئے پوچھا۔

''شاید ساڑھے بارہ بجے گئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا، چابیاں آپ کو یا فیضان صاحب کو دے دوں۔''

''واٹ، ساڑھے بارہ۔'' مادی کو بری طرح جھٹکا لگا۔ ''اتنی دیر ہو گئی ممی واپس نہیں آئیں۔ ایسی بھی کون سی شاپنگ کرنا تھی۔''

تشویش بھرے انداز میں سوچتی وہ لاک کھول کر اندر آ گئی۔ لائٹس آن کر کے اس نے شولڈر بیگ اور دوپٹہ صوفے پر اچھال دیا۔ کچن میں جا کر پانی پیا، پھر کچھ سوچ کر دوبارہ ممی کا سیل نمبر ڈائل کیا۔ نتیجہ پہلے جیسا ہی رہا۔ ہر گزرتے منٹ کے ساتھ مادی کی فکر مندی بڑھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس جیسے کوئی اشارہ دے رہی تھی۔ اسے عجیب عجیب سے خیال آنا شروع ہو گئے تھے۔ اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور ساتھ میں بسکٹ کا پیکٹ لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ اس نے ٹی وی بھی آن کر لیا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے تک وہ مستقل ممی کا انتظار کرتی رہی اور ان کا سیل نمبر ٹرائی کرتی رہی۔ لیکن جب ممی کا کچھ پتا نہ چل چکا تو اس نے فیضان ماما کو فون کیا۔

''آپ کہاں ہیں ماما! پلیز جلدی گھر آ ئیں۔''

''کیا بات ہے مادی، خیریت تو ہے، تم پریشان ہوں؟'' فیضان نے پوچھا۔

''آپ گھر آئیں، میں بتاتی ہوں۔'' اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا اور فکر مندی سے ٹہلنے لگی، تب ہی اینیا آ گئی، پیچھے شازیہ تھی۔

''لو...... میں وہاں انتظار میں سوکھ رہی ہوں اور یہاں تم چائے پی بھی چکیں۔ بہت غلط بات ہے۔''

''سوری اینیا! میرے ذہن سے ہی نکل گیا کہ تم انتظار کر رہی ہو۔''

''کیا بات ہے مادی! تم پریشان لگ رہی ہو؟'' اینیا نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً مادی نے اسے ثمینہ کی غیر موجودگی کے متعلق بتایا اور یہ بھی کہ ان کا فون مستقل بند پڑا ہے۔ اینیا بھی فکر مند ہو گئی۔

''واقعی آنٹی کو گھر سے نکلے بہت دیر گزر چکی ہے۔ ممکن ہے کسی رشتہ دار کے یہاں چلی گئی ہوں۔'' اس نے خیال ظاہر کیا۔

''یہاں ہمارے کوئی رشتہ دار نہیں ہیں۔'' مادی نے سرعت سے کہا۔

''ان فیکٹ پاکستان میں ہم تو تیمر انکل کی فیملی کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے۔'' پریشانی سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اینیا کی فکر مندی بھی بڑھ گئی۔ لیکن مادی کی پریشانی کم کرنے کی غرض سے بولی۔

''اچھا تم پریشان مت ہو، آنٹی آ جائیں گی، بچی تو نہیں ہیں۔'' مادی نے فوراً اس کی بات قطع کی۔

''بچی نہیں ہیں، لیکن انہیں راستوں کی پہچان نہیں۔ پھر پاکستان اتنے عرصہ بعد آئی ہیں کہ......'' اس سے آگے بولا ہی نہیں گیا، ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ برے برے خیالات ایک ایک کر کے ذہن و دل میں جگہ بنا رہے تھے۔

''واقعی باجی مادی اتنی ٹھیک کہہ رہے او...... پاکستان کے تو حالات ہی بڑے خراب ہیں۔ تھوڑے دن پہلے، منظور صاحب نہیں ہیں انو باجی، اوہی جن کی کونے والی کوٹھی ہے۔ ان کے بڑے بیٹے کو کسی نے اغوا کر لیا، پھر تاوان......''

''شازیہ...... نا'' اینیا نے غضب ناک ہو کر شازیہ کو ڈپٹا۔ شازیہ کی تیز گام کی رفتار سے چلتی زبان کو فوراً بریک لگ گئی۔

''شازیہ! کبھی بولنے سے پہلے سوچا بھی کرو۔'' اینیا نے دانت پیس کر کہا۔ ''اب نکلو یہاں سے اور منظور حسین سے کہو، جا کر قریب والی مارکیٹ میں شمیمہ آنٹی کو تلاش کرے، مادی فکر مند نہ ہو، مجھے یقین ہے آنٹی راستہ بھول گئی ہوں گی، اتنی مشکل گلیاں ہیں، اچھے اچھے بھٹک جاتے ہیں۔''

مادی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اینیا کی تسلیاں ایک طرف اور دل کے اندیشے دوسری طرف۔ اس کا بس نہ چلتا تھا، ممی کو کہیں سے ڈھونڈ لائے۔ اپنے دل سے ہر اندیشے کو جھٹکتے ہوئے اس نے ممی کی خیریت کے لیے دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔

☆☆☆

''تنوی! تم نے عروش کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' موقع ملتے ہی نمرہ نے جھجکتے ہوئے تنوی سے پوچھا۔ وہ دونوں کینٹین کے کارنر والے ٹیبل پر بیٹھی تھیں، جبکہ عبیرا ابھی ابھی کوک لینے گئی تھی۔ تنوی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم پھر عروش کا قصہ لے کر بیٹھ جاؤ۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''ابھی تو ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ عروش کا ذکر نہیں ہوگا، وہ اچھی لڑکی نہیں ہے، نہ اس سے تم دوستی رکھو گی نہ ہم۔''

''ہم سے کیا مراد ہے؟'' نمرہ نے کہا۔ ''عروش صرف تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے، عبیر سے نہیں، میں تو کہتی ہوں، ایک بار اس کی بات سن لو۔ تم نے آج تک اس سے تفصیل سے بات نہیں کی۔ جب اس سے بات کرو گی تو تمہیں وہ اچھی لگے گی تنوی!''

''وہ دیکھو، عروش سامنے کھڑی ہے۔ اگر تم کہو تو میں اسے بلا لاتی ہوں۔'' تنوی نے اس طرف دیکھا جس طرف نمرہ نے اشارہ کیا تھا۔ پھر سرد مہری سے بولی۔

''تم اسے بلا لاؤ اور یہاں بیٹھ کر اس سے باتیں کرو، میں چلی جاتی ہوں۔'' تنوی اٹھنے لگی، لیکن نمرہ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، خفا مت ہو، میری بیسٹ فرینڈز تم اور عبیر ہو، اب عروش کی خاطر تم دونوں کو تو خفا نہیں کر سکتی۔ اگر تم چاہو تو میں پرنسپل کے پاس جا کر عروش کی شکایت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔'' نمرہ نے بڑی سہولت سے اسے حیران کر دیا تھا۔

''واقعی نمرہ! تم سچ کہہ رہی ہو؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''سو فیصد۔'' نمرہ جھٹ سے بولی۔

''میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے یار! اور مجھے لگا تم لوگوں کا پوائنٹ آف ویو غلط نہیں ہے، بیشک عروش اچھی ہے، لیکن اس کی حرکتیں اور ڈیمانڈز غلط ہیں۔'' نمرہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اور وہ اپنے ساتھ ساتھ اکثر اسٹوڈنٹس کو بھی غلط راہ پر لگا رہی ہے۔ کچھ اچھی عادات کی وجہ سے کئی بری عادات کو تو نظر انداز نہیں کیا جا

سکتا۔ ہمیں اس کی کمپلین کرنی چاہیے۔" اس نے بڑی سہولت سے پینترا بدل لیا تھا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں۔" عبیر نے ان دونوں کے سامنے کوک رکھتے ہوئے کہا تھا۔" تم نے اپنی ذہانت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ثبوت ہی مٹا دیا۔" وہ اپنی کوک لینے کے لیے چلی گئی۔

"تو ثبوت جمع کرنا کیا مشکل ہے۔" ثمرہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔" ذرا اپنا فولڈر دو۔" نمرہ نے تنوی سے کہا۔ پھر فولڈر کھول کے اس میں سے نوٹ بک نکالی اور لکھنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو نمرہ؟" تنوی نے متجسس ہو کر پوچھا۔ جواباً نمرہ نے اسے ذرا صبر کرنے کے لیے کہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ پین بند کرتے ہوئے اپنا تیار کیا مشن اسے سنانے لگی۔

"ڈیئر عروش! مجھ سے دوستی کرنے کے لیے تمہیں سروش کے نام کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں اور دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ تم جو نہیں کہتیں تمہاری آنکھیں کہہ دیتی ہیں اور تمہاری آنکھیں صرف محبت کی زبان بولتی ہیں۔ میں تمہاری محبت اور دوستی کی قدر کرتی ہوں اور اس محبت میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ پلیز اس خط کا جواب جلدی دینا۔ صرف اور صرف تمہاری۔"

تب ہی اس کے ہاتھ سے عبیر نے نوٹ بک جھپٹ لی اور بے حد غصے سے تنوی کے سامنے پٹخ دی۔

"یہ تھرڈ ریٹ فلموں کے گھٹیا عشقیہ خطوط لکھنا بند کرو اور تھوڑی عقل مندی کا مظاہرہ کرو۔" اس نے غضب ناک انداز میں کہا۔

"عروش کا تو دماغ خراب ہے نمرہ! کم سے کم تم تو عقل کا نام لو۔ مجھے پتا ہے، اس خط کے ذریعے تم عروش سے ایک اور خط لکھوانا چاہ رہی ہو تا کہ اس دوسرے خط کو عروش کے خلاف استعمال کر سکو۔ لیکن اتنا بھی سوچ لو اگر یہ خط عروش نے تنوی کے خلاف بطور ثبوت استعمال کر لیا تو کیا ہوگا، ہم عروش کو Rusticate (فارغ) کروانا چاہ رہے ہیں۔ اگر یہ خط کسی کے ہاتھ لگا تو تنوی کالج سے نکال دی جائے گی۔" وہ دبی آواز میں بول رہی تھی۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" نمرہ نے کہا۔

"تم نے جتنا سوچا، وہ بھی بے کار ہی ہے، اس لیے پلیز تم کچھ نہ سوچا کرو۔ جب بھی سوچتی ہو۔ کوئی تماشا ہی کرتی ہو۔" عبیر نے اچھے خاصے لتے لے ڈالے۔

"ہاں نمرہ! عبیر بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" تنوی نے گھبرا کر نوٹ بک فولڈر میں رکھ لی تھی۔

"تم تو بہت ذہین ہو عبیر! کتنی دور کی بات سوچ لیتی ہو۔ میں تو بھی متاثر ہو گئی ہوں۔ گرو جی! پلیز مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجیے۔" نمرہ نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کہا تھا۔

"یہی کرنا پڑے گا۔" عبیر نے غصے سے کہا۔ پھر وہ تینوں باتیں کرنے لگیں۔ وہ نمرہ کی برین واشنگ کرتی رہیں، اس بات سے بے خبر کہ تقدیر ان کے لیے کیا سوچ رہی ہے۔

☆☆☆

کوئی یخ بستہ طویل سرنگ تھی جس میں اماوس کی رات پھیلی ہوئی تھی۔ تاریکی اور سناٹا ایسا کہ دل میں خواہ مخواہ وسوسے جنم لینے لگیں۔ کبھی کبھی کوئی آواز سماعت سے ٹکراتی اور اپنا مفہوم واضح کیے بنا سناٹے میں تحلیل ہو جاتی۔

پراسرار، پرہیبت فضا تھی۔

ثمینہ نے کسی منظر کی تلاش میں یہاں وہاں گردن گھمائی، دور ایک مرجھائی ہوئی سی کرن ریت کے ذرے کی مانند ان کی بصارت کی زد میں آ گئی۔ انہوں نے اسی کرن کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتی آگے بڑھنے لگیں۔ مگر ہر بڑھتے قدم کے ساتھ وہ روشنی کا مدھم سا منبع ان سے دور ہو رہا تھا۔

یکدم ان کا پیر کسی بھاری سی چیز سے ٹکرایا اور سنبھلنے کی کوشش میں وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ رہیں۔ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا انہوں نے چھو کر اس بھاری چیز کو پہچاننا چاہا، تب انہیں احساس ہوا، وہ بھاری چیز دراصل ایک بے حس و حرکت انسانی وجود تھا۔ آن واحد میں تاریکی ختم نہیں ہوئی، لیکن تاریکی کا احساس ضرور چھٹ گیا تھا۔ پھر اس اسپاٹ لائٹ جیسے احساس نے اس وجود کے چہرے کو فوکس کیا۔ زرد چہرہ، بند آنکھیں۔

"رجب۔" ثمینہ کا دل وحشت سے بھر گیا۔ ان کے لبوں سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔

پرائیویٹ روم کے بیڈ پر لیٹے ثمینہ کے پٹھوں میں لیٹے وجود میں بے چینی کی لہر سی دوڑ گئی تھی اور سارا جسم جھٹکے کھانے لگا تھا۔

کرسی پر اونگھتا جیڈی ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"ڈ......ڈاکٹر......!" وہ بوکھلا کر باہر بھاگا۔

ثمینہ تاریکی میں راستہ تلاش کرنے کے لیے ہاتھ پیر چلا رہی تھیں۔

"ممی!" ایک آواز ان کے قریب ابھری۔ ثمینہ کے بھاگتے وحشت زدہ قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ تاریکی کے پردے پر ایک چہرہ ابھر آیا تھا، چمکدار چہرہ، وہ بے چین ہوئیں، یہ مسکراتے ہوئے نقوش جانے پہچانے تھے۔

"ممی! اگر میں آپ سے دور چلی جاؤں تو؟"

اس دلکش چہرے نے پوچھا۔ ثمینہ سن سی رہی گئیں۔ معاً ایک جھماکے سے تیز روشنی پھیل گئی۔ یہاں تک ثمینہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بڑی مشکل سے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو انہوں نے اس روشنی میں دیکھنے کے قابل کیا۔ تب ہی اس تیز روشنی میں سے ایک سیاہ نقاب پوش ہاتھ میں خنجر لیے ماوی کی طرف جھپٹا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ایک زوردار چیخ ان کے لبوں سے نکلی اور خوف کے ناقابل بیان احساس کے ساتھ ثمینہ ہوش میں آ گئیں۔

ان کے گرد تیز تیز آوازیں تھیں۔ ڈاکٹر نرس کو ہدایت دے رہا تھا۔ جیڈی اس روز سے اسپتال میں بندھا بیٹھا تھا۔ وہ نسخہ جس پر سے اس نے خاتون کا نام پڑھا، بے دھیانی میں وہ گنوا بیٹھا تھا۔ اب اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے خاتون کے گھر والوں کا پتا لگایا جا سکے۔ اگر نسخہ ہوتا تو کلینک سے معلومات حاصل کی جا سکتی تھی۔

خاتون کو زیادہ تر مسکن ادویات کے زیرِ اثر رکھا جا رہا تھا۔ جتنا وقت وہ ہوش میں رہتیں، ڈاکٹر کتینی کی ہدایات کے مطابق ان سے کوئی سوال پوچھنے سے احتراز کیا جاتا، کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتیں جو ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں تھا۔ جیڈی وہیں گھر ارہ کر ڈاکٹر کی اگلی ہدایات کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆

چوہدری دین محمد کی بیوی زہرہ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ بن کر پھیل گئی، یہ کیسے ممکن تھا، باجی زبیدہ تک اطلاع نہ پہنچتی۔

ایسی بری خبر سن کر اس کا کلیجہ کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔ ابھی ایک روز پہلے تو بھاوج سے ملاقات ہوئی تھی، اس وقت تو وہ بھلی چنگی دکھائی دیتی تھی۔ پھر ایک ایسا کیا ہوا کہ اس کے بھائی کی زندگی اتنے بڑے المیے سے دوچار ہوگئی۔

صدمے اور غم سے بے حال باجی زبیدہ روتی ہوئی اپنے میکے پہنچی، تاکہ غم زدہ بھائی کو دلاسا دے سکے۔

صحن کے بیچ و بیچ چارپائی بچھا کر میت رکھی گئی تھی۔ ارد گرد گاؤں کی اور رشتہ دار خواتین بیٹھی بین ڈال رہی تھیں۔ اس نے دیکھا، جنت چارپائی کے قریب دوزانوں بیٹھی ٹکر ٹکر ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور بڑی بڑی آنکھوں میں آگہی اور غم ہلکورے لے رہا تھا۔

باجی زبیدہ کے دل پر آری سی چل گئی، اس کا دل چاہا دوڑ کر جائے اور بھتیجی کو بانہوں میں سمیٹ لے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتی، رشتہ دار خواتین آ کر اس سے گلے ملتے ہوئے پرسہ دینے لگیں۔ باجی زبیدہ کا بس نہ چلتا تھا جلد از جلد بھاوج کا چہرہ دیکھ لے۔ لیکن ہر کوئی اس سے غم کا اظہار کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی دوران اس نے دین محمد کو دیکھا۔ وہ مردانے سے نکل کر صحن کی طرف آ رہا تھا۔ باجی زبیدہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

اس کی نم، غم زدہ آنکھوں سے یک لخت شرارے نکلنے لگے تھے۔ اس نے پل بھر کے لیے کچھ سوچا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باجی زبیدہ کے سامنے آ رکا۔

بھائی کو دیکھ کر باجی زبیدہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور بازو پھیلا کر روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی، لیکن دین محمد نے سختی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"تو دہلیز پار کر آئی، اسی کو بہت سمجھ۔ اب تو تسلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کو مارنے والے کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، نہ ہی اپنی بیوی کی شکل اسے دیکھنے دوں گا۔" میت والے گھر میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ اس قدر نفرت بھرے انداز پر باجی زبیدہ کے آنسو بھی ٹھٹک سے گئے۔

"دین محمد! تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟" صحن میں پھیلے سناٹے کو دین محمد کی ماں کی آواز نے توڑ ڈالا۔ آن کی آن سرگوشیاں اور قیاس آرائیاں سارے میں گردش کرنے لگیں۔

کسی نے کہا۔ "دین محمد کا دماغ صدمے نے الٹ دیا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوا میرے دماغ کو۔" دین محمد بھڑک کر بولا۔ "باجی زبیدہ نے زہرہ کو قتل کیا ہے۔"

"دین محمد! ہوش کر۔" باجی زبیدہ نے پتا نہیں کیسے زبان کھولی۔

"ہوش کروں میں کس لیے؟ پہلے فاروق نے میری جنت کو قتل کرنے کی کوشش کی اور اب تو نے میری بیوی کو قتل کروا دیا۔ میں پوچھتا ہوں باجی زبیدہ، تو میری خوشیوں کی دشمن کیوں بنی ہوئی ہے۔"

"تجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، مجھے جنت نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کک...... کیا بتایا ہے جنت؟" باجی زبیدہ بے یقینی سے بولی۔

"کل تم زہرہ سے بازار میں ملی تھیں، تم نے اسے گالیاں دیں، بد دعائیں دیں اور تم نے کہا دین محمد نے سارا خاندان توڑ دیا ایسا جنت کی وجہ سے ہوا اور یہ کہ جنت مر جائے تو اچھا ہے۔ تیری بد دعا جنت کے بجائے زہرہ کو لگ گئی۔"

باجی زبیدہ نے ٹھٹھری ہوئی آنکھوں سے جنت کو دیکھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا دین محمد...... فاروق بھی اس وقت ساتھ تھا تو اس سے پوچھ لے۔"

"مجھے اس پر بھروسہ ہے، نہ تجھ پہ۔" وہ نفرت سے پھنکارا۔

"تجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی دین محمد! زبیدہ تیری بہن ہے، دشمن نہیں کہ بد دعائیں دے، جنت نے ضرور جھوٹ بولا ہوگا۔" اہل برادری میں سے کسی نے کہنا چاہا لیکن دین محمد کی تیز آواز نے اسے خاموش کروا دیا۔

"میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" پھر اس نے جنت کو اپنے پاس بلایا۔ "ان سب کو بتا جنت! اس عورت نے یہ سب کہا تھا کہ نہیں؟"

سب کی نظروں نے جنت کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ ماں کے غم سے بے حال تھی، کچھ باپ کے غصے اور لوگوں کی کھوجتی نظروں نے گھبراہٹ طاری کر دی، تب ہی اثبات میں سر ہلا دیا، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اسے یاد نہ تھا، پھوپھی زبیدہ نے اماں سے کیا کہا اور وہ یہ ساری داستان باپ کو کن الفاظ میں سنا چکی ہے۔

باجی زبیدہ ہکا بکا رہ گئی۔ یہ چھٹانک بھر کی لڑکی کس قدر صفائی سے جھوٹ بول گئی تھی۔

"دین محمد! جنت بچی ہے۔ کیا خبر اس نے کیا سوچ کر تجھ سے یہ سب کہہ دیا۔ میرا بھروسا کر، میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" باجی نے تحمل سے سمجھانا چاہا، مگر بے سود، دین محمد کو بیوی کی ناگہانی موت اور بیٹی کی محبت نے پاگل کر دیا تھا۔

"جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی، سنا تو نے۔" اس نے دھاڑ کر کہا، پھر اس نے ایک بار پھر باجی زبیدہ کو گھر سے نکال دیا اور زہرہ کا چہرہ بھی دیکھنے نہیں دیا۔

باجی زبیدہ روتی ہوئی اور دلگرفتہ اس گھر سے نکلی تھی۔

گاؤں کے ہر فرد نے اس قصہ کا اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تجزیہ کیا۔ لیکن آٹھ سالہ جنت نے اپنی ماں کی وفات والے روز جو سبق سیکھا، وہ یہ

تھا کہ جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ ہمیشہ جو کہتی ہے، وہی سچ ہوتا ہے۔

☆☆☆

دھند آلود شام دھیرے دھیرے دھرتی پر اترنے لگی تھی۔ عجیب سا سکوت تھا۔ جس کی مہین چادر آسمان سے زمین تک تنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کوریڈور کے ستون، پیڑ پودے، پام کے درخت، ہر چیز خاموش خاموش سی لگتی تھی، حتیٰ کہ اسپتال کی وہ لابی بھی جو ثمین ان کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

تب ہی دروازہ آہستگی سے چرچرایا۔ ثمینہ نے احتیاط سے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ان کی گردن پر کالر لگا ہوا تھا۔ جس سے گردن ہلانے میں دقت ہو رہی تھی۔

"میں نے آپ کی فیملی کو اطلاع بھجوا دی ہے، وہ لوگ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔" یہ وہی تھا جس کے بارے میں نرس انہیں بتا چکی تھی کہ وہی انہیں اسپتال لایا تھا اور کسی فیملی ممبر کی طرح دن رات ان کی تیمارداری کر رہا ہے۔ ثمینہ قصداً مسکرائیں۔

"شکریہ بیٹے! نرس نے مجھے بتایا، آپ نے میرا بہت خیال کیا۔"

"شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں آنٹی! میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتا۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

"نہیں خیر، ہر کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ صرف وہ لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں جن کے دل بہت اچھے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل بہت اچھا ہے بیٹے! ورنہ آج کے دور میں کون ہے جو بنا مطلب کسی کے لیے اتنا تردد کرے۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں اور بے حد شکر گزار تھیں۔

"جزاک اللہ...... میں ہمیشہ یاد رکھوں گی، ایک اچھے بچے نے اس وقت میری مدد کی، جب میں بالکل اکیلی تھی۔"

"بہت خوش قسمت ہیں آپ کے والدین۔ جنہیں خدا نے اتنی صالح اولاد دی۔" تب ہی جیڈی کا ملازم کھانا لے کر آ گیا، اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اپنی اتنی تعریفیں سن کر بڑی گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

"چھوڑیے ان باتوں کو، ہم کھانا کھاتے ہیں، لنچ ٹائم تو نہیں ہے، لیکن خیر، کمال! میں نے تمہیں سوپ لانے کے لیے کہا تھا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر خود ہی جائزہ لینے لگا۔ ثمینہ اس دوران اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ جیڈی کے لیے ان کے دل میں سچ مچ بہت اچھے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ شائستہ اطوار تھا، بہترین تربیت میں پلا بڑھا تھا۔ اس کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہ تھا۔ ثمینہ کی مدد کر کے ان کی طرف سے شکر گزاری کی سند تو اسے حاصل ہو چکی تھی، لیکن ایسا نہ ہوتا تب بھی جیڈی کو پسند کرنے کی کچھ کم وجوہات نہ تھیں۔

اچھی شکل، اچھا لباس، بات کرنے کا بہترین انداز اور سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت اس کے چہرے کی معصومیت تھی۔ بالکل بچوں جیسا بھولپن، جو اسے بہت سارے لوگوں میں نمایاں کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے صنف قوی میں یہ خصوصیت اچھی نہ لگتی ہو، مگر ثمینہ کو اس کے چہرے کی معصومیت نے اپیل کیا تھا، انہیں فیضان یاد آیا، شہروز یاد آیا تھا۔

جیڈی نے ان کے سامنے ٹیبل سیٹ کی، مگر چونکہ ثمینہ کا دایاں بازو پلاسٹر کی زد میں تھا۔ اس لیے انہیں اپنے ہاتھ سے سوپ پلاتے ہوئے

اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا۔ ثمینہ اسے اپنی فیملی کے بارے میں بتاتی رہیں، پھر انہوں نے کہا۔

"میں ہی بولتی رہوں گی، آپ بھی تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ بیٹا!"

"میں......" جیڈی نے پل بھر کے لیے سوچا۔

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں آنٹی! ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔" وہ جھینپ کر ہنسا۔

"پھر بھی......" ثمینہ نے اصرار کیا۔ "کچھ تو بتاؤ، کیا کرتے ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ کتنے بہن، بھائی ہو؟ والد صاحب کیا کرتے ہیں، وغیرہ۔"

ثمینہ کو بولنے کا شوق تو بہت تھا، تب ہی مستقل بولنے سے گردن میں اٹھتے ہلکے ہلکے درد کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں، پھر جیڈی کے بارے میں جاننا بھی چاہ رہی تھیں۔ (ظاہر ہے وہ ان کا محسن جو تھا)۔ تب ہی سوال پہ سوال کرتی چلی گئیں۔

"کوئی نہ کوئی تعارف تو ہر کسی کا ہوتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تعارف۔" جیڈی نے پل بھر کو سوچا۔ "آنٹی! کوئی بہت قابلِ فخر تعارف تو نہیں ہے میرا۔ عام سا انسان ہوں، لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو بتا دیتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ ہوں، فائنل ایئر چل رہا ہے، تعلیم کے سلسلے میں لاہور آیا ہوں، ویسے ہمارا آبائی گاؤں ساہیوال سے تھوڑا آگے ہے۔ زمیندار گھرانے سے تعلق ہے میرا۔ دلاور حسین بھٹی کا نام شاید آپ نے کبھی سنا ہو، وہ میرے دادا جان تھے اور پنجاب کے چند نامور زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ ساہیوال سے اوکاڑہ کے نواح کا اکثر زرعی علاقہ ہماری ملکیت ہے۔ لیکن زمینداری کے علاوہ کچھ سائیڈ بزنس بھی ہیں جو میرے بابا جان، چچا جان اور تاؤ جان کے ساتھ مل کر سنبھال رہے ہیں۔ ہم چار بھائی ہیں، بہن کوئی نہیں ہے، میرا نمبر دوسرا ہے۔"

وہ سرسری انداز میں بتاتا جا رہا تھا اور چونکہ وہ نظریں جھکا کر بات کر رہا تھا اور اس کا سارا دھیان بھی ثمینہ کو سوپ پلانے کی طرف تھا۔ اس لیے وہ ان کے چہرے پر پھیلے حیرانی اور کسی قدر بے یقینی کے تاثرات بھانپ ہی نہیں سکا۔ ثمینہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اول جلول حلیے والا اور عاجز مزاج لڑکا کسی رئیس خاندان کا چشم و چراغ ہو سکتا ہے۔

"دادا کا کیا نام بتایا؟" انہوں نے اس کو بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"جی...... دلاور حسین بھٹی۔" جیڈی ان کے لہجے کی تیزی پر حیران ہوا۔

"کیا یہ وہی دلاور حسین بھٹی ہیں جنہیں سن پینسٹھ کی جنگ میں بہادری سے لڑنے پر فوجی اعزاز سے نوازا گیا تھا؟"

"جی ہاں...... میرے دادا جان کو فوجی اعزاز تو ملا تھا۔" جیڈی کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ "لیکن کیا آپ میرے دادا جان کو جانتی ہیں؟" اس نے استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ثمینہ اس سوال پر گڑبڑا گئیں۔

"میں نے اپنے فادر سے ان کا بہت ذکر سن رکھا ہے۔" ثمینہ نے فوراً بات سنبھالی۔ "وہ ان کی بہادری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ تمہاری فیملی میں اور بھی کوئی آرمی میں ہے؟" انہوں نے کمال خوبصورتی سے بات ٹال دی تھی۔

"جی نہیں، اور کوئی نہیں ہے۔ میرے بڑے بھائی کو شوق تھا کہ وہ آرمی جوائن کرے، مگر دادی جان کو یہ فیلڈ پسند نہیں ہے۔ انہوں نے اجازت نہیں دی تو بھائی نے خیال ہی دل سے نکال دیا۔"

وہ سرسری انداز میں مگر تفصیل سے بتانے لگا۔ تب ہی نیم وا دروازے کو دھکیل کر فیضان نے اندر جھانکا۔ ثمینہ کا چہرہ نظر آتے ہی انہوں نے سکون کی سانس بھرتے ہوئے دروازہ پورا کھول دیا۔ ان کے عقب میں مادی تھی۔

"ممی!" وہ لپک کر آئی اور ان سے لپٹ کر رونے لگی۔ ثمینہ نے دوسرے بازو سے اسے خوب لپٹا کر پیار کیا۔ پریشان وہ بھی تھیں، مگر مادی کی طرح حواس باختہ نہیں ہوئی تھیں۔

فیضان، جیڈی کی طرف متوجہ تھے۔

"آپ؟" انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں جیڈی، میرا مطلب ہے میں جلال الدین ہوں، میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔"

جیڈی نے فیضان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"سو نائس آف یو جلال صاحب! آپ نے بڑی مدد کی۔" ساری صورت حال معلوم ہونے کے بعد فیضان نے تشکر آمیز انداز میں کہا تھا۔

جیڈی سادگی سے مسکرا دیا۔

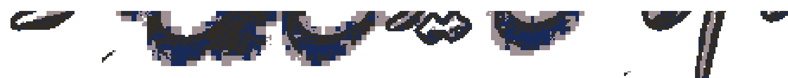
"شرمندہ نہ کریں، انسانیت کے ناتے اتنا تو میرا فرض بنتا تھا۔ بہرحال آیئے میں آپ کو ڈاکٹر سے ملوا دیتا ہوں اور کچھ اسپتال کی فارمیلٹیز پوری کرنا ہوتی ہیں، وہ بھی کر لیتے ہیں۔" فیضان کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ مادی ابھی بھی ان سے لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جیڈی کے ذہن پر پہچان کی برق چمکی، اس کی نظریں تیزی سے مادی کے پیروں کی طرف گئی تھیں۔

ساتھ ہی اسے مادی کا جارحانہ انداز یاد آ گیا۔ خدشہ گزرا، کہیں وہ پھر سے جھگڑا شروع نہ کر دے۔ یہ ہی مناسب تھا کہ جلد از جلد یہاں سے کھسک لیا جائے۔

"او کے آنٹی! ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ میں چلتا ہوں۔" اس نے ثمینہ سے کہا۔ تب ثمینہ نے مادی سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے بھول ہی گئی ہوں، پھر مسکرائیں۔

"ٹھیک ہے بیٹے! لیکن دوبارہ ضرور آیئے گا، مجھے خوشی ہو گی۔" جیڈی نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا اور خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ فیضان نے باہر جانے سے پہلے مادی کو کندھوں سے پکڑ کر ثمینہ سے الگ کر دیا اور ڈپٹنے والے انداز میں بولے۔

"آپا کا ایک بازو پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے، دوسرے سے تم لٹک کر اسے بھی نہ توڑ دینا۔" وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔



"بس بھی کرو ماری! اور کتنا روؤ گی۔" ثمینہ نے ایک ہاتھ سے اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

ماری کے آنسو تھمتے تھمتے اور شدت سے بہنے لگے۔

"یہ کیا ہو گیا ممی! آپ کو کتنی چوٹیں آئی ہیں۔" اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

"جو قسمت میں ہو، وہ ل کر رہتا ہے۔ چاہے کوئی زخم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن تم بالکل بے فکر رہو، میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ "اور تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔ کپڑے لگتا ہے کئی دن سے نہیں بدلے۔ کس قدر سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں اور بال، لگتا ہے ساری زندگی برش نہیں کیے اور آنکھوں کا حشر دیکھو۔"

"میری ممی تین دن سے لاپتہ تھیں۔ آپ کے خیال میں ایسی سچوایشن میں مجھے سولہ سنگھار کر کے بیٹھنا چاہیے تھا؟" اس نے خفگی سے کہا۔

"ارے، میری تو حسرت ہی رہے گی کہ میری بیٹی بھی مجھے سولہ سنگھار کر کے دکھائے۔ تمہیں تو یہ ساری چیزیں آؤٹ ڈیٹڈ لگتی ہیں اور صرف تم ہی کیوں، آج کل کی ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں۔ سولہ سنگھار تو بھئی ہمارے زمانے میں ہی ہوا کرتے تھے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب آپ اپنے زمانے کے قصے لے کر مت بیٹھ جائیے۔" ماری چڑ کر بولی۔ "مجھے بتائیں ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟"

"کس قدر احمقانہ سوال ہے بیٹی! ایکسیڈنٹ ویسے ہی ہوا جیسے عموماً ایکسیڈنٹ ہوا کرتے ہیں۔" ثمینہ کی حس مزاح خوب چمک رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا! آپ اکیلے گھر سے باہر مت جائیے گا، میں خود آپ کو لے جاؤں گی۔" اس کی ناراضی عود کر آئی۔

"ایکسیڈنٹ تو تب بھی ہو سکتا تھا۔" ثمینہ زور دے کر بولیں۔

"لیکن......" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ثمینہ نے روک دیا۔

"بس...... اب اور کوئی بات نہیں ہو گی۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں زندہ ہوں، یہ بھی اللہ کا کرم ہے۔" انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔

ماری انہیں دیکھتی رہی، اس کی نم آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہو رہا تھا۔ پھر وہ جذباتی پن سے ان سے لپٹ گئی۔

"آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا تھا۔ ابو کے بعد آپ کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں ممی!" وہ دل میں کہہ رہی تھی۔

جس وقت فیضان واپس آئے، رونے دھونے کا سین ہنوز جاری تھا اور بقول ان کے ماری، ثمینہ آپا کے کندھے سے لگی ہوئی تھی۔

"بس بھی کرو ماری! کیوں رو دھو کر آپا کو پریشان کر رہی ہو اور آپا! آپ کا بھی جواب نہیں۔ کیا ضرورت تھی بس کو اتنی زور سے ٹکر مارنے کی۔ جلال صاحب بتا رہے تھے بے چاری بس کا سامنے والا حصہ تو بالکل ڈیمج ہو گیا۔"

فیضان کی سنجیدگی، ان دونوں کی آنکھوں میں نمی سمیت ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

تین روز بعد ثمینہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ بازو کا پلاسٹر نہیں کھلا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس دوران اینیا اور ثروت دو بار ان کی عیادت کے لیے اسپتال آئیں۔ لیکن ثمینہ کو ثروت سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

جلال کے دوبارہ نہ آنے پر بھی انہیں افسوس ہوا۔ رو رہ کر یہی سوچتیں اس کا کانٹیکٹ نمبر یا ایڈریس ہی لے لیا ہوتا۔ جس روز وہ اسپتال سے گھر آئیں، اسی شام ثروت اور اجیا ان کی خیریت معلوم کرنے آگئیں۔ تب انہیں ثروت سے معذرت کرنے کا موقع مل گیا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں ثروت! بھری محفل میں بیٹھ کر مجھے اس طرح سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔'' جب چوتھی مرتبہ انہوں نے یہی بات دہرائی، تب ثروت سادگی سے ہنس دیں۔

''آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں، جو ہونا تھا ہو چکا۔''

''نہیں..... مجھے سوچ سمجھ کر طریقے سے بات کرنا چاہیے تھی۔ لیکن دراصل آپ کا چہرہ مجھے اس قدر اچانک یاد آیا کہ میں صورت حال کی نزاکت کو بھانپ ہی نہیں سکی۔'' اجیا اور سادی کچن میں تھیں، جبکہ وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

''ثمینہ! آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کریں۔ اس وقت جو ہونا تھا ہو چکا، آپ شرمندہ ہو کے یا معذرت کر کے اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں، اس لیے پلیز ریلیکس رہیں۔''

ثروت کا نرم اور دوستانہ لہجہ ایک دم دل پر اثر کرتا تھا۔ ثمینہ قدرے مطمئن ہو گئیں۔

''آپ بہت اعلا ظرف ہیں ثروت! شاید آپ کی جگہ میں ہوتی تو خاصا برا مانتی۔ کیونکہ میرا نہیں خیال میرے شوہر دانیال صاحب کی طرح بیوی کے ساتھ شوہر کا حوالہ برداشت کرتے۔ ماشاء اللہ..... آپ خوش قسمت بھی بہت ہیں کہ آپ کو بہت کیرنگ، وائزنگ اور انڈراسٹینڈنگ ہز بینڈ ملے ہیں۔'' ایک اندازہ ثمینہ نے خود بخود لگا لیا تھا۔

ثروت بے چاری اندر ہی اندر خود پر ہنس کر رہ گئیں۔ دل کے حلقے میں ایک سوئی تھی، جس کا کنارہ مستقل چبھتا تھا۔

''اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟'' معاً ثمینہ کو کچھ خیال آیا تو پوچھ لیا۔

''جی پوچھیے۔'' ثروت ہمہ تن گوش ہوئیں۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ اور مستقیم بھئی تو بہت خوش تھے ایک دوسرے کے ساتھ، غالباً پسند کی شادی ہوئی تھی آپ کی۔ حویلی میں کئی بار ذکر سنا تھا میں نے، تو پھر یہ سب، میرا مطلب ہے دانیال حسن کیسے آگئے۔ آپ دونوں کے درمیان؟'' ثمینہ نے جھجکتے ہوئے دل کے اندر اٹھتے ڈوبتے سوالوں کو زبان دے رہی تھیں۔

''پتا نہیں، کون آگیا تھا، کس کے درمیان؟'' ثروت نے بوجھل دل کے ساتھ سوچا، پھر گہری سانس بھر کر ثمینہ کے سوالوں کا جواب دینے لگیں۔

''میرے اور مستقیم کے بیچ کچھ اختلافات تھے، جن کی وجہ سے اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ دانیال میرے خالہ زاد تھے۔ طلاق کے بعد ان سے شادی ہو گئی۔ یہ ایسا راز ہے ہماری زندگی کا جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔'' ثروت بتا کر کے بتاتی چلی گئیں۔

''اوہ.....'' ثمینہ کو پھر شرمساری نے گھیرا۔

''پھر تو تیمر اور منیزہ بھی لاعلم ہوں گے۔''

"پتا نہیں...... ممکن ہے، میرے سامنے تو کبھی بات نہیں ہوئی۔ لیکن توقیر بھائی، دانیال کے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔ شاید دانیال نے ذکر کر رکھا ہو۔" تب ہی ماوی اور ایچیا سرونگ ٹرالی گھسیٹتی اندر آگئیں۔

"کس کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے بھئی۔" ایچیا نے پوچھا۔

ثمینہ اور ثروت چونک سی گئیں۔

"کچھ خاص نہیں، میں ثروت کو بتا رہی تھی کہ جیسے ہی ماوی کا ریسرچ ورک مکمل ہوگا، ہم واپس آئرلینڈ چلے جائیں گے۔" ثمینہ نے خوبی سے جھوٹ بول دیا تھا۔

"ریسرچ ورک کو تو اب آپ رہنے ہی دیں۔" ماوی نے چائے سرو کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ "مجھے نہیں رہنا پاکستان میں۔ بس آپ کا پلاستر اُتر جائے ہم واپس چلے جائیں گے۔"

"ارے...... اتنی جلدی کیوں بھئی۔" ثروت نے پوچھا۔

"آپ کو نہیں پتا آنٹی! ممی تو پہلے ہی پاکستان نہیں آنا چاہتی تھیں، میں نے ہی ضد کر کے انہیں آنے پر مجبور کیا۔ لیکن اب مجھے لگ رہا ہے، ہمیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ ملک، یہ شہر ہمیں راس نہیں آرہا...... پہلے ممی کی طبیعت کتنی خراب رہی اور اب یہ اتنا شدید ایکسیڈنٹ...... مزید یہاں رکے تو اور پتا نہیں کیا ہوگا۔ اسی لیے میں نے سوچ لیا ہے جیسے ہی ممی کی طبیعت بہتر ہوگی اور یہ سفر کر سکیں، ہم واپس چلے جائیں گے۔"

ماوی نے کہا۔ اس کا چہرہ ابھی بھی ماند پڑا ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ ٹھان چکی ہو۔

ثمینہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں...... ہم چلے جائیں گے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور کارنر ٹیبل پر رکھے گلدان کو دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کسی سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔



پھر پلان کے مطابق وحید نے جیڈی کو فون کیا اور ایکسیڈنٹ کے باعث اپنی خراب حالت کی ایسی تصویر کشی کی کہ جیڈی کی معصوم روح تڑپ اٹھی۔

"تم...... تم کس اسپتال میں ہو وحید! مجھے بتاؤ میں رقم لے کر پہنچ جاتا ہوں۔" جیڈی نے جذباتی ہو کر کہا، وحید اسپتال کے پلنگ پر اطمینان سے لیٹا، پیر ہلا رہا تھا، بری طرح گھبرا گیا۔

"نہیں، جیڈی، میرے بھائی میرے دوست، میں جانتا ہوں تم میری حالت دیکھ نہیں پاؤ گے۔ ہاتھ کلائی سے الگ ہو کر تقریباً لٹک رہا ہے، دائیں ٹانگ کچلی جا چکی ہے، ڈاکٹر کہتے ہیں جب تک پیسے جمع نہیں کرواؤ گے ٹریٹمنٹ شروع نہیں کیا جائے گا، جیڈی، میری مدد کرو۔" اداکاری میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لیے وہ رو ہی پڑا۔

"رو دُست وحید!" جیڈی نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

"جیڈی! میں نہیں چاہتا تم مجھے اس خراب حالت میں دیکھو، نبیل کو بھیج رہا ہوں، مہربانی کر کے بیس ہزار روپے اسے دے دو تمہارا احسان، زندہ رہا تو ساری زندگی یاد رکھوں گا۔"

پھر فون بند کر کے وہ دونوں خوب ہنسے۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا نبیل! جیڈی کو بے وقوف بنانا تو بہت ہی آسان ہے۔"

"جب تک رقم ہاتھ نہیں آجاتی، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" نبیل نے کہا۔ اور وہ اپنی پلاننگ کی کامیابی کے بارے میں بات کرنے لگے۔

دوسری طرف جیڈی، وحید کے ایکسیڈنٹ کا سن کر پریشان بیٹھا تھا اس کا بس نہ چلتا تھا اڑ کر وحید کے پاس پہنچ جائے۔ جس وقت نبیل پیسے لینے آیا اس نے نبیل سے بھی گزارش کی کہ اسے وحید کے پاس لے چلے۔ "میں وحید کی بات سے انکار نہیں کر سکتا جیڈی! تمہیں اس کی حالت کا اندازہ نہیں ہے۔ اس قدر زخمی ہو چکا ہے کہ سمجھو آخری سانسیں ہی چل رہی ہیں۔" نبیل تو وحید سے بھی بڑا ایکٹر تھا اور چونکہ اس سارے ڈرامے کا ڈائریکٹر بھی وہی تھا اس لیے اس کی اداکاری وحید سے بہتر تھی۔

"ایسے تو مت کہو۔" جیڈی نے سراسیمگی سے کہا۔

"خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو آخری خواہش پوری نہ کرنے پر میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا جیڈی! اس نے مجھے تاکید کی ہے جیڈی کو اسپتال مت آنے دینا۔ اس کا دل بہت کمزور ہے، پھر اپنے دوستوں سے اسے محبت بڑی ہے، ایسا نہ ہو میری حالت دیکھ کر جیڈی کو کچھ ہو جائے، تم واقعی وحید پر احسان کرو جیڈی! بیس ہزار اسے دے دو، میں روپے لے کر جاؤں گا تو ہی ڈاکٹر ٹریٹمنٹ شروع کریں گے۔"

"کیا مطلب...... وحید کی اتنی سیریس حالت کے باوجود ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ شروع نہیں کیا؟"

"جب تک رقم جمع نہ کروائی جائے علاج کیوں شروع کریں گے؟ تمہیں نہیں پتا آج کل کے ڈاکٹرز کا۔"

"مجھے اسپتال کا نام بتاؤ، میں بات کرتا ہوں۔"

جیڈی نے کہا، لیکن نبیل نے اسے قائل کر کے ہی چھوڑا۔

"مجھے فون پر وحید کی حالت کے بارے میں ضرور بتاتے رہنا۔"

رقم دے کر جیڈی نے تاکید کے ساتھ نبیل کو رخصت کیا تھا۔

☆☆☆

"اب سیدھے عشناء کے در پر حاضری دینے نہ پہنچ جانا۔ پہلے اس کامیابی کی خوشی میں اچھا سا لنچ کرواؤ۔" نبیل نے وحید کو بائیک اسٹارٹ کرتے دیکھ کر کہا تھا۔

"صرف لنچ! میں تمہیں ڈنر بھی کروانے کے لیے تیار ہوں۔" وحید بیس ہزار ہاتھ میں آتے ہی جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔

"لیکن ایک بات ہے وحید! بے شک یہ میرا ہی آئیڈیا تھا، لیکن یہ کچھ زیادہ ہو گیا۔" نبیل نے کسی قدر شرمندگی سے کہا تھا۔

"جیڈی کی شکل دیکھنے والی ہو رہی تھی، بہت پریشان ہے تمہارے لیے۔"

"ذرا یہ عشناء منحوس پیچھا چھوڑ دے۔ پھر جیڈی کو بھی سمجھا لیں گے۔ آخر ہم بھی تو یاروں کے یار ہیں۔" وحید نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔ یک بارگی اس کی نظر نسان پٹرول پر پڑی جس سے شبیہ اتر رہا تھا۔

"مارے گئے۔" وحید نے سراسیمگی سے کہا، اس دوران نبیل بھی شبیہ کو دیکھ چکا تھا۔

"اگر اس کی نظر ہم پر پڑ گئی تو سمجھو سچ مچ مارے گئے"

وحید نے بائیک کو کک لگائی۔ نبیل اچھل کر پیچھے سوار ہوا اور بائیک جیسے ہواؤں سے باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

"میں نے ابھی نبیل اور وحید کو یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا، لیکن فلیٹ بالکل صاف ستھرا ہے، کچن میں بھی کسی فرمائشی پروگرام کی نشانیاں نہیں مل رہیں، اور تم بھی پریشان لگ رہے ہو جیڈی! خیریت تو ہے نا؟"

شبیہ اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس کے قریب رکا تھا۔ جیڈی نے اپنی فکرمند نظریں اس پر لگائیں اور نفی میں سر ہلانے لگا۔

"خیریت نہیں ہے شبیہ! وحید، وحید مر رہا ہے۔"

"وہ تو ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی پہ مر رہا ہوتا ہے، اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے، اب کس پہ مر رہا ہے؟" جیڈی نے جھنجھلا کر اسے دیکھا۔

"مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے شبیہ! وحید کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور۔" جیڈی اسے تفصیلات بتانے لگا، شبیہ جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا، اس کے چہرے کے عضلات تن رہے تھے۔

"ڈونٹ ٹیل می جیڈی! کہ تم نے وحید کو بیس ہزار روپے بھجوائے ہیں؟"

"وحید مشکل میں ہے شبیہ! ایسے میں کیا دوست ہو کر تھوڑی سی مدد بھی نہیں کر سکتا تھا۔" جیڈی نے ناراضی سے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ٹوئنٹی تھاؤزنڈ "تھوڑی سی مدد" نہیں ہوتی دوسری بات یہ کہ تمہیں بہت، بہت مبارک ہو، کیونکہ اس بار بھی تمہارے دوست تمہیں بدھو بنا گئے ہیں، میں نے اپنی ان گنہگار آنکھوں سے نبیل اور وحید کو بائیک پر سوار ہو کے یہاں سے جاتے دیکھا ہے۔ اگر وحید واقعی اتنا زخمی ہوا ہے تو یہاں تک بائیک پر کیسے آ گیا؟" شبیہ نے کچا چبانے والے انداز میں کہا تھا۔

جیڈی چند لمحے تذبذب کی کیفیت میں کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی شبیہ!" اس نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"غلط فہمی کیسے ہو سکتی ہے؟ میں بتا تو رہا ہوں میں نے دیکھا ہے میری شکل دیکھ کر وہ دونوں جس طرح بھاگے سمجھ تو مجھے پہلے ہی لینا چاہیے تھا کہ گڑبڑ ہے۔ حد ہو گئی جیڈی! تمہیں عقل کب آئے گی، ہمیشہ اپنے دوستوں پر بھروسہ کرتے ہو ہمیشہ دھوکہ کھاتے ہو، اتنی مرتبہ تو کوئی بے وقوف بھی دھوکہ کھائے تو محتاط ہو جائے گا۔" شبیہ نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی۔ جیڈی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے شبیہ کی باتیں درست بھی لگ رہی تھیں اور نہیں بھی۔ بظاہر وحید پر بھی تو شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی سوائے اس کے سابقہ ریکارڈ کے۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آ رہی شبیہ!" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "وحید مجھے دھوکہ کیوں دے گا؟"

"کیونکہ تمہارے سارے دوست دھوکہ باز اور فراڈ ہیں۔" شبیہ نے جل کر کہا۔

"ایسے مت کہو، کسی ایک کی خاطر سب کو قصوروار ٹھہرانا کہاں کا انصاف ہے۔"

"تم بیٹھ کر انصاف کرو، میں تو تمہارا یہ تازہ کارنامہ دادو کو بتانے لگا ہوں، اب جو بھی سمجھانا ہے وہی تمہیں سمجھائیں گی۔" شبیہ نے دھمکانے والے انداز میں کہا تھا۔

"پلیز...... پلیز شبیہ! دادو کو مت بتاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگلی بار کسی کی مدد نہیں کروں گا، چاہے کوئی میری آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر ہی کیوں نہ جائے۔" وہ بے چارا تو بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"ویسے بھی شبیہ! خدا نے ہم پر اتنا کرم رکھا ہے۔ اگر تھوڑا سا پیسہ ہم کسی غریب کو دے بھی دیتے ہیں تو......"

"پھر وہی بات...... تم کس قدر الٹی کھوپڑی کے مالک ہو جیڈی! انسان دھوکہ کھا کر سنبھلتا ہے، دھوکہ دینے والے کو اور اپنی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کرتا۔"

"اچھا نا...... ہو گئی غلطی، میں وعدہ کر رہا ہوں دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہو گا، پلیز تم دادو کو مت بتاؤ، اگر غصے میں آ کر انہوں نے میرا اکاؤنٹ فریز کروا دیا تو میرے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔"

"پھر وحید سے یہ بیس ہزار واپس مانگ لینا۔ اگر اس نے تمہارا خیال کر لیا، جس کے بارے میں مجھے یقین ہے وہ ہرگز نہیں کرے گا۔ تو تمہارے کچھ دن تو آرام سے گزر ہی جائیں گے۔" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"شبیہ!" جیڈی نے منت بھرے انداز میں کہا اور تقریباً اس کے آگے ہی جوڑ دیے۔

"میں صرف اس بار تمہاری بات مان رہا ہوں۔" شبیہ نے اس پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔ "بیس ہزار کی تو خیر تم فکر ہی نہ کرو، وحید کے حلق سے نکلوا لوں گا میں اور تم...... تمہیں تو میں وارن کر رہا ہوں دوبارہ مجھے پتا چلا کہ تم نے اپنے کسی سو کالڈ فرینڈ پر بھروسہ کر کے نقصان اٹھایا ہے تو پھر میں تم کو سمجھ لوں گا، دادو جو تمہاری خبر لیں گی وہ الگ۔" شبیہ دھمکی دیتا اندر چلا گیا جیڈی نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے دکھ بھی ہو رہا تھا اور شرمندگی بھی۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی، میں واقعی اب کسی کی مدد نہیں کروں گا، میں کسی کی بات کا بھروسہ نہیں کروں گا، چاہے کوئی میری منتیں ہی کیوں نہ کر لے، اور، اور کوئی میرے سامنے مر بھی رہا ہو گا تو مدد نہیں کروں گا۔" اس نے خود سے تہیہ کیا اور گرنے کے انداز میں صوفے پر لیٹ کر کشن

چہرے پر رکھ لیا تھا۔

اور یہیں اس وقت جب جلال الدین کسی کی مدونہ کرنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ اسے بے ساختہ ثمینہ یاد آئی تھیں، اس کا دل چاہا شبیہ کو ان کے بارے میں بتائے لیکن اس صورت میں مزید جھاڑ پڑنے کا خدشہ تھا۔ اس لیے دل کی بات دل میں رکھ کر اپنے بے وقوف بنائے جانے کا غم مناتا رہا۔

☆☆☆

فیضان دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپا؟"

انہوں نے کرسی بیڈ کے قریب رکھتے ہوئے پوچھا، تاخیر سے بیدار ہوئے تھے۔ چہرے پر بھرپور نیند کا تاثر اور ہلکی سی نمی محسوس ہوئی تھی۔ ابھی تک نائٹ سوٹ میں ملبوس تھے۔ ثمینہ نے نظروں ہی نظروں میں بھائی کی بلائیں لے ڈالیں۔

"اب تو بہت بہتر ہوں، لیکن کندھے میں کھچاؤ بہت محسوس ہوتا ہے، آج چیک اپ کے لیے جائیں گے تو ڈاکٹر سے کہنا، بس یہ پلاسٹر اُتار دے، میں تھک گئی اتنی لمبی بیماری سے...... اور تم اتنی دیر سے کیوں اٹھے ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے؟" انہوں نے فیضان کی پیشانی چھو کر گویا ٹمپریچر لیا تھا۔

"رات کچھ کام کر رہا تھا، سونے میں دیر ہو گئی تھی۔" فیضان نے آنکھیں مسلتے ہوئے جواب دیا۔

"ماما! کافی پئیں گے یا بریک فاسٹ بنا دوں؟" مادی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے فیضان کو ایک نظر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال تو کافی۔" پھر اسے کتاب بند کرتا دیکھ کر بولے۔

"تم بیٹھو، میں خود بنا لوں گا۔"

مادی جانتی تھی، انہیں اپنے ہاتھ کی کافی زیادہ پسند تھی، اس لیے اصرار نہیں کیا، بلکہ بولی۔

"پلیز میرے لیے بھی ہاف کپ۔"

"شرم کرو مادی۔ یہ نہیں کہ خود اُٹھ کر کافی بنا دو، اس سے کہہ رہی ہو۔" ثمینہ نے بری طرح سے اسے جھڑکا تھا، لیکن وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"فیضان ماما کو میری بنائی کافی کبھی پسند نہیں آتی۔" اس کی ڈھٹائی پر ثمینہ کو اچھی خاصی تپ چڑھ گئی تھی۔

فیضان بنا کچھ بولے محض مسکراتے باہر نکل گئے۔ چند منٹ بعد کافی کے دو مگ ہاتھ میں لیے واپس آئے تو مادی بولی۔

"تھینک یو ماما! آپ بہت اچھی کافی بناتے ہیں۔ پلیز شہروز کو بھی بنانا سکھا دیں۔"

"ہاں، تاکہ شادی کے بعد یہ محترمہ آرام کریں اور شہروز بے چارہ اسے کافی بنا، بنا کر پلائے۔" ثمینہ جل کر بولیں۔

"تم تو میرے سگھڑاپے کا نام خراب کرو گی مادی۔"

"اس میں میرا کیا قصور؟ میری اماں نے مجھے کچھ سکھایا ہی نہیں۔" وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔

"نیوز پیپر کہاں ہے؟" ان دونوں کی بحث سے بے پروا فیضان نے پوچھا۔

"اوہ..... میں تو باہر سے اٹھانا ہی بھول گئی، گیٹ کے پاس ہی پڑا ہوگا۔"

"جاؤ، ماموں کو لا کر دو۔" ثمینہ نے فوراً کہا، فیضان ہنس دیے۔

"میں لے لوں گا آپا! کیوں اس بے چاری کو اٹھا رہی ہیں۔"

"بس اسی لاڈ نے اسے بگاڑا ہوا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"آپ کو تو بس مجھ میں خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔" جس وقت فیضان دروازہ بند کر رہے تھے، انہوں نے ہادی کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

اخبار گیٹ کے قریب رکھے گملوں کے پیچھے پڑا تھا۔ فیضان نے احتیاط سے رول کیے ہوئے اخبار کا ربڑ بینڈ ہٹا کر اسے ایک ہاتھ سے جھاڑ کر سیدھا کیا اور وہیں کھڑے ہو کر شہ سرخیوں پر نظر ڈالنے لگے۔

انہیں وہاں کھڑے چند منٹ گزرے تھے کہ اچانک کچھ گرنے کی زوردار آواز سنائی دی، انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا، شازیہ نے اسٹیل واٹر کین گرا دیا تھا اور اب اجیا سے جھاڑ سن رہی تھی۔

فیضان کچھ سوچ کر اس طرف آ گئے۔ اجیا نے شازیہ کو اچھی طرح ڈانٹ پھٹکار کر کوئی حکم جاری کیا، وہ خیر مناتی بھاگی، پھر خود کیاری کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی، اور کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر پودے کو دیکھنے لگی، اس کے جھکے ہوئے چہرے پر بیک وقت پریشانی اور صدمہ دکھائی دے رہا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" فیضان نے بلا ارادہ اونچی آواز میں کہا۔ اجیا اپنی ہی دھن میں تھی۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"مارننگ۔" وہ سادگی سے مسکرا دی، لیکن اس مسکراہٹ میں بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔

"خیریت؟ کوئی پریشانی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ ساری کیاری سوکھ گئی ہے، ایک بھی پودا سلامت نہیں، سارے مرجھا گئے ہیں۔" ہوا سے بکھرتے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے روہانسی ہو کر کہا تھا۔

فیضان کی نظریں بے ساختہ کیاری تک گئیں، لیکن درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دیا، تب انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے انتظار کرنے کے لیے کہا، پھر باڑھ عبور کر کے اس کی طرف آ گئے۔

"یہ پکڑو۔" انہوں نے کافی کا مگ اور اخبار اجیا کو پکڑایا اور خود پنجوں کے بل بیٹھ کر مرجھائے ہوئے پودوں کا جائزہ لینے لگے، اجیا دلچسپی و فکر مندی سے انہیں کام کرتا دیکھنے لگی۔

فیضان بڑی عرق ریزی سے پودوں کا معائنہ کر رہے تھے، کبھی پتے اٹھا کر دیکھتے کبھی جڑوں میں جھانکتے۔ ان کے ہاتھ مشاقی سے کام کر رہے تھے، ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کام میں بہت ماہر ہوں۔ ان کے ہاتھ مضبوط اور گندمی تھے۔ وہ بلیک ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھے، جس کی آستینیں کہنیوں سے کچھ اوپر تھیں۔

پیشانی روشن تھی۔ آنکھوں میں ذہانت و پختگی کی بڑی واضح چمک، اجیا کو احساس تک نہ ہو سکا، وہ کب پودوں کو چھوڑ کر ان کا جائزہ لینے لگی۔

(سوئے اتفاق بعض واردتیں انجانے میں بھی ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً جن کا تعلق دل سے ہو۔)

"اچھی شکل تو سب ہی کو اچھی لگتی ہے۔"

لیکن کسی شخصیت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔

سنا ہے کوئی دیوتا تھا، اپالو نام تھا اس کا، بڑا حسین تھا، بے پناہ کشش تھی اس کی شخصیت میں۔

لیکن کیا ان سے بھی زیادہ پُرکشش ہوگا؟ ان سے بھی زیادہ حسین؟ حسین؟ لاحول ولا...... کس قدر زنانہ لفظ ہے۔

ان کے لیے تو کوئی اور لفظ ہونا چاہیے۔ جوان کے شایانِ شان ہو، جیسے گریس فل...... شان دار...... سوبر...... اور...... اور اچھا بھی ہوگا کوئی اپالو، بڑا حسین، بے حد شان دار، ہمیں کیا۔ ہمیں تو یہ ہی پسند ہیں۔"

اپنی ہی سوچوں میں اُلجھی وہ اس بری طرح سے گڑبڑائی کہ ہاتھ سے گگ ہی چھوٹ گیا۔ فیضان نے چونک کر اسے دیکھا۔ کافی ضائع ہو گئی، لیکن گھاس کی تہ یہاں دبیز ہونے کی وجہ سے گگ ٹوٹنے سے بچ گیا تھا۔

اینیا اتنی بری طرح سے شرمندہ نظر آرہی تھی کہ حد نہیں۔

"آئی ایم سوری...... میں آپ کے لیے اور کافی بنا دوں؟"

"اٹس او کے، اپنے پلانٹس کے لیے اتنا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" فیضان نے دوستانہ مسکراہٹ سے اس کے گھبراہٹ زدہ چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کی گھبراہٹ کو پریشانی پر محمول کر رہے تھے۔

"انہیں کیڑا لگ گیا ہے، گھر میں اگر نیلا تھوتھا ہے تو وہ لے آؤ۔" اینیا دوڑ کر گئی اور نیلا تھوتھا لے آئی۔

"پانی...... کدال۔" فیضان چیزیں بتاتے رہے، اینیا بھاگ بھاگ کر مطلوبہ چیزیں فراہم کرتی رہی۔ جب فیضان اپنا کام سمیٹ چکے تو انہوں نے اینیا کو کچھ ہدایات دیں۔

"شام میں ایک بار پھر یہ لیکوڈ ان پودوں پر اسپرے کرنا کل تک پوری کیاری پھر سے ہری ہو جائے گی۔"

"آپ کو گارڈننگ کے بارے میں سب کچھ پتا ہے۔" اینیا نے رشک سے انہیں دیکھا۔

"سب کچھ تو نہیں، لیکن کافی کچھ پتا ہے۔" فیضان نے سرسری انداز میں کہا۔

"لیکن جب میں تمہارے جتنا تھا اور میرے پلانٹس کو کچھ ہوتا تھا تو میں بھی پریشان ہو جاتا تھا، کیونکہ اس وقت میری معلومات بہت کم تھیں۔ پھر میں نے گارڈننگ سے متعلق کلب جوائن کیے اور ایسی کتابیں اور میگزینز پڑھنے لگا جو میری معلومات میں اضافہ کریں۔"

"آپ یقیناً کیپری کارن (capricorn) ہوں گے۔ سارے کیپری کارنز کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے۔" اینیا نے عجلت سے خیال ظاہر کیا تھا۔

"اچھا اور Leo (اسد) کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فیضان نے مسکرا کر اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا۔

''میرا مطلب ہے لیو افراد کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں؟'' ان کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔

''اس کا مطلب آپ Leo ہیں۔'' وہ فوراً نتیجہ نکال کر بولی۔ ''مجھے اس اسٹار کے بارے میں زیادہ نہیں پتا۔ میں خود Capricorn ہوں۔ اس لیے زیادہ تر اسی کے بارے میں پڑھ لیتی ہوں۔ میرے پاس ایک بک ہے۔ جس میں سارے اسٹارز کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ میں اس میں دیکھوں گی کہ Leo کو گارڈننگ میں انٹرسٹ ہوتا ہے یا نہیں، پھر آپ کو بتاؤں گی۔'' اس نے سادگی سے کہا، جواباً فیضان بولے۔

''بالکل ٹھیک، اور اگر اس بک میں لکھا ہوا کہ Leo کو گارڈننگ میں انٹرسٹ نہیں ہوتا تو میں فوراً گارڈننگ چھوڑ دوں گا۔''

گو کہ ان کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ جھینپا جاتا، بلکہ ان کا انداز ایسا تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو بہلا رہے ہوں، لیکن اینا کھسیا سی گئی۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

فیضان نے اس کی شکل دیکھی اور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔ اینا دھک سے رہ گئی۔

(یا اللہ..... کیا وہ ایا لو ہنستا ہوا ان سے زیادہ اچھا لگتا ہوگا؟)

''مطلب وطلب کچھ نہیں۔ میں انتظار کروں گا کہ تم مجھے میرے اسٹار کے متعلق بتانا، پھر میں تمہیں گارڈننگ سے متعلق میگزینز اور بکس لا کر دوں گا اور جب ہماری دوستی ہو جائے گی تو میں تمہیں Yellow goddes (دوستی کا پھول) دوں گا۔'' فیضان لاپروائی سے کہہ رہے تھے۔

اینا خاموش رہی۔ وہ ان کی طرف دیکھنے سے لاشعوری طور پر احتراز برت رہی تھی اور اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے مگ پر تھیں۔

فیضان نے ذرا سا جھک کر بغور اس کا چہرہ جانچا، پھر ہتھیلی اس کے سر پر جما کر خفیف سا جھٹکا دیا۔

''کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟'' ان کے لہجے میں اصرار تھا۔ اینا نے یونہی نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''دیٹس لائیک اے گڈ گرل۔'' فیضان مسکرا دیے۔

''بائے دا وے، آئی ایم سوری۔'' انہوں نے مگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

اینا نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

''کس لیے؟ کافی تو میرے ہاتھ سے ضائع ہوئی ہے؟'' اس نے بے ساختگی سے پوچھا۔

''میں نے اس دن یوکلپٹس کے پتے کاٹ دیے تھے۔ مجھے تمہاری اجازت لینا چاہیے تھی۔''

''آپ نے جو بھی کیا، اچھی نیت سے ہی کیا تھا۔ اب سوری بول کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

''میں آپ کے لیے کافی بھجواتی ہوں۔'' اس نے اخبار بھی فیضان کو پکڑایا اور بعجلت اپنے پورشن کی طرف چل گئی۔

فیضان اس کی عجلت پر حیران تو ہوئے، پھر کندھے اچکا کر ٹیکسی کی طرف چل دیے۔

☆☆☆

"یہ تُو نے کیا کردیا دین محمد!"

دین محمد کی ماں سر پکڑے بیٹھی تھی۔ دین محمد نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے چبھتی نظر اس کے متفکر وجود پر ڈالی۔

"وہی کیا..... جو کرنا چاہیے تھا۔ اگلی بار باجی زبیدہ نے ایسی ہمت کی اور یہاں آئی، میں تب بھی یہی کروں گا۔"

دین محمد نے سرد مہری سے کہتے ہوئے جنت کا سر تھپتھپا کر اسے کھانا کھانے کو کہا تھا جو دادی کی بات پر ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

زہرہ کے انتقال کو تقریباً چار مہینے گزر چکے تھے، لیکن موت کا صدمہ جیسے در و دیوار سے لپٹ کر رہ گیا تھا۔ ماں کی دوری سے جنت کملا کر رہ گئی تھی۔ دین محمد خود بھی بہت افسردہ رہتا، لیکن محض جنت کی خاطر اس نے اپنے غم کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ وہ زیادہ وقت حویلی میں گزارتا تاکہ جنت کو زندگی کی طرف واپس لا سکے۔ وہ ہر وقت اس سے باتیں کرتا، اسے اسکول جانے کی تاکید کرتا، اس کی سہیلیوں کو گھر بلواتا۔ مقصد محض یہی تھا کہ جنت ماں کے صدمے سے نکل کر خوش رہ سکے۔ لیکن جنت زیادہ تر افسردہ ہی رہتی۔

اس عرصے میں دین محمد اپنی ماں کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ جسے بہو کی دائمی جدائی نے صدمہ پہنچایا تھا تو دوسری طرف بیٹی کی دوری اور تذلیل نے نڈھال بھی کر دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش رہنے لگی تھی۔ پورے دن میں بمشکل پانچ یا چھ ایسے جملے ہوتے جو اس کے لبوں سے ادا ہوتے۔ دین محمد کے حکم کے مطابق وہ ملازماؤں سے گفتگو سے احتراز برتتی۔ (یہ حکم وہ زہرہ کی زندگی میں ہی دے چکا تھا۔) صرف بوقت ضرورت بات کرتی، سارا دن وہ کمروں اور دالان میں چکر کاٹتی رہتی۔

اس کی ایسی حالت دیکھ کر کبھی کبھار دین محمد شرمسار ہو کر ماں کی طرف متوجہ ہوتا اور بہتر طریقے سے اس کی دیکھ بھال کرنے لگتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ باتیں کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا۔

لیکن پھر اچانک دین محمد کی ماں کو اس کی بیٹی یاد آ جاتی اور وہ کوئی ایسا ہی سوال کر دیتی جو دین محمد کو بہن کے ساتھ ساتھ ماں سے بھی متنفر کر دیتا۔ وہ ماں سے خفگی کے اظہار کے طور پر چند روز قصداً خاموش رہتا اور پھر ماں سے لاتعلق ہو جاتا۔

ایک بار پھر اس کی توجہ کا مرکز صرف جنت بن جاتی اور ماں تنہائی کے آسیب میں جکڑی بولائی بولائی پھرتی۔

آج پھر دین محمد کی ماں کو بیٹی کی یاد ستانے لگی تھی اور دین محمد کا سرد مہر سا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

"دین محمد! ایسا نہیں ہوتا پتر..... کوئی سگی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا کرتا ہے۔" ماں منمنائی تھی۔

"اگر کوئی سگے بھائی کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ اس کی بیوی اور بیٹی کو بددعائیں دے سکتا ہے تو پھر کوئی سگی بہنوں کے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے۔" اس نے رکھائی سے کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے جنت نے جھوٹ بولا ہو۔" ماں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"میں نے کہا تھا، میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" دین محمد نے درشتی سے کہا۔ "اس معصوم کی طرف دیکھو اماں! تجھے لگتا ہے یہ نمانی جھوٹ بول سکتی ہے۔"

"چل اچھا...... جھوٹ نہ سہی پر اسے سننے میں غلطی تو ہو سکتی ہے؟ بچی ہے، کیا پتا پھوپھی نے کچھ کہا ہو، اس نے کچھ سنا۔"

"یعنی گھما پھرا کر الزام میری بچی پر ہی آنا ہے۔" دین محمد نے غصے سے نوالہ پلیٹ میں پٹخ دیا۔

"اماں! مجھے ایک بات بتا، تو رہتی میرے گھر میں ہے، روٹی میری دی ہوئی کھاتی ہے، کپڑا میرا دیا پہنتی ہے، پھر بھی تجھے اپنی بیٹی بچی اور میری بیٹی جھوٹی لگتی ہے؟"

"اب بوڑھی ماں کو روٹی کا طعنہ دے گا دین محمد۔"

"نہ اماں! میری اتنی مجال کہاں کہ تجھے طعنے دوں...... طعنے تو، تو دے مجھے، جوتیاں مار میرے منہ پر، جس نے تیری بیٹی تجھ سے الگ کر دی، ہونا تو یہ چاہیے تھا، میں اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتا اور کہتا، لے باجی! پھر جائی تو میری بچو اس سن کر اللہ کو پیاری ہو گئی، بھانجی کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفنا دے۔"

دین محمد کا دماغ بالکل اُلٹ چکا تھا۔

غم سے نڈھال ماں گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔

"میں یہ کب کہتی ہوں دین محمد! لیکن کوئی راستہ تو نکالا جا سکتا تھا۔ وہ بڑی بن کے، قصد ہا کے آگئی تھی، تو بھی دل بڑا کر لیتا، پر تو نے بڑا ظلم کیا، سچ کہتی ہوں دین محمد! تو نے بڑا ظلم کیا میری بیٹی پر اس کا میکہ چھڑوا دیا۔ اب کون اس کے سر پر ہاتھ رکھے گا۔ نہ بڑھی ماں اس کے پاس کہ دل کے دکھ رو لے، نہ بھائی کہ اس کی چھاں (سایہ) میں ٹھنڈک پائے، ہک ہا...... بڑا ظلم کیا تو نے، کوئی سرد گرم آیا تو کس کے پاس جائے؟"

ماں سر پر ہاتھ رکھ کر جیتی جاگتی بیٹی کو رونے لگی۔

"بات سن اماں! ایک کام کر، تجھے بیٹی کا غم ستا رہا ہے تو اسی کے پاس جا کر رہ، ہاں میں نے دیکھا ہوا ہے باجی زبیدہ کا گھر، چوہے کے بل جتنے گھر میں رہنے والے وہ غریب لوگ اتنی جگہ تو نکال لیں گے تو وہاں رہ لے، جا کر اسی کو بتا نا کہ وہ بچی تھی اور میری بیٹی جھوٹی، مجھے تو اس بات سے دلچسپی نہیں، کیونکہ جانتا ہوں میری بیٹی بچی ہے، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی، ایسی معصوم، بھولی بھالی صورت کی سچائی پر کوئی شک کرے تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہیے۔ مجھے تو آسمان سے آ کر اللہ کے فرشتے بھی کہیں کہ جنت نے جھوٹ بولا تھا تو میں یقین نہ کروں۔ اتنا بھروسہ ہے مجھے اپنی بیٹی پر۔" غصے سے لال چہرہ لیے دین محمد دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

دین محمد کی ماں ہکا بکا رہ گئی۔

"کفر نہ بک دین محمد! تجھے اللہ کا واسطہ۔"

وہ زیر لب بڑبڑا کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا بیٹا...... اتنی عقل والا بیٹا ایسی گناہ کی بات بھی کر سکتا ہے۔

گناہ اور خدا کے قہر کے خوف سے اس کی روح کانپنے لگی تھی اور سارے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے جنت کی طرف دیکھا۔ جنت دادی کے روتے اور باپ کی اونچی آواز سے خائف ہو گئی

تھی اور اب وادی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وادی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ جلدی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی اور جلدی جلدی کھانے لگی۔ وہ بن بچے کی ماں اسے دیکھتی چلی گئی۔ اس کے دل میں کوئی وہم جڑ پکڑ رہا تھا۔ اور اس کی نظریں جنت پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

ضروری نہیں کہ تباہی ہمیشہ شدید زلزلے کی کوکھ سے جنم لے، کبھی کبھار معمولی نوعیت کے مسلسل جھٹکے بھی عمارتوں کو مسمار کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

"لیو (Leo) افراد باوقار شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، مضبوط قوت ارادی، پُرعزم اور خود مختار...... مسلسل جدوجہد کے قائل ہوتے ہیں، کسی لیو سے ایک بار مل لینے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ اس سے متاثر نہ ہوں، یہ لوگ تنہائی پسند نہیں ہوتے، بلکہ مل بیٹھنے کے شوقین ہوتے ہیں، ان کی قوت برداشت اتنی بہترین ہوتی ہے کہ بری سے بری صورت حال میں دل کی ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بہت ہی لونگ اور لواِیبل پرسنالٹیز کے مالک ہوتے ہیں یہ لوگ...... پھر ان کے یہاں محبت کے جذبے کی اہمیت بھی بہت ہوتی ہے۔ یہ بہت دوراندیش، ذہین، دانا اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔"

خوش مزاج بھی بہت ہوتے ہیں اور ہر طرح کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"او بھائی! نہ تم لیو ہو، نہ ہی مجھے Zodiac Sings کے بارے میں جاننے کا شوق ہے، پھر آخر کیوں تم اپنا ریسرچ ورک میرے دماغ میں انڈیلنے کی کوشش کر رہی ہو؟" مادی نے چائے کی کیتلی میں جھانکتے ہوئے اکتا کر پوچھا۔

وہ برنر کے قریب کھڑی تھی، جبکہ ایناپا کچن شیلف پر چڑھی بیٹھی نکس کنکو کی پلیٹ میں سے چن چن کر مونگ پھلی کھاتے ہوئے اپنی تازہ ترین معلومات سے اسے زبردستی مستفید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تمہارا یا میرا اسٹار نہ سہی، لیکن کسی کا تو ہوگا۔" ایناپا نے خیال ظاہر کیا۔

"اس "کسی" سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" مادی نے لاپروائی سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟ تمہیں اپنے ماموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" ایناپا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا مطلب فیضان ماما کا اسٹار لیو ہے؟" مادی حیران ہوئی۔ "بتاؤ...... میرے ماموں ہیں اور مجھے ہی نہیں پتا، تمہیں کس نے بتایا؟"

"انہوں نے خود بتایا تھا۔"

"ایں...... کمال ہے...... ہمارے ماموں نے ہمیں تو کبھی نہیں بتایا۔"

مادی نے چونک کر اور بغور ایناپا کو دیکھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں تھی۔

"ویسے اتنی ساری خصوصیات کے ساتھ ان افراد میں ایک بری عادت بھی ہوتی ہے، ان کا مزاج آتشی ہوتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے فیضان ماما تو غصہ ور نہیں لگتے۔" ایناپا کہہ رہی تھی۔

''ارے توبہ کرو، غصہ تو انہیں ایسا زوردار آتا ہے کہ بڑے بڑے جی دار کانپ جائیں، لیکن تسلی کی بات یہ ہے کہ غصہ سال میں ایک ہی بار آتا ہے۔اسی لیے مجھے لگتا ہے، ان کی بیوی بہت خوش رہے گی۔ بھئی ہر سال چند روز کی ناراضی اور غصہ جھیلنا پڑے گا اور بس...... اس کے بعد سکون ہی سکون۔''

''ارے ہاں..... بیوی سے یاد آیا۔ انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ اتنے تو بڑے ہیں۔'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

''بوڑھے تو نہیں ہیں۔'' مادی تنک کر بولی۔ ''مجھ سے کچھ سال ہی بڑے ہوں گے۔'' اپنے ہینڈسم سے ماموں کو بوڑھا کہلوانا اسے بالکل منظور نہیں تھا۔

''ایک دفعہ میں نے پوچھا تھا، کہنے لگے، ابھی تک کوئی اتنی اچھی ہی نہیں لگی کہ شادی کرتا۔ جس دن پسند کے مطابق لڑکی مل گئی شادی کر لوں گا۔''

''اور ان کی پسند کی لڑکی کیسی ہے؟'' اینا خاصی مشتاق نظر آئی۔

''یہ تو پتا نہیں۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا، پھر جلدی سے بولی۔

''ہاں...... لیکن میں ان سے کہوں گی اینا پوچھ رہی تھی آپ کو کیسی لڑکی پسند ہے۔'' اس نے کیتلی ٹرے میں رکھتے ہوئے نیم سنجیدگی، نیم شرارت سے کہا۔

''خبردار، میرا نام مت لینا۔'' اینا نے جلدی سے کہا۔

''اچھا۔ میں چلتی ہوں۔'' وہ چھلانگ لگا کر شیلف سے اترتے ہوئے بولی۔

''مجھے پتا ہے تمھیں چلنا آتا ہے، اب چپ چاپ اندر چلو، چائے پی کر چلی جانا۔'' مادی نے کہا۔

''نہیں مادی! میں تو یوں ہی آ گئی تھی۔ چائے پینے کا بالکل موڈ نہیں۔ باتیں کرنے کا موڈ تھا۔ لیکن اب تم اپنے مہمان نمٹاؤ۔ میں بھی جا کر دیکھوں، ڈیڈی اگر جاگ گئے ہوں تو بتاتی ہوں کہ توقیر انکل آئے ہوئے ہیں۔'' وہ کچن کے مخالف دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، پھر کچھ خیال آنے پر دروازے کے قریب رُک کر بولی۔

''سنو مادی! اپنے ماموں کے سامنے میرا نام مت لینا، پلیز۔ میں نے تو یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ وہ کیا سوچیں گے یہ لڑکی میری پسند کے بارے میں اتنی انکوائری کیوں کر رہی ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا اور جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، مبادا مادی پکڑ لے اور کہہ دے۔

''صرف وہ ہی کیوں؟ میں تو خود یہ ہی سوچ رہی ہوں۔''

مادی نے آنکھیں سکوڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں خود سے کہا، پھر اسی پُرسوچ انداز میں سرونگ ٹرالی گھسیٹتی کچن سے باہر لے گئی۔

☆☆☆

''آپ کا بھی جواب نہیں ثمینہ آپا! کیا ضرورت تھی بس کو ٹکر مارنے کی۔ مجھے فیضان نے بتایا اور میں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ بس کا سامنے والا

حصہ تو بالکل ڈبمچ ہو گیا۔ ایسے زبردست ڈینٹ پڑے ہیں کہ کیا بتاؤں۔"

تو قیر صاحب کی سنجیدگی سے کہی ہوئی بات کے جواب میں قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"یہ فیضان اور ماوی کم تھے، میری ٹانگ کھینچنے کے لیے، کہ تم بھی آ گئے۔" ثمینہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ شگفتگی سے جواب دیا۔

"ابھی کل ہی ماوی کہہ رہی تھی۔ ممی! جہاں آپ گری تھیں سنا ہے وہاں سڑک پر گہرا گڑھا پڑ چکا ہے۔ ٹریفک کی آمد و رفت میں اچھا خاصا خلل پڑ رہا ہے۔ اس پر فیضان کہنے لگا۔"

"اب اس بات کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ کسی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ گڑھا آپا کی وجہ سے پڑا ہے تو حکومتی املاک کو نقصان پہنچانے کے جرم میں آپا دھر لی جائیں گی۔ میں ایک ہفتہ بعد دبئی جا رہا ہوں تم کہاں آپا کو چھڑواتے کے لیے تھانے اور عدالتوں کے چکر لگاتی پھرو گی۔"

بتاؤ، آپا اتنا زخمی ہو گئی سات دن اسپتال میں رہ آئی۔ اب تک بازو پر پلاستر لگائے گھوم رہی ہے اور یہ ہیں کہ آپا سے زیادہ سڑک اور بس کی فکر میں ہلکان ہو رہے ہیں۔ ثمینہ نے آڑے ہاتھوں سب کو لیا۔

"فیضان تو لگتا ہے آج کسی اور ہی فکر میں ہلکان ہے۔" تو قیر صاحب نے توپوں کا رُخ فیضان کی طرف موڑا۔

"کیوں میاں! ہمیں بھی تو اس فکر کا نام بتاؤ۔" انہوں نے شرارت سے کہا۔ فیضان چائے کا کپ ہاتھ میں لیے واقعی کسی گہری سوچ میں تھے۔ تو قیر صاحب کی بات سن کر اور ثمینہ آپا اور منیزہ بھابھی کی نظریں خود پر مرکوز دیکھ کر جھینپ سے گئے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تو قیر بھائی! میں تو بس یوں ہی کچھ سوچ رہا تھا۔"

"یہی تو ہم جاننا چاہ رہے تھے" کیسے "سوچ رہے ہو۔ بھئی اس سوچ کا کوئی اچھا سا نام بھی تو ہوگا۔" انہوں نے تو فیضان کا پیچھا ہی لے لیا۔ فیضان ان کی رگ رگ سے واقف تھے فوراً مسکرا کر بولے۔

"اب میں کچھ بھی کہوں آپ مطمئن تو ہوں گے نہیں۔ ایسا کیجیے کوئی اچھا سا نام خود ہی بتا دیجیے۔ میں وہی لے لیتا ہوں محض آپ کی تسلی کے لیے۔" انہوں نے شانے اچکا کر کہا۔

"دیکھ رہی ہیں ثمینہ آپا! کس سہولت سے یہ دامن بچا رہا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دیں ورنہ یہ تو جانے کون کون سی فکریں پال کر سوچوں میں ہی اُلجھا رہے گا۔"

"یقیناً آپ کے بھی ہاتھ "پیلے" ہی ہوئے ہوں گے۔" فیضان نے سہولت سے ان کا جملہ پکڑا تھا۔

"ارے ایسے ویسے۔" تو قیر صاحب نے ترنت کہا۔

"لیکن بھئی۔ خدا گواہ ہے، وہ جو ایک بار پیلے ہوئے تھے تو آج تک پیلے ہوتے ہیں۔ خوف سے۔" اس بات پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا یہ الگ بات کہ جھینپنے کی باری اس بار منیزہ کی تھی۔

"توبہ ہے۔ پتا نہیں ان مردوں کو ہر وقت خود کو مظلوم ثابت کرنے کا شوق کیوں رہتا ہے۔ چاہے صبح سے شام بیوی کی دوڑ لگوائے

رکھیں۔" منیزہ نے خفگی سے توقیر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا فیضان کی شادی ہو لینے دو پھر ہم دونوں خوب اچھی طرح سے اس سوال پر غور کرنے کے بعد اس اہم سوال کا جواب دیں گے۔"

"مجھے تو معاف رکھیں۔ آپ کا جواب تیار کروانے کے لیے میں اپنے سکون اور آزادی کی قربانی نہیں دے سکتا۔" فیضان نے جلدی سے کہا۔

"بھئی۔ حد ہے۔ تم سے کس نے کہہ دیا شادی، سکون اور آزادی کی بربادی ہے؟ یہ تو بڑا خوبصورت رشتہ ہوتا ہے یار! انسان خود کو مکمل محسوس کرنے لگتا ہے ورنہ بنا شادی کے بھی کوئی زندگی ہے جیسے بنا گیئر کی گاڑی۔"

کم گو توقیر صاحب بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے مبادا بیوی کے کان میں آواز پڑ جائے اور بعد میں اُترائی پھریں کہ بھئی بلاواسطہ ہمیں ہی سراہا جا رہا تھا لیکن بات ایسی تھی کہ فیضان کی ہنسی چھوٹ گئی وہ دیر تک محظوظ ہوئے۔

"میں بتاتا ہوں بھابھی کو۔ آپ کے نیک خیالات سے وہ بھی توفیض یاب ہوں۔"

"ہوں۔ یعنی بلیک میلنگ۔" توقیر صاحب رتی بھر بھی متاثر نہ ہوئے۔

"بتا دو یار! کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنے سال ہو گئے ہماری شادی کو۔ تمہارا کیا خیال ہے تمہاری بھابھی اب تک ہمارے خیالات سے واقف نہیں ہوں گی۔" توقیر صاحب شگفتگی سے بولے تھے۔

منیزہ نے گلا کھنکار کر انہیں متوجہ کیا۔

"محفل میں بیٹھ کر دھیمی آواز میں گفتگو کرنا بدتہذیبی کے زمرے میں آتا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"میں ذرا بیویوں کے فوائد پر روشنی ڈال رہا تھا۔" توقیر صاحب نے کہا۔

"جی ہاں۔ آپ کو تو بڑا عبور ہے اس موضوع پر۔ ذرا ہمیں بھی تو بتائیں کتنی بھگتائے بیٹھے ہیں۔" منیزہ جل کر بولیں۔

"ایک کے بعد دوبارہ ہمت ہی نہیں ہوئی۔" انہوں نے مسکین سی شکل بنا کر جواب دیا۔ ثمینہ اور فیضان محض ہنسنے والوں میں شامل تھے۔

"اچھا بھئی۔ مذاق برطرف۔ فیضان کو ڈرائیں نہیں بے چارہ سمجھے گا بیوی بڑی مصیبت قسم کی چیز ہوتی ہے۔"

"مذاق؟" توقیر صاحب نے اچنبھے سے کہا۔ "میں سو فیصد سنجیدہ ہوں بیگم۔" وہ فیضان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

"اور میرے لیے کیا حکم ہے۔؟" یعنی آپ کے کس بیان پر یقین کیا جائے؟"

"فیضان نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔"

"بات کچھ یوں ہے فیضان!" توقیر صاحب نے کشن کمرے کے پیچھے سیٹ کرتے ہوئے کہا "کہ سارے شادی شدہ افراد کی سائیکالوجی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ ان سے کوئی کنوارا خوش و خرم برداشت نہیں ہوتا۔ خواہ مخواہ کا حسد ہونے لگتا ہے کہ ہمارے سر پر تو بیوی نام کی تلوار تو ہمہ وقت لٹکتی ہے یہ کنوارا کیوں خوش ہے۔ چلو اس کی بھی شادی کرواؤ۔ لیکن جوں ہی وہ کنوارا شادی کرنے کے لیے راضی ہوتا ہے تو ہمیں اس پر ترس آنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی سے خوشی اور سکون ختم ہونے والا ہے تب ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے ساختہ تاریک پہلو دکھانا شروع کر دیتے ہیں شادی کے۔" دونوں ہنسنے لگے۔

''اوہو توقیر! بس کریں پلیز۔ فیضان تو پہلے ہی شادی کا نام نہیں لے رہا آپ اور ڈرا دیں۔''

''واقعی توقیر! تم ہی اسے سمجھاؤ۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی آخر کب کرے گا شادی؟'' ثمینہ نے کہا۔

''تو آپ کس انتظار میں ہیں؟ میں تو پہلے ہی کہہ رہا ہوں کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کردیں۔ نکاح کی تقریب میں اس کو لانے کی ذمہ داری میری ہوئی۔ ایک طرف سے بازو پکڑ کر میں بیٹھوں گا دوسرے طرف فیاض کو بٹھا دیں گے پھر دیکھیے گا یہ محترم کیسے رسہ تڑوا کر بھاگتے ہیں۔'' توقیر صاحب نے دھمکی آمیز انداز میں فیضان کو دیکھا۔ وہ خفیف سے ہوکر بولے۔

''اب آپ مجھے بیل، بکرے کی طرح تو ٹریٹ نہ کریں توقیر بھائی! شادی نہ ہوئی سچ مچ قربانی ہوگئی۔''

''اور بعد کی ذمہ داری کون لے گا؟ میں کسی لڑکی کی زندگی کیوں خراب کروں زبردستی اس کے سر منڈھ کے۔ جبکہ اس سے اچھی طرح واقف بھی ہوں۔'' ثمینہ کو فیضان سے کم سے کم اس معاملے میں کچھ اچھی امید نہ تھی۔

''ایسا لاپروا تو نہیں ہے، میرا خیال ہے ذمہ داری نبھالے گا۔'' توقیر نے جانچتی نظروں سے فیضان کو دیکھا جو سر جھکائے جیسے ہر بات سے بے نیاز بیٹھے تھے۔

''ذمہ دار تو وہ ہے لیکن ساتھ ہی ضدی بھی بہت ہے اور اب سے نہیں بچپن سے۔ ایک مرتبہ سخت سردیوں میں تربوز کھانے کی فرمائش کر دی۔ اب بتاؤ ایسی ٹھٹھرا دینے والی سردی میں تربوز کہاں تلاش کیا جائے۔ فیاض بھائی پورے تین دن تک منڈی چھانتے پھرے کہ تربوز مل جائے گا تربوز کو نہ ملنا تھا سو نہ ملا اور نہ یہ ملا۔ چوتھے روز روح افزا گھول کر پلایا کہ یہ تربوز نہ سہی اس کا جوس ہی سہی تب اس نے ضد چھوڑی۔''

''خدارا ثمینہ آپا! میرا بچپن گزر چکا۔ اب بچپن کے قصوں کو بھول بھی جائیں۔'' فیضان نے شرارت سے کہا تھا۔

''تم نے تو بچپن کی ضد اب تک نہ چھوڑی۔ ایک بار جس کا نام لیا تھا اسی کا غم سینے سے لگائے بیٹھے ہو۔'' ثمینہ بے ساختگی سے بولیں۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' فیضان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے تیزی سے کہا۔ ''آئیں توقیر بھائی! باہر چل کے بات کرتے ہیں۔''

''باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں کرتی میں بات۔'' ثمینہ نے خفگی سے کہا۔ فیضان نے ناراضی سے انہیں دیکھا پھر مصلحتاً بیٹھ رہے۔ توقیر صاحب نے ایک نظر دونوں بہن بھائی کو دیکھا۔

''تم تو یار! خفا ہی ہوگئے۔''

''خفگی کی بات نہیں ہے توقیر بھائی! بس میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' فیضان نے سادگی اور قطعیت سے کہا تھا۔

''میں دانیال حسن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''اچھا۔ پھر کس نتیجے پر پہنچے؟'' توقیر صاحب نے منیزہ اور ثمینہ آپا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا سب ہی دانستہ گفتگو کا رخ بدل چکے تھے۔

''توقیر بھائی! مجھے دانیال حسن کے بارے میں کوئی بات کھٹک رہی ہے۔'' فیضان نے اُلجھن آمیز انداز میں کہا۔ ''اس بات کی کیا گارنٹی ہے

کہ ایک بار انکار کرنے کے بعد وہ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے۔ اگر کچھ عرصہ بعد انہوں نے کوئی اعتراض کیا تو؟" انہوں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔" توقیر صاحب نے چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے کہا جو مادی نے سرد کیا تھا۔

"میں نے اسی لیے کچھ روز بعد دبئی جانے کا فیصلہ کیا کہ پہلے دانیال حسن صاحب کا ارادہ معلوم کرلوں پھر دبئی جا کر فیکٹری کے انتظامات دیکھوں۔ بات یہ ہے توقیر بھائی! ثمینہ آپا ہمیشہ میری بہن رہیں گی اور ظاہر ہے ان کی بیگم بھی ان کے ساتھ رہیں گی۔ ایسا نہ ہو ان کا کوئی وہم ہمارے کاروباری سر اسم پر اثر انداز ہو کہ ہونا تو نہیں چاہیے۔"

"دانیال ایسا کچھ نہیں کرے گا فیض! میں اسے بڑی اچھی طرح جانتا ہوں تھوڑا سا جذباتی ضرور ہے لیکن بے عقل قطعاً نہیں۔ اسے دوبارہ انکار کرنا ہوتا تو اس بار حامی بھرتا ہی نہیں۔"

"دیکھ لیں توقیر بھائی! میں صرف آپ کی وجہ سے اس کام میں ہاتھ ڈال رہا ہوں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دانیال صاحب کی طرف سے میرا دل مطمئن نہیں ہے۔"

"اوہو بھئی۔ اب تم وہم نہ کرو۔ ابھی چلتے ہیں دانیال کی طرف۔ میں اسی لیے آیا ہوں کہ آج فائنل ڈسکشن ہو جائے یا اسٹرٹیجی تو ضرور پلان کرلیں پھر لیبر ہائیر کرنا بھی ایک کام ہوگا۔"

ان کے کہنے پر فیضان بنا کوئی اگلا اعتراض اُٹھائے سر ہلانے لگے۔ یہ الگ بات کہ دل ہنوز اسی ایک نکتے پر اٹکا ہوا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد جب دانیال حسن سے ملاقات ہوئی تو ان کے خدشات بہت حد تک ختم ہو گئے کیونکہ دانیال حسن بہت اچھے طریقے سے ملے اور فیضان کا بخوبی خیر مقدم کیا۔ بلکہ فیکٹری کے معاملات میں بھی بھرپور دلچسپی ظاہر کی تھی۔

"فیضان واپس آئے تو بے حد مطمئن ہو چکے تھے۔"

دوسری جانب دانیال حسن کہیں دل ہی دل میں یہ نکتہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی ناراضی، ان کی چپقلش یا ان کی جھنجھلاہٹ ثروت کے لیے ہے پھر ساری دنیا سے منہ موڑنے کا فائدہ؟

کاروبار تو کرنا ہے۔ روپیہ تو کمانا ہے۔

وہ غلط پن ہے تو چلو یونہی سہی۔

فیملی لائف تباہ ہو رہی ہے۔ ہو جانے دو۔

"بچوں پر بُرا اثر پڑے گا؟ بچے اب بچے بھی تو نہیں رہے بڑے ہو گئے ہیں۔ سمجھ سکتے ہیں غلطی کس کی تھی۔ ہم تو بھئی ناراضی بھی نبھائیں گے۔ دنیاداری بھی کرنا پڑے گی (اور۔ اور اپنا خون بھی جلائیں گے۔)"

دانیال حسن سب کچھ سوچ چکے تھے۔

☆☆☆

"جلال صاحب! جلال صاحب!"

اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ ورکشاپ پہنچا کر ٹیکسی سے گھر آیا لیکن موسم اتنا اچھا ہو رہا تھا کہ ٹیکسی اس نے مین روڈ پر ہی رکوائی اور چہل قدمی کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف چلا۔

یہ شام سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ بادل آسمان پر جھکے چلے آتے تھے۔ بنگلوں کی بیرونی دیواروں سے لٹکتی بیلوں سے ہوا لپٹتی تھی۔ اسے لگا بس ابھی آسمان سے انگلی چھڑوا کر پہلی بوند زمین کی پیشانی پر بوسہ دے گی اور پھر آن کی آن ہر سمت جل تھل ہو جائے گا۔ سر جھکائے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ راستے میں آئے ایک پتھر کو ٹھوکر مار رہا تھا جب اچانک کسی نے اس کے نام کے نعرے لگانا شروع کر دیے۔ جلال نے سر اٹھا کر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ کون محترمہ تھیں جو اس قدر دلکش موسم میں اس موسم سے کہیں زیادہ خوبصورت دسریلی آواز میں اس کا نام پکار پکار کے پورے ٹاؤن میں اسے "مشہور" کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں۔

"جلال صاحب!"

اس بار آواز اسے اپنے عقب سے اُبھرتی محسوس ہوئی تھی۔ تجسس انداز میں اس نے گردن موڑی پھر ماری کو دیکھ کر ٹھٹکا سا گیا اس کے ڈر سے ہی تو ہسپتال سے بھاگا تھا۔ "یہ یہاں بھی پہنچ گئی۔ پچھل پیری۔ اس نے تو شیبہ جیسے بندے کو نہیں بخشا۔ میرا کیا حشر کرے گی۔ یا اللہ۔ بچا لینا۔"

وہ دوڑنے کے انداز میں لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ یہ جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگا۔

ماری چند قدم پر آ کر رک گئی۔ لبوں پر مسکراہٹ، سانس پھولی ہوئی۔

"آپ تو کمال ہیں جلال صاحب! کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ لیکن آپ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ میں تو آپ کا تعاقب کرتے کرتے مر گئی۔ ہاہ۔"

"بے ترتیب سانس بحال ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔"

"آپ تو ہسپتال سے ایسا گئے کہ مڑ کر آئے ہی نہیں۔ میری ممی نے تو آپ کا بہت انتظار کیا اور صرف ممی ہی کیوں؟ میں خود اسی دن سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس روز تو مجھے اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ آپ کا شکریہ ادا کرتی مگر بعد میں، میں نے بہت سوچا کہ جس انسان نے میری ممی کی اتنی مدد کی اس کا شکریہ تو بڑے اچھے طریقے سے ادا کرنا چاہیے تھا لیکن شکریہ کس کا ادا کرتی آپ تو دوبارہ آئے ہی نہیں۔"

اس قدر سانس پھولی ہونے کے باوجود وہ خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بس نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

"ابھی میں نے آپ کو گھر کے ٹیرس سے دیکھا تو بھاگی چلی آئی۔ سوچا کہیں اس بار بھی آپ ہاتھ سے نکل ہی نہ جائیں پھر میں کہاں آپ کو تلاش کرتی۔ پہلے ہی تو دعائیں کر کر کے دکھائی دیتے ہیں۔"

"سچ۔ اتنی خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔ اتنا خوش تو میں بچپن میں اپنے فیورٹ کارٹون کریکٹر مکی ماؤس کو دیکھ کر بھی نہیں ہوتی تھی جتنا آپ کو دیکھ کر ہو رہی ہوں۔"

بے ساختگی سی بے ساختگی تھی۔

"جی۔" جیڈی نے ہڑبڑ کر کہا کیونکہ وہ تو اسے دیکھ بھی اتنے اشتیاق سے رہی تھی جیسے وہ انسان نہیں کوئی ماؤس ہی ہو۔

"میرا مطلب ہے میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں۔" مادی نے جلدی سے کہا تھا۔ "تھینک یو جلال! آپ نے ممی کی مدد کر کے اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں کبھی اس کا بدلہ نہیں اُتار سکتی۔ اس کا اجر صرف آپ کو اللہ سے ملے گا لیکن میں ساری زندگی آپ کے لیے دعا کروں گی کہ آپ کو بہت ساری خوشیاں ملیں۔ تھینک یو جلال۔ تھینک یو سو مچ۔"

"آپ بار بار شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔"

مادی چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی تھی تا کہ سانس لینے کا خیال آ گیا تھا۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلال نے جلدی سے کہا۔

جھینپا ہوا انداز، گھبرایا ہوا لہجہ۔

مادی نے چونک کر اسے دیکھا بلکہ بڑے غور سے دیکھا۔ اس لمبے چوڑے ڈیل ڈول لڑکے میں ایسی کون سی بات تھی جو غیر معمولی سی محسوس ہوتی تھی۔

"کیوں؟" مادی نے یکدم کہا۔ "احسان کیا ہے تم نے شکریہ تو بنتا ہے اور اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے، کوئی شکریہ کہے تو اسے حق کی طرح وصول کرنا چاہیے نہ کہ شرمندہ ہونا چاہیے۔"

عجب بے تکلف لڑکی تھی۔ "آپ" سے "تم" پر آنے میں منٹ بھی نہیں لگایا۔ جلال نے سوچا پھر جھجکتے ہوئے بولا۔

"بس مجھے شرمندگی سی ہوتی ہے۔ جب کوئی بار بار شکریہ کہے۔ آپ بھی نہ کہیں۔ آپ کی مدد کی تو انسانیت کے ناتے کی ہے۔"

"خیر آج تو انسان انسانیت کے ناتے بھی کسی کی مدد نہیں کرتے۔"

"اچھا۔ ہو سکتا ہے۔ میں نے کبھی غور نہیں کیا۔" اس نے فوراً ہی ہار مان لی بلکہ حقیقتاً جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مادی کو یقین نہیں آیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج کل تو سب غور کرتے ہیں۔" وہ بلند ہوئی پھر جلدی سے بولی۔ "عمل کریں نہ کریں غور ضرور کرتے ہیں۔ ویسے میں سمجھ گئی تم نے انسانیت کے ناتے کوئی مدد وغیرہ نہیں کی، اکچولی تمہارا دل بہت اچھا ہے۔ سب کا دل اچھا تھوڑا ہی ہوتا ہے، کسی کسی کا ہوتا ہے۔ ممی نے بھی میرے سامنے تمہاری بہت تعریف کی تھی۔ میں نے سوچا ممی کو تو سب ہی اچھے لگتے ہیں تمہاری تعریف بھی ایسے ہی کر رہی ہوں گی۔ تم تو واقعی بہت اچھے ہو۔ ٹو بی ویری آنسٹ تم تو مجھے اس دن بھی بہت اچھے لگے تھے جس دن تمہارے اسٹوپڈ دوست نے بلاوجہ مجھ سے جھگڑا کیا تھا اور تم نے بہت سوبلی جھگڑا ختم کروا دیا تھا لیکن مجھے تمہارا دوست بالکل اچھا نہیں لگا۔ سو روڈ۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ایک مشورہ دوں؟ تمہیں اس کے ساتھ دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ اچھے لوگوں کے دوست بھی اچھے ہونا چاہئیں۔" کھٹ سے مشورہ آیا۔

جلال بے چارہ ہنوز حواس باختہ۔

"جج۔ جی۔ میں چلتا ہوں۔"

تیز ہوا کے ساتھ پہلی بوند اس کی ناک کی پھننگ سے ٹکرائی تھی۔

"تم ہاسپٹل تو نہیں آئے لیکن گھر ضرور آنا۔ ممی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ پلیز ضرور آنا۔ ہم دانیال حسن کی انیکسی میں رہتے ہیں۔ وہ۔ وہاں۔" اس نے اشارے سے بتایا۔

"جی۔ جی۔ ضرور آؤں گا۔" اس کا بس نہ چلتا تھا کسی طرح یہاں سے کھسک لے دوسری طرف ماوی بولنے کی شوقین بھی بہت تھی۔

"پکا؟ پرامس؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"میں انتظار کروں گی۔"

جلال تو اس لڑکی کے انداز پر حیران تھا۔ سو سر ہی ہلا سکا اور خیر مناتا چل پڑا۔ ماوی کو اس کی عجلت دیکھ کر گدگدی سی ہونے لگی۔

"سنو۔" اس نے شرارت سے پکارا جلال کے قدم سست پڑ گئے۔

"اب کیا مصیبت ہے؟" اس نے بمشکل گردن موڑی۔

"تم سچ مچ بہت اچھے ہو جلال! آئی رئیلی لائیک یو۔"

جلال پر گھبراہٹ طاری ہو گئی پہلی بار تو کسی لڑکی نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح بھاگا۔

ماوی کے لیے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"پتا ہے ممی! میں کس سے مل کر آرہی ہوں؟" ماوی نے واپس آکر سنسنی پھیلانے کی کوشش کی۔

ثمینہ اس وقت بیڈ پر نیم دراز نظر کا چشمہ لگائے میگزین دیکھ رہی تھیں اس بات پر ابرو چکا کر چشمے کے اوپر سے اسے دیکھا۔

کس سے مل آئی ہو؟" وہ ذرا بھی تجسس نہ ہوئی تھیں۔ ماوی کو ان کے انداز میں سرسری پن دیکھ کر مایوسی ہوئی۔

"جلال سے۔" وہ اپنا لیپ ٹاپ آن کرتے ہوئی بولی۔

"جلال سے؟" ثمینہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ "جلال الدین سے؟" ماوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں وہ کہاں ملا؟ میرا مطلب ہے تمہاری ملاقات کہاں ہو گئی؟"

"ابھی ابھی گھر کے باہر ملاقات ہوئی ہے۔"

"اس کا ایڈریس ہی لے لیتی ماوی یا اندر ہی بلا لیتیں۔ میری بھی ملاقات ہو جاتی۔ پتا نہیں دوبارہ ایسا موقع ملے گا یا نہیں۔ میں اس لڑکے سے ملنا چاہ رہی تھی۔" ثمینہ کے انداز میں بے حد مایوسی تھی۔ ماوی نے کسی قدر حیرانی سے انہیں دیکھا اور بولی۔

"ایڈریس تو نہیں لیا لیکن وہ اسی بلاک میں رہتا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ آپ ملنا چاہتی ہیں کسی وقت فرصت نکال کر گھر آئے۔ وہ بھی آیا تو مجھے یقین ہے دوبارہ راہ چلتے ملاقات ہو ہی جائے گی۔ بائے دا وے۔ آپ کیوں اتنا کا تجسس ہو رہی ہیں اس کے بارے میں؟ میں نے

نوٹس کیا ہے جب سے ہسپتال سے واپس آئی ہیں اسی کے بارے میں باتیں کر رہی ہیں۔"

ثمینہ پل بھر کے لیے گڑبڑا گئیں۔

"جان بچائی ہے اس نے میری۔ اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ جب تک زندہ رہوں گی اسے یاد رکھوں گی۔ ممکن ہے اس کے بارے میں باتیں بھی کرتی رہوں۔ ویسے یہی بات ہے ماوی! مجھے وہ بچہ اچھا بھی بہت لگا ہے۔ بیحد سیدھا سادا اور معصوم سا انسان۔"

"معصوم؟" ماوی کو جلال کا چہرہ یاد آیا بلکہ چہرے سے زیادہ اس کے گھبرائے ہوئے انداز یاد آئے۔

"معصوم تو نہیں کہیں ممی ا بے وقوف کہیں۔ شکل سے تو بالکل بونگا سا لگتا ہے۔" وہ ہنسی۔

"کیا بونگا پن دیکھ لیا جلال میں؟ اتنا اچھا لڑکا ہے۔" ثمینہ نے تیز لہجے میں کہا۔ انہیں جلال الدین کی برائی اچھی نہیں لگی تھی۔ "تمہاری جنریشن کا مسئلہ ہے جہاں معصومیت نظر آئی، بونگے پن کا لیبل لگا دو گے۔"

"یونہی نہیں لگاتے سوچ سمجھ کر لگاتے ہیں۔" ماوی نے قطعیت سے کہا تھا۔ "مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اچھا لڑکا ہے لیکن معصومیت کا آج کل دور نہیں ہے۔ فی زمانہ تو لڑکیاں اتنی کانفیڈنٹ ہو گئی ہیں ایسے میں بات بات پر گھبرا جانے والے لڑکے کیا ترقی کر سکتے ہیں۔ آپ دیکھتیں۔ میری باتیں سن کر وہ کیسے گھبرا رہا تھا۔"

"ضرور تم نے کوئی اُلٹی بات کی ہو گی۔ تمہاری زبان سے تو میں پہلے ہی تنگ ہوں، اب اس بے چارے کو کیا کہہ آئی ہو؟"

"ارے میں نے کچھ نہیں کہا اس بھولے بادشاہ کو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "صرف شکریہ ادا کیا تھا گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ اور آپ کی باتوں کی روشنی میں تھوڑی سی تعریف کی تھی اور۔۔۔ اور ہاں میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجھے اچھا لگا ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں۔ اس میں ایسی کون سی بات تھی کہ وہ شرما کر بھاگ جاتا۔"

"تمہیں عقل نہیں آسکتی ماوی! کبھی نہیں آسکتی۔"

اس کا کارنامہ سن کر ثمینہ نے اپنا سر ہی پیٹ لیا تھا۔

"گھر کی مرغی دال برابر اسی کو کہتے ہیں شاید۔ میرے سارے ٹیچرز اور کلاس فیلوز میری ذہانت کی تعریف کرتے ہیں لیکن آپ کو ہمیشہ یہی لگتا ہے مجھے عقل نہیں آسکتی۔" وہ خفا ہو کر بولی۔

"کیونکہ عقل اور ذہانت میں فرق ہوتا ہے۔ میری ذہین و فطین بیٹی!" ثمینہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا لیکن ماوی نے خفگی کے اظہار کے طور پر رُخ ہی موڑ لیا تھا۔

☆☆☆

"میرے پاس ایک زبردست خبر ہے۔"

نمرہ اور رتوی اکٹھی ایگزیمینیشن ہال سے باہر نکلی ہی تھیں کہ منتظر کھڑی عنبر تیزی سے ان کی طرف لپکی۔

آج انگلش کا پیپر تھا اور عیران دونوں سے پہلے پرچہ مکمل کر کے نکل آئی تھی۔

"میرے پاس بھی ایک خبر ہے اور وہ یہ کہ میں اس پیپر میں فیل ہو رہی ہوں۔" نمرہ: سوری۔" اتنا خراب پیپر ہوا ہے میرا کہ ذرا بھی پاس ہونے کی امید نہیں ہے۔ میں ٹیچر نصرت کو کبھی معاف نہیں کروں گی جو چیزیں میں نے چوائس میں چھوڑی تھیں۔ وہ سب انہوں نے کوئیچن پیپر میں ڈال دیں۔" اس نے صدمے سے چور لہجے میں کہا تھا۔

"میرا پیپر تو اچھا ہوا۔ اتنا ٹف تو نہیں تھا۔" تنوی نے کہا" کیوں عیرا!"

"ہاں واقعی۔ میرا بھی اچھا ہوا۔" پھر اس نے نمرہ سے کہا۔

"اگر تم اوٹ پٹانگ لوگوں سے دوستیاں ترک کر کے پڑھائی پہ توجہ دو تو فیل ہونے کا خدشہ ہی نہ رہے۔"

"ایں۔ تم خود کو اور تنوی کو اوٹ پٹانگ لوگوں میں شمار کر رہی ہو؟" نمرہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں عروش مرزا کی بات کر رہی ہوں۔ صرف اور صرف عروش کی۔ سمجھی؟" عیر نے جل کر کہا۔

"اب عروش کہاں سے آ گئی درمیان میں؟" نمرہ نے اس زیادہ سلگ کر کہا تھا۔

"کیونکہ میرے پاس جو خبر ہے وہ عروش سے متعلق ہی ہے۔" عیر نے طنزیہ کہا۔

نمرہ اور تنوی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے عروش کو؟" نمرہ نے پوچھا۔

"اسے کچھ نہیں ہوا۔ دلچسپ بات یہ کہ اس بار اس نے کچھ کیا بھی نہیں۔ کارنامہ تو محترم سروش صاحب نے انجام دیا ہے۔"

دونوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"سروش؟ کون سروش؟"

اب بنو مت نمرہ! جیسے تم جانتی ہو نہیں کہ سروش کون ہے۔"

عیر نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے تنوی! مجھے لگتا تھا سروش، عروش کا کزن ہے۔" میرا شک درست تھا، سروش وہی لڑکا ہے جو عروش کا کزن ہے۔ اور اکثر کالج کے باہر کھڑا ہوتا ہے اور کالج کی بہت سی لڑکیاں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان ہی کے لیے کالج کے باہر کھڑا رہتا ہے۔ بہرحال گیٹ کیپر نے کئی دن سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ پرسوں اس نے کسی اسٹوڈنٹ پر وسلنگ کی تو گیٹ کیپر نے پکڑ کر پٹائی کر دی۔ اس پر سروش نے جیب سے چاقو نکال کر گیٹ کیپر کو زخمی کر دیا۔ کالج کے تینوں گارڈز بھی وہیں موجود تھے انہوں نے سروش کو پکڑ کر کلیریکل آفس میں بند کر دیا اور ہیڈ کلرک نے پولیس بلوائی۔ اس دوران سروش دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے عروش کا نام لینے لگا۔ جب پولیس آئی تو سروش نے بیان دیا کہ گیٹ کیپر اس پر الزام لگا رہا ہے کیونکہ چند روز پہلے اس کی گاڑی سے اس گیٹ کیپر کو ٹکر لگ گئی تھی اور وہ اسی کا بدلہ لے رہا ہے۔ جبکہ وہ تو ہر روز

یہاں اپنی خالہ زاد بہن عروش کو پک اینڈ ڈراپ کرنے آتا ہے جو تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ انسپکٹر نے کہا کہ عروش کو بلائیں جب عروش وہاں پہنچی تو اس سے عروش کے بیان کی تصدیق مانگی گئی۔ تصدیق کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ عروش نے جاتے ہی سرمش کو پہچان لیا تھا تب انسپکٹر نے عروش کو بتایا کہ سرمش کی جیب سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے اور انہیں شک ہے وہ کالج کے باہر ہیروئن کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ سرمش کو ظاہر ہے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ باقی بچی عروش تو اسے پرنسپل نے وارننگ دی ہے کہ اگر دوبارہ اس کا کزن نظر آیا تو اسے عروش کی غلطی شمار کیا جائے گا۔''

''لو......اس میں عروش کی کیا غلطی ہے؟'' نمرہ نے جلدی سے کہا۔

''تمہیں آج تک عروش کی غلطی نظر آئی ہے؟'' عبیر نے سلگ کر کہا۔

''مجھے ایک بات تو بتاؤ عبیر! جو خبر کسی کو نہیں پتا ہوتی وہ تم کو کیسے پتا چل جاتی ہے؟'' نمرہ نے بے حد طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''مطلب؟'' عبیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مطلب یہ کہ عروش کے کزن کے متعلق تم جو فرضی قصہ سنا رہی ہو اس کے بارے میں کسی اور کو تو نہیں پتا۔ کیا وجہ ہے کہ پورے کالج میں صرف تم کو ہی خبر ہوگئی؟'' اس کا انداز ابھی بھی سابقہ تھا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا نمرہ! میں کیوں فرضی قصہ سناؤں گی۔'' عبیر نے جھنجلا کر کہا تھا ''تمہیں پتا ہے میرے ابو کے کزن اس انسٹی ٹیوٹ کے ایگزیکٹو میں سے ہیں سرمش کا قصہ میں نے ان ہی سے سنا ہے اور چونکہ ایسی باتیں کسی بھی ادارے کی ساکھ کو متاثر کرسکتی ہیں اسی لیے اسٹاف کے چند لوگوں کے درمیان سے یہ بات باہر نہیں نکلی۔ انکل نے مجھے بھی تاکید کی تھی کہ کسی سے ذکر نہ کروں لیکن چونکہ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے اسی لیے تمہیں ساری بات بتادی۔ سوچا ممکن ہے اسی طرح تمہارے سر سے اس کی دوستی و ہمدردی کا بھوت اتر جائے۔'' عبیر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

نمرہ لال چہرہ لیے اسے گھورتی رہی۔ پھر تنوی سے بولی۔

''عروش پرنسپل کی ڈانٹ سن کر ہرٹ ہوئی ہوگی۔ ہمیں تسلی دینے اس کے پاس جانا چاہیے۔''

''ڈانٹ ہی پڑی ہے قضائے الٰہی سے وفات نہیں پاگئیں عروش صاحبہ کہ تم تعزیت کرنے پہنچ جاؤ۔''

''عبیر!'' تنوی نے معاملہ سلجھانا چاہا کہ دونوں ہی بے حد غصے میں آگئی تھیں۔

''تم چل رہی ہو تنوی؟'' نمرہ نے عبیر کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

تنوی مخمصے میں پڑ گئی۔ نمرہ کے ساتھ جاتی تو عبیر کو اعتراض ہوتا اور عبیر کی بات مانتی تو نمرہ نے خفا ہو جانا تھا۔

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔'' نمرہ نے اسے تذبذب میں دیکھ کر سرد مہری سے کہا اور مخالف سمت چلی۔

''تم نے تو کہا تھا تم نے عروش سے دوستی ختم کر دی ہے؟'' عبیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ نمرہ نے گردن موڑ کر غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں فضول کا قصہ سنانے کی؟'' نمرہ کے جاتے ہی تنوی نے خفگی و جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔ ''تمہیں پتا نہیں ہے وہ

عروش کے متعلق کچھ نہیں سنتی۔''

''تو پھر جھوٹ کیوں بولتی ہے کہ عروش سے دوستی ختم کر چکی ہے۔'' جبیر ٹھٹک کر بولی تھی۔

''مجھے پتا تھا۔ اس نے جھوٹ بولا ہے کہ عروش سے دوستی ختم کر چکی ہے۔ تبھی میں نے سروش کے متعلق ساری بات بتائی کہ شاید اب وہ عبرت پکڑے اور عروش جیسی لڑکی سے منہ موڑ لے مگر نہ جی۔ وہ ثمرہ صاحبہ ہی کیا جن کی عقل میں کوئی بات سما جائے۔''

''ثمرہ کو اتنا تو سمجھا چکے۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔'' تنوی نے بیزاری سے کہا تھا۔'' ویسے بھی جبیر! کوئی غلط کام کرتے ہوئے سروش پکڑا گیا ہے۔ عروش تو نہیں۔''

''یا اللہ کس قدر احمق سہیلیاں ملی ہیں مجھے۔ تم لوگ ہیڈ لائن سن کر تفصیلات کیوں نہیں سمجھ لیتیں؟ سروش جس کا اصل نام کچھ اور ہے۔ کالج کے باہر کھڑا رہ کر جو کام کرتا تھا وہی کام عروش کالج کے اندر انجام دیتی ہے یعنی افیم اور ہیروئن کی سپلائی کا کام۔ اب آیا عقل شریف میں کچھ؟''

جبیر نے اطمینان سے اس کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ تنوی پہلے ہی ہونق تھی اس انکشاف پر بالکل ہی ہکا بکا رہ گئی۔

☆☆☆

''یار اکمل! کبھی تو دروازہ جلدی بھی کھول دیا کرو۔''

جلال جھنجھلاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے کمرے میں ٹی وی فل والیوم میں چل رہا تھا۔ دروازہ نیم وا ہونے کی وجہ سے آواز دروازے تک سنائی دے رہی تھی۔

''بھائی جان! میں چائے بنا رہا تھا۔'' اکمل نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی'' لیکن 'بھائی جان'' کا موڈ خراب تھا اسی پر الٹ پڑے۔

''کس کتاب میں لکھا ہے چائے بناتے ہوئے دروازہ نہیں کھولنا چاہیے؟ اور جھوٹ ذرا کم بولا کرو۔ اتنی اونچی آواز میں ٹی وی سنو گے تو ڈور بیل خاک سنائی دے گی۔'' وہ دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہوا۔

''آیئے۔ آیئے جناب جلال الدین صاحب! آپ کے انتظار میں تو ہم کب سے دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھے ہیں۔'' اسے دیکھتے ہی صوفے پر نیم دراز واثق نے نعرہ بلند کیا تھا۔ جلال ایک پل کے لیے چونکا صرف واثق ہی نہیں سعدی، جنید اور ارسل بھی موجود تھے۔ کھڑکی کی سلائیڈ ہٹی ہوئی تھی اور دو ریٹین اسٹینڈ پر لگی تھی۔ بیڈ پر ڈرائی فروٹ کی پلیٹ رکھی تھی جس میں ڈرائی فروٹس کی چھلکیاں ہی باقی رہ گئی تھیں۔

''تم لوگ کب آئے؟'' اس نے ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے پوچھا۔

''عین اسی وقت۔ جب تم سڑک پر کھڑے میرے حق پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔'' سعدی نے جل کر کہا۔

''کیا!'' جلال نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''میں تمہارے حق پر ڈاکہ کیوں ڈالوں گا۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس ہے۔ کبھی ڈاکہ ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔''

''اللہ۔ اس معصومیت پر تو مر جانے کو دل چاہتا ہے۔'' سعدی نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میری مانو سعدی، اس بار تو ول کی مان ہی لو۔" ارسل نے فوراً مشورہ دے ڈالا جسے سعدی نے بڑی ناپسندیدگی سے ہضم کیا۔

"مجھ سے کوئی بات نہ کرے کیونکہ میرا موڈ سخت خراب ہو چکا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" جلال نے پوچھا۔ "تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔ کچھ پتا تو چلے۔"

"جب عشق کی پینگیں بڑھا رہے تھے تب تو میرا خیال نہیں آیا۔" سعدی بُری طرح سلگ رہا تھا۔

جلال کو بری طرح جھٹکا لگا تھا۔

"سعدی! تیرا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

"سعدی ٹھیک کہہ رہا ہے جے ڈی! ہم نے تو آج تک تم سے کچھ نہیں چھپایا جیسے بچے اسکول کے سارے قصے ماؤں کو سناتے ہیں۔ ویسے ہی ہم سب اپنا ہر افیئر تمہارے سامنے ڈسکس کرتے رہے ہیں اور تم ایسے گھنے میسنے ہو کہ کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔"

ارسل نے اپنی طرف سے اسے اچھی خاصی شرم دلائی تھی۔ جلال کے سر پر سے گزر رہا تھا سب کچھ۔

"میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ تم دوست نہیں آستین کا سانپ ہو۔ دوستی کے نام پر دھبہ ہو۔" سعدی نے غم و غصے سے اوور ایکٹنگ کی حد کر دی۔

"او بھائی! طعنے دینا بند کرو۔" جلال نے لجاجت سے کہا تھا۔

"اتنی باتیں سنانے کے بجائے اگر تم لوگ مجھے اصل بات بتا دو تو مہربانی ہوگی۔ یہ پہیلیاں مجھ سے نہیں بوجھی جاتیں۔"

"میرا بھوک سے برا حال ہے۔ پہلے کھانے کے لیے کچھ منگوا دو کیونکہ خالی پیٹ تو غم کا اظہار بھی میں ٹھیک سے نہیں کر پاؤں گا۔" سعدی نے خفگی سے کہا۔ جلال نے گہرا سانس بھر کر اکمل کو آواز دی اور کھانا لانے کے لیے کہا۔

"جب تک کھانا نہیں آتا۔ تم مجھے اصل بات بتا دو۔"

"اصل بات تو تم بتاؤ۔" سعدی نے کہا۔ "کون ہے وہ لڑکی جس سے باتیں کر رہے تھے؟ حالانکہ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے پہلے میں نے دیکھا تھا اس لیے وہ تم سب کی بھابی ہوگی۔ ہونے والی بھابی سے "چکر" چلاتے تمہیں شرم نہیں آئی۔"

"لاحول ولا۔" جلال بری طرح جھنجلایا۔ "سعدی! کبھی سوچ سمجھ کر بھی بولا کرو۔ استغفر اللہ۔ میں کیوں اپنی ہونے والی بھابی۔ توبہ توبہ۔ تم نے اتنی گھٹیا بات سوچی بھی کیسے۔" اسے غصہ ہی آ گیا۔

"بس سوچ لی۔ تمہیں تو پتا ہے میں گھٹیا باتیں سوچنے میں کتنا بڑا چیمپئن ہوں۔" سعدی پر اس کے غصے کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"جے ڈی کی دھوکہ دہی نے سعدی کو پاگل کر دیا ہے۔" ارسل نے اعلان کیا۔ سعدی غم و غصے کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ جلال کو ترس سا آ گیا۔ نظریں کھڑکی تک گئیں۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سعدی! میں اس لڑکی سے کوئی ایسی بات نہیں کر رہا تھا۔ جس پر تمہیں اعتراض ہو۔ تمہیں یاد ہے ارسل! ہم نے

ایک خاتون کو سڑک سے اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا۔ یہ لڑکی ان ہی کی بیٹی تھی۔ میرا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ میں نے اس کی ماں کی مدد کی۔ بس اتنی سی بات تھی جس کا تم نے بتنگڑ بنا لیا۔"

"شاباش۔ میں ابھی بیٹی کو کھڑکی سے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ اور تم اس کی اماں تک بھی پہنچ گئے۔ کیا بات ہے۔"

"چلو کوئی تو بزرگوں تک پہنچا۔ جے ڈی! اب سعدی کا رشتہ تم ہی لے کر جانا" جنید نے کہا۔

"اور جھڑکیاں کھا کر واپس آ جانا کیونکہ سعدی کو اپنی بیٹی کا رشتہ صرف وہ دے گا جس نے بیٹی کی زندگی خراب کرنی ہو" واثق نے تمسخر اڑایا۔ تائید میں زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"مجھے پتا ہے میری محبت کا راستہ صاف ہوتا دیکھ کر تم سب جل بھن گئے ہو۔ بس جے ڈی! مجھے ایسے جل ککڑوں کی ضرورت نہیں۔ آج سے صرف تم ہی میرے بہترین دوست ہو اور تب تک میرے بہترین دوست ہی رہو گے جب تک اپنی ہونے والی بھابھی سے میری دوستی نہیں کروا دیتے۔"

پچھلی باتیں بھول کر وہ جلال کے کندھے پر سوار ہو گیا۔ جلال کا دل چاہا سعدی کو بھی بتا دے کہ وہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا مگر پھر اس بات کو کسی اور وقت پر ٹال کر واش روم میں گھس گیا۔ باہر سعدی دوربین سے چپکا اونچی اونچی تان لگا رہا تھا۔

"میرے سامنے والی کھڑکی میں۔"



ثمینہ کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی، پلاستر اتر چکا تھا، لیکن بازو ہلانے جلانے میں ڈاکٹر نے خاصی احتیاط کی تاکید کی تھی، جس کی وجہ سے انہیں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ دوسرے کمزوری بھی بہت ہو گئی تھی۔ مسلسل ادویات کے استعمال کی وجہ سے طبیعت مکدر سی رہتی۔

اس روز فجر کی نماز ادا کر کے ماوی زبردستی انہیں قریبی پارک میں لے آئی کہ "آپ فریش محسوس کریں گی خود کو۔" لیکن دوسرے ہی چکر میں ثمینہ ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ گئیں۔

"بس بھئی ماوی! میں تو تھک گئی اب اور نہیں چلا جائے گا مجھ سے۔" قریبی بینچ پر نشست سنبھالتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"آپ بوڑھی ہو گئی ہیں ممی!"

"بوڑھے ہوں میرے دشمن! وہ تو ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ویک نیس ہو گئی ہے، ورنہ تم سے پہلے اس پارک کے دس راؤنڈ لگا سکتی ہوں۔" ثمینہ نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا۔ ماوی نے شرارت سے انہیں دیکھا۔

"یہ بات تو آپ نے ڈبلن میں بھی کئی بار کہی تھی، لیکن خدا کے بعد میں گواہ ہوں، دو کے بعد تیسرا چکر آپ نے کبھی مکمل نہیں کیا۔"

"تم جیسی پوتی لڑکی کو کیا پتا؟ کبھی مارننگ واک کے لیے گھر سے نکلی بھی ہو۔" انہوں نے فوراً حساب برابر کیا۔

"اچھا آپ یہاں بیٹھیں۔ میں دو راؤنڈ اور لگاؤں گی۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ٹریک کی طرف چل دی۔ ثمینہ آرام دہ پوزیشن میں بیٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگیں۔

پارک میں اتنی صبح بھی تقریباً ہر عمر کے مرد و خواتین حتیٰ کہ بچے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ لوگ گھاس کے قطعات پر میٹ بچھائے یوگا اور مختلف ورزشیں کرنے میں مصروف تھے۔ ٹریک پر جاگنگ کرنے والوں سے زیادہ چہل قدمی کرنے والوں کی تعداد تھی۔ اندھیرا تقریباً چھٹ چکا تھا۔ لیکن سورج آسمان کے کناروں پر کہیں کروٹیں بدل رہا تھا اور دھوپ کا نام و نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ آسمان سے زمین تک صبح سویرے کی تازگی اور خنکی تنی ہوئی تھی۔ گھاس نم نم سی تھی۔ پودوں پر رات کا کہرا جمع تھا، جبکہ درختوں کے پتوں سے رات بھر کی شبنم بوندیں بن کر ٹپک رہی تھیں۔ آسمان پر صبح کے پرندے اڑان بھر رہے تھے اور ان کی دلکش آوازیں سارے میں بکھر جاتی تھیں۔

تب ہی ثروت اور اینیا آ گئیں۔ ثروت تو خیر واک کی عادی تھیں، اینیا یوں ہی آ گئی تھی۔

''ثمینہ آنٹی! آپ اکیلی آئی ہیں؟'' اینیا نے پوچھا۔

''نہیں ہادی بھی آیا ہے۔ میں تھک گئی تو یہاں بیٹھ گئی۔ ہادی اپنے دو راؤنڈ پورے کر لے، پھر گھر جائیں گے۔''

''انو بیٹے! میرا ابھی موڈ نہیں ہے آج واک کرنے کا، تم چاہو تو ہادی کے ساتھ واک کر لو، میں یہاں ثمینہ کے پاس بیٹھتی ہوں۔'' ثروت نے اینیا سے کہا تھا، وہ سر ہلا کر ہادی کے پاس چلی گئی۔ ثروت ثمینہ کے پاس بیٹھ کر حال احوال دریافت کرنے لگیں، لیکن ان کی متلاشی نظریں پارک میں حد نگاہ تک گھوم رہی تھیں۔

''ایسے درخت حویلی میں بہت تھے۔'' معاً ثمینہ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس کے پتے لمبے اور چپٹے تھے، ثروت نے چونک کر ثمینہ کو اور پھر درخت کو دیکھا۔

''سفیدے کے درخت تو پہچان تھے اس حویلی کی۔ ویسے حیرانی کی بات ہے اس حویلی میں چند روز گزارنے کے باوجود آپ کو یاد ہے۔'' ثروت نے جیسے ثمینہ کی یادداشت سے متاثر ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''چند روز میں پوری ایک زندگی......'' ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اپنی زندگی کے بدترین دن اس حویلی میں گزارے تھے۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا تھا۔ کسی دن میرا دماغ ہی پھٹ جائے گا اور اب بھی حیرانی ہوتی ہے کہ وہاں سے نکلتے ہوئے میرا ذہنی توازن کیسے درست رہ گیا۔'' وہ جیسے اسی دور میں پہنچ گئی تھیں جو ان کی زندگی کا بدترین دور تھا۔

''میں تو آپ پر بہت رشک کرتی تھی کہ بڑے مناسب وقت پر آپ کی جان چھوٹ گئی۔'' ثروت نے قدرے تعجب سے کہا تھا۔

''جان تو چھوٹ گئی تھی، مگر وقتی طور پر۔ اللہ نے قسمت میں دوبارہ اسی عقوبت خانے میں جانا لکھا ہوا تھا اور دوسری بار رہائی کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی مجھے کہ میری ساری زندگی ہی ویران ہو گئی۔ رہائی کی کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنا پڑتی ہے، لیکن اتنی بڑی قیمت......''

''میں کچھ نہیں۔'' ثروت نے کچھ اُلجھ کر انہیں دیکھا۔ ثمینہ کے چہرے پر دُکھ کا سایہ لہرا رہا تھا۔ دل میں جیسے ٹیسیں سی اُٹھنے لگیں۔

''ثمینہ!'' جب وہ دیر تک خاموش رہیں اور اپنا غم چھپانے کو لبوں کو دانتوں سے کچلتی رہیں اور ان کی آنکھوں میں نمی سی دکھائی دینے لگی تو ثروت نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ثمینہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔

''حویلی میں ماوی کے بابا کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ میں سہاگن بن کر اس حویلی میں گئی تھی، بیوہ بن کر نکلی۔ اس حویلی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ اُلٹا جو کچھ تھا، وہ بھی چھین لیا۔''

ثروت کے لیے یہ اتنا بڑا شاک تھا کہ وہ بڑی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکیں۔

''میرے خدایا! مجھے تو رجب بھائی کے بارے میں پتا ہی نہیں تھا۔ میں تو اب تک...... میں بھی، وہ آئرلینڈ میں ہوں گے۔''

ثروت صرف اتنا ہی کہہ سکیں، ان کے لیے تو یہ ایسی غیر معمولی اطلاع تھی جس پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

''میرے لیے یہ بہت ہی شاکنگ نیوز ہے۔ یقین مانیے ثمینہ! مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ رجب بھائی سے گو کہ میری زیادہ ملاقات نہیں ہوئی، لیکن میں جانتی ہوں وہ بہت اچھے انسان تھے۔ مستقیم سے بہت تعریف سنی تھی ان کی۔'' ثروت نے جیسے مجبوراً مستقیم بھائی کا نام لیا تھا۔

''اچھا...... حیرانی ہے۔ اس حویلی میں کوئی رجب کی تعریف بھی کرتا تھا۔'' ثمینہ کے لہجے میں دکھ بھی تھا، طنز بھی۔

''کسی اور کا تو پتا نہیں، لیکن مستقیم اکثر ان کی تعریف کرتا تھا۔'' ان دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی حائل ہوئی، پھر ثروت نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

''مجھے احساس ہے ثمینہ! یہ ذکر آپ کو بہت دکھ پہنچا رہا ہوگا، لیکن مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا، کیسے ہوا یہ سب؟''

''چھوڑو ثروت! بڑی لمبی کہانی ہے یہ، پھر جو بات صرف دکھ دے اس کا بار بار ذکر کرنے کا فائدہ؟''

''اگر آپ مجھے رجب بھائی کے انتقال کی خبر سناتیں تو مجھے اتنی حیرانی نہ ہوتی، لیکن قتل...... وہ بھی حویلی کے اندر، ناقابل یقین۔''

''ناقابل یقین؟'' ثمینہ نے کرب سے دہرایا۔ ''اس حویلی نے کس کو خوشیاں دی تھیں ثروت! کہ غم کی خبر ناقابل یقین لگے۔ اپنی طرف دیکھو، میری زندگی دیکھو، وہ حویلی دکھوں کا برزخ تھی اور کچھ نہیں۔''

''انکوائری تو ضرور ہوئی ہوگی۔ آپ کو کسی پر شک تھا؟''

''جب حویلی سے نکلی تو ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ کسی پر شک کر سکتی۔''

''ماوی جانتی ہے؟''

''کیا؟''

''یہی...... کہ اس کے والد کا قتل ہوا تھا۔''

ثمینہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ماوی اس وقت بہت چھوٹی تھی، وہ یہی سمجھتی ہے اس کے بابا کا انتقال دل کا دورہ پڑنے سے ہوا تھا۔''

''جلال!'' وہ سامنے سے جاگنگ کرتے ہوئے گزرا تھا، ثروت بے ساختہ پکار بیٹھیں۔ جلال نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا، پھر اُلٹے

قدموں ان کے قریب آ گیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، کیسے ہو جلال؟" ثروت نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟" وہ سدا کا باادب تھا۔

"جلال! شبیہ آج جاگنگ کرنے نہیں آیا؟" اس کے سوال کا جواب سر ہلا کر دیتے ہوئے ثروت نے اشتیاق و بے چینی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"وہ تو مجھ سے بھی پہلے ہی پارک آ گیا تھا۔" جلال نے اِدھر اُدھر شبیہ کو تلاش کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھیں، اس طرف ایکسرسائز کر رہا ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ثروت کی آنکھوں میں نور سا اُتر آیا تھا۔ شبیہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ مگر نظر ملتے ہی اس نے ناگواری سے چہرہ موڑ لیا۔ ثروت کے دل کو دھکا سا لگا، مگر......

ثمینہ، جلال سے کہہ رہی تھیں۔

"تم سے تو ابھی میں سخت خفا ہوں، اچھی مدد کی، شکریہ کا موقع بھی نہیں دیا۔"

"آنٹی! آپ لوگ اتنا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ پہلے آپ کے بھائی نے شکریہ کہا پھر آپ کی بیٹی نے بھی یہی کہا، اب آپ بھی شکریہ کہہ رہی ہیں۔ بلیوی، کوئی اتنا بڑا کام نہیں کیا میں نے کہ آپ لوگ شکریہ ہی کہتے رہیں۔" جلال نے بے چارگی سے کہا، ثمینہ ہنس دیں۔

"اچھا دوبارہ کوئی شکریہ نہیں کہے گا لیکن ذرا یہ پلاسٹر اُتر جائے، پھر میں تمہیں کھانے پر انوائٹ کروں گی دیکھو انکار مت کرنا۔ بھئی مجھے بھی تو لگنا چاہیے کہ میں نے اپنے محسن کا شکریہ اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔" ثمینہ نے بے حد اپنائیت سے کہا تھا۔ جلال انکار نہیں کر سکا۔ اثبات میں سر ہلایا اور خواتین کو خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

ثروت خاموش بیٹھی اس طرف دیکھ رہی تھیں جہاں ہری باڑھ کے پیچھے شبیہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ جلال کو کیسے جانتی ہیں؟"

"جلال ہی مجھے ہاسپٹل لے کیا تھا بڑی مدد کی اس نے میری۔"

"ویسے بڑا اچھا لڑکا ہے۔ دل کا تو بہت ہی اچھا ہے۔" ثروت نے کہا۔ "ورنہ مجھ سے کیا رشتہ ہے کہ اتنی تمیز تہذیب سے ملے۔ ماشاءاللہ بہت نیک ہے، ماں باپ خوش قسمت ہیں جلال کے۔"

"اور تمہارا بیٹا" ثمینہ نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے تمہارے بیٹے کے ماں باپ خوش قسمت نہیں ہیں؟"

"باپ خوش قسمت ہے اور ماں...... جس کی شکل اس کا بیٹا دیکھنا ہی نہ چاہے وہ ماں کتنی خوش قسمت ہو سکتی ہے؟" ثروت کے لبوں پر مجروح سی مسکراہٹ تھی۔ ثمینہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں تھپتھپایا۔

"میں نے کہا ناں ثروت! وہ حویلی دکھوں کا برزخ تھی جس سے کسی کو کوئی سکھ نہیں مل سکا۔"

"اینٹ گارے کی حویلیاں کسی کو دکھ نہیں دیتیں ثمینہ! حویلیوں میں بسنے والے پتھر انسان دکھ دیتے ہیں۔" ثروت کے لہجے سے آنچ آتی تھی۔
پھر دونوں خاموش ہو گئیں حتیٰ کہ سورج کی کرنیں درختوں سے اُتر کر سب گھاس پر پھیل گئیں۔

☆☆☆

"میں کل سے یہاں نہیں آؤں گا شہر میں اور بہت سے پارک ہیں جہاں جاگنگ کے لیے جایا جا سکتا ہے۔"
شبیہ نے جلال کے ساتھ ٹریک پر دوڑتے ہوئے تلخی بھری سنجیدگی سے کہا تھا۔
"اس پارک میں کیا برائی نظر آ گئی؟" جلال نے لحظہ بھر کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کس قدر بھیڑ رہتی ہے یہاں۔ پارک کم چڑیا گھر زیادہ لگتا ہے۔ ہر ایرا غیرا منہ اُٹھا کر آنے لگا ہے۔" گو کہ یہ بڑا ہی احمقانہ اعتراض تھا لیکن جلال نے تحمل سے برداشت کیا۔
"یہ پبلک پارک ہے محترم! آپ کا پرائیویٹ پارک نہیں کہ جو بھی آئے آپ کی اجازت لے کر آئے۔"
شبیہ نے اس بات پر کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔
"اسی لیے کہہ رہا ہوں کل سے کسی اور پارک میں جاؤں گا۔" اس نے سلگ کر کہا۔ "تم اطمینان سے یہاں آنا اور آتی جاتی "آنٹیوں" کو سلام کرتے رہنا۔" اس نے جیسے دانتوں کے بیچ جلال کو پیس ڈالا۔
"اچھا۔ اب سمجھا۔ غصہ کس بات کا ہے۔" شبیہ کی ناراضی کے ڈر کے باوجود وہ اپنی بے ساختہ ہنسی روک نہیں سکا۔
"تم بھی سلام کر لیتے۔" اس نے مشورہ دیا۔
"کس خوشی میں ہے۔" وہ تاؤ کھا گیا۔
"نیکیاں ملتی ہیں۔" جلال نے معلومات میں اضافہ کیا۔
"تمہیں مبارک ہوں یہ نیکیاں۔ اور بہت سے طریقے ہیں نیکیاں جمع کرنے کے۔" اس نے جل کر کہا۔
"یار شبیہ! کیا ہو جاتا اگر تم سلام کر لیتے۔ چھوٹا سا سلام کرنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ وہ بے چاری اتنے میں ہی خوش ہو جاتیں۔"
"بے ڈی! میرا دماغ پہلے ہی گرم ہو چکا ہے۔ بے تکی نصیحت کا اُلٹا اثر ہوا تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ رشتہ داریاں نبھانے کا شوق ہے، نبھاؤ، مجھے انوالو کرنے کی ضرورت نہیں۔"
"وہ میری نہیں تمہاری رشتہ دار ہیں۔ رشتہ بھی ایسا جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میری رشتہ داری تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جس روز تایا جان نے انہیں طلاق دی تھی۔ میں ان سے ملتا ہوں یا ان کی ریسپیکٹ کرتا ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے۔"
ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ شبیہ نے گردن موڑ کر ایک کڑی چبھتی ہوئی نگاہ جلال پر ڈالی اور رفتار بڑھاتا آگے نکل گیا۔ جلال

نے گہری سانس بھر اسے دیکھا۔

"یہ نہیں سدھر سکتا۔" اس نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

"میں تو بچپن سے ہی ایسی ہی ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں کان کو سامنے سے پکڑا جائے یا سر کے پیچھے سے ہاتھ گھما کر۔ پکڑا تو ہر حال کان ہی جائے گا اسی طرح مجھے ہٹ دھرم کہہ لو۔ ڈھیٹ کہہ لو یا مستقل مزاج۔ بات تو ایک ہی ہے۔"

ماوی نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ پارک سے واپس جاتے ہوئے وہ اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بڑی دلچسپی سے روشنی ڈال رہی تھی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ ثمینہ، ثروت کے ساتھ کئی قدم آگے چل رہی تھیں۔ ورنہ ایک دلچسپ بحث تو ضرور ہی چھڑ جاتی۔

"مجھے اپنی فیملی سے بہت محبت ہے۔ بڑے ماموں، ممانی جان، فیضان ماما، شہروز، شزا سب سے بہت محبت ہے لیکن سب سے زیادہ محبت ممی سے ہے۔ ممی وہ دنیا کی واحد شخصیت ہیں جن کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ اپنی زندگی کا ہر فیصلہ بدل سکتی ہوں۔"

"بچپن میں مجھے اسکول بنک کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ شہروز مجھ سے بڑا تھا شزا چھوٹی۔ میں دونوں کو ورغلا کر گھومنے پھرنے نکل جاتی تھی اور پھر ممی سے بڑے غضب کی ڈانٹ کھاتی تھی، مگر آفرین ہے میری ڈھٹائی پر۔ مجال ہے جو کبھی اس ڈانٹ کا اثر لیا ہو، ہاں وقتی طور پر شرمندہ ضرور ہوتی تھی اور پکا فیصلہ کرتی تھی اب کوئی ایسا کام نہیں کروں گی کہ ممی کو ڈانٹنے یا خفا ہونے کا موقع ملے۔ لیکن یہ ایک اور فیصلہ تھا جو ہر بار بدل جاتا۔"

اس کے کھنکتے لہجے کا تاثر ہنوز تھا جیسے خود ہی اپنی شرارتیں یاد کر کے محظوظ ہو رہی ہو۔

"ایک مرتبہ ڈبلن کے سائیڈ ایریا میں سرکس لگی۔ میں حسب معمول اسکول بنک کر کے دیکھنے پہنچ گئی۔ وہاں ایک کرتب تھا کہ بازیگر گہرے سے کنویں میں موٹر بائیک اور کار چلاتے تھے۔ میں اتنی متاثر ہوئی کہ خود بھی یہ کرتب کرنے کے لیے مچل اٹھی۔ اگلے ہی دن سے بائیک چلانا سیکھنے لگی اور ٹھیک تیسرے روز کنویں میں بائیک چلانے پہنچ گئی۔"

"پھر......؟" یہاں ماوی نے خاموشی کا ایک ڈرامائی سا وقفہ لیا تھا، اپنا تجسس سے پھڑک اٹھی۔

"پھر" اس نے بے چینی سے پوچھا۔ ماوی گہری سانس بھر کر بولی۔

"پھر کیا...... تین دن کی پریکٹس کے بعد بائیک تو مہارت سے نہیں چلائی جا سکتی تھی صرف فریکچر ہی کروایا جا سکتا تھا سو میں نے بائیں ٹانگ تڑوا لی۔ ممی خوب روئیں اور پورے آٹھ دن مجھ سے بول چال بند رکھی۔ نویں روز میں نے غصے میں آ کر بیس بال بیٹ سے پڑوسیوں کے لڑکے کا سر پھاڑ دیا۔ اس کی ممی آئیں ہم سے خوب جھگڑا کیا۔ وہ لوگ ہالینڈ سے آئے تھے۔ "ڈچ" بولتے تھے میں اس سے بالکل نابلد تھی۔ بعد میں فیضان ماما نے بتایا وہ گالیاں دے رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے "ٹھنڈا" کر کے بھیجا۔ گالیوں والی بات سن کر مجھے اور غصہ آیا۔ میں نے دوبارہ بیٹ اٹھایا تو ممی نے کہا اب گھر سے باہر نکلو گی تو دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گی۔ میں نے کہا ابھی صرف دائیں طرف والے پڑوسی کا سر توڑا ہے۔ آپ دسویں دن بول چال بند رکھیں گی تو بائیں طرف والے پڑوسی کا سر پھاڑ دوں گی، گیارہویں دن بھی بات نہیں کریں گی تو سامنے والوں کے لڑکے کا

سر بھی میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔ ابھی بات سامنے والوں تک ہی پہنچی تھی کہ ممی نے سفید جھنڈی لہرا کر سیز فائر کر دیا اور یوں ہماری صلح ہو گئی۔"

محاورتاً نہیں حقیقتاً ہنس ہنس کر اینیا کے پیٹ میں بل پڑ چکے تھے۔

"میرے اللہ! تم کس قدر لڑاکا ہوتی تھیں ماوی!"

"اس میں لڑاکا والی کیا بات ہے اور تم پلیز ہنسو نہیں، اس صلح کا بڑا بھاری جرمانہ بھرنا پڑا تھا مجھے۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اچھا؟ وہ کیا؟"

"ممی سے وعدہ کرنا پڑا کہ میں دوبارہ کبھی کنویں میں بائیک چلانے کی بات نہیں کروں گی، نہ ہی کبھی اس بارے میں سوچوں گی۔ بات کرنا میں نے چھوڑ دیا لیکن سوچ پر پابندی نہیں لگا سکتی تھی۔ رچرڈ گیئر کی فلم میں ڈائیلاگ سنا تھا۔ "جو خواہشات پوری نہ ہوں وہ زندگی کا ناسور بن جاتی ہیں۔" مجھے لگتا ہے میری یہ خواہش بھی ناسور بن چکی ہے تم یقین کرو گی اینیا! مجھے خواب میں اکثر نظر آتا ہے کہ میں کنویں میں بائیک چلا رہی ہوں۔"

اس کے بات کرنے کا انداز بے حد دلچسپ تھا۔ چہرہ بے حد سنجیدہ آنکھیں بے پناہ شرارت سے جگر جگر کرتی ہوئی اینیا کی ہنسی نہ رکتی تھی۔

"ارے۔ تم ہنستی جا رہی ہو جیسے میں لطیفے سنا رہی ہوں۔ لاحول ولا۔ میری اتنی بڑی خواہش......" اس نے دہائی دی پھر خود بھی مسکرانے لگی پھر ذرا سنجیدہ ہو کر بولی۔

"اچھا سنو۔ میری ممی کو مت بتانا کہ میں خواب میں بائیک چلاتی ہوں۔ انہیں گھبراہٹ ہونا شروع ہو جائے گی پھر میرے خواب دیکھنے پر بھی پابندی لگا دیں گی۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" اینیا نے کہا۔ "ثمینہ آنٹی کا غصہ پڑوسیوں کے لڑکے پر کیوں نکالا تھا تم نے؟"

اس سوال پر ماوی نے پہلے قہقہہ لگایا پھر بولی۔

"ممی کا تو اچھا بھلا بہانہ تھا۔ دراصل اس نے چار روز پہلے شہروز سے جھگڑا کیا تھا اور اس کے چہرے پر ناخن مار دیے تھے میں نے اسی بات کا بدلہ لیا تھا۔" وہ مزے سے آنکھیں مٹکا کر بولی تھی۔

"ناخن مارنے کی اتنی بڑی سزا؟" اینیا کو تعجب ہوا۔

"کوئی بڑی سزا نہیں تھی۔ میرا بس چلتا تو اس گدھے کو بوٹیاں کر کے اسی کے پالتو کتے کو کھلا دیتی۔ یار اینیا! تمہیں شاید عجیب لگے لیکن میں خود سے وابستہ لوگوں کے لیے بڑی پوزیسیو ہوں۔ کوئی انہیں تکلیف پہنچائے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ خون کھولنے لگتا ہے میرا جب تک بدلہ نہ لے لوں سکون ہی نہیں آتا۔"

"اور یہ شہروز صاحب کون ہیں؟"

"یہ لو۔ اتنے دن سے مجھے جانتی ہو۔ تمہیں ابھی تک یہی نہیں پتا کہ شہروز کون ہے؟" ماوی نے یوں کہا جیسے بڑے افسوس کی بات ہو۔

"کیا بہت ہی تاریخ ساز شخصیت ہیں۔" اینیا نے اس کے انداز سے قیاس لگایا۔

''یہی سمجھ لو۔ منگنی کی تاریخ تو اسی نے طے کی تھی۔''

''مطلب؟'' وہ خاک نہ سمجھی۔

''یار! شہروز۔ فیاض ماموں کا بیٹا ہے۔ یعنی میرا سابقہ کزن اور حالیہ منگیتر۔'' ماوی کے لیے یہ اطلاع عام سی تھی اینیا کے لیے نہیں۔

''تم انگیجڈ ہو۔ تم نے بتایا ہی نہیں؟''

''اچھا نہیں بتایا؟ حیرانی ہے۔ میں تو سب کو بتا دیتی ہوں۔''

''لو یا ارینج؟'' اینیا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''دونوں۔'' ماوی نے کندھے اچکا دیے۔

''خود کی منگنی ہو چکی ہے اور ماموں...... جو عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ وہ یونہی گھوم رہے ہیں۔'' اینیا نے گفتگو کا رخ فیضان کی جانب موڑنا چاہا تھا۔

''فیضان ماما شادی کے لیے ہاں تو بھریں میں ان کی منگنی شادی سب ایک ہی دن میں کروا دوں گی۔'' ماوی جوش سے بولی۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہیں اینیا اگلے سوال کے لیے پر تول رہی تھی۔

''ماوی!''

''ہوں۔'' وہ گردن گھما گھما کر عادتاً ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

''فیضان ماما عمر میں تم سے کتنے بڑے ہوں گے۔'' اس نے خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے پوچھا لیکن...... لیکن دل و جان سے جواب کی منتظر تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ فیضان ماما میرے ماموں ہیں۔ برائے مہربانی انہیں میرا ہی ماموں رہنے دو۔ زبردستی ان کی بھانجی بننے کی کوشش نہ کرو۔ دوسری بات یہ کہ مجھے تمہاری ساری چالاکیاں خوب اچھی طرح سے سمجھ آ رہی ہیں۔ اگر تم چالاک ہو تو میں بھی کچھ کم نہیں ہوں الحمدللہ۔ یہ جو تم گھما پھرا کر میری عمر معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہو ناں تو اس سے باز آ جاؤ۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے میں تمہیں اپنی اصل عمر کا پتا چلنے نہیں دوں گی اور تیسری اور آخری بات یہ کہ معصوم سی شکل بنا کر تم میرے ماما کے بارے میں کرید کرید کے سوال کیوں پوچھتی رہتی ہو؟ آخر چکر کیا ہے؟''

وہ ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ اینیا کے ہاتھوں کے توتے سب اُڑ گئے۔ وہ اتنی بری طرح شپٹائی کہ زندگی میں کبھی نہ شپٹائی ہو گی۔

''کیا۔ کیا کہہ رہی ہو ماوی؟''

''وہی۔ جو تم سمجھ رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں نہ سمجھوں۔'' ماوی نے تڑ تڑ کہا۔

''پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو؟ عجیب ہو تم ماوی؟'' اس نے پیچھا چھڑانا چاہا لیکن وہ ماوی ہی کیا جو اتنے آرام سے جان بخش دے۔